نوائے اُردو - 2

اُردو کی درسی کتاب

جماعت دہم

Urdu Reader - X Class

مدیر اعلیٰ

پروفیسر ایس اے شکور

صدر شعبہ اُردو، نظام کالج، عثمانیہ یونیورسٹی،

و ڈائرکٹر/سکریٹری اُردو اکیڈیمی، آندھرا پردیش، حیدرآباد

مدیران

ڈاکٹر محمد علی اثرؔ

موظف پروفیسر عثمانیہ یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر حبیب نشار

اسوسی ایٹ پروفیسر شعبہ اُردو، حیدرآباد سنٹرل یونیورسٹی، حیدرآباد

ڈاکٹر سید مسعود حسن جعفری

موظف اسوسی ایٹ پروفیسر کاکتیہ یونیورسٹی، ورنگل

جناب سلیم اقبال

پرنسپل ڈی۔ایڈ، المدینہ کالج آف ایجوکیشن، محبوب نگر

جناب سید جلیل الدین

صدر مدرس گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول میسرم بارکس، حیدرآباد

جناب محمد امیر حمزہ

صدر مدرس گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول، کوٹلہ عالیجاہ، حیدرآباد

ماہر مضمون

جناب سورنا وینائک

کوآرڈینیٹر، شعبہ نصاب و درسی کُتب، SCERT، حیدرآباد۔

کوآرڈینیٹر

جناب محمد افتخار الدین شادؔ

کوآرڈنیٹر، ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت آندھرا پردیش، حیدرآباد

کمیٹی برائے فروغ و اشاعت درسی کتاب

شری۔جی۔گوپال ریڈی

ڈائرکٹر

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت

آندھرا پردیش، حیدرآباد

ڈاکٹر این۔او پیندر ریڈی

پروفیسر شعبہ نصاب و درسی کتب

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت

آندھرا پردیش، حیدرآباد

شری۔پی۔سدھاکر

ڈائرکٹر

گورنمنٹ ٹکسٹ بک پریس

آندھرا پردیش، حیدرآباد

ناشر حکومت آندھرا پردیش

تعلیم کے ذریعے آگے بڑھیں

صبر و تحمل سے پیش آئیں

قانون کا احترام کریں

اپنے حقوق حاصل کریں

''سارے جہاں میں دھوم اُردو زباں کی ہے''

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

© Government of Andhra Pradesh, Hyderabad.

New Edition

First Published 2014

All rights reserved.

No part of this publication may be reproduced, stored in a retrieval system, or transmitted, in any form or by any means without the prior permission in writing of the publisher, nor be otherwise circulated in any form of binding or cover other than that in which it is published and without a similar condition including this condition being imposed on the subsequent purchaser.

The copy right holder of this book is the Director of School Education, Hyderabad, Andhra Pradesh.

This Book has been printed on 70 G.S.M. SS Maplitho,
Title Page 200 G.S.M. White Art Card

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے

Printed in India
at the Andhra Pradesh Govt. Text Book Press,
Mint Compound, Hyderabad,
Andhra Pradesh.

پیش لفظ

اسکولی تعلیم کا آخری مرحلہ جماعت دہم ہے۔تحتانوی سطح سے لسانی درسی کتابوں کی تدوین کا عمل غور وفکر کو فروغ دینے' اظہار خیال کو ترجیح دینے جیسے اہم مقاصد کو پیش نظر رکھ کر کیا گیا ہے۔ جماعت دہم کی تکمیل تک بچوں میں ایسی صلاحیتیں فروغ پانی چاہیں جن کی بناء پر پڑھے اور سنے ہوئے مواد سے متعلق تنقیدی طور پر غور وفکر کرسکیں۔اور صحیح رائے یا نظر قائم کرسکیں۔اور وہ اس بات کے بھی قابل ہوں کے موقع ومحل کے اعتبار سے مروجہ زبانی تحریری اصناف/موضوعات کو سمجھتے ہوئے ان کا استعمال کرسکیں۔ادب کے مطالعے کے ذریعے زبان کی خوبصورتی' طرز تحریر' شعراء اور مصنفین کی توصیف بیان کرسکیں۔تنقیدی نقطہ نظر سے تجزیہ کرکے مختلف تصانیف کے متون کے خلاصے و گہرائی کو سمجھ سکیں۔مطالعہ کو ایک عادت میں بدلتے ہوئے اعلیٰ شخصیت واقدار کو فروغ دیتے ہوئے اپنے علمی دائرے کو وسعت دے سکیں۔اس کے حصول کے لیے مختلف موضوعات پر مبنی زائد از نصاب مواد کا مطالعہ کرنے' ماہرین مضمون ولسانیات سے گفتگو کرنے کی عادت بنائیں۔ مادری زبان کے قاعدے' اصول وضوابط کی بنیاد پر دیگر زبانوں کو سمجھ سکیں۔

مذکورہ بالا تمام باتوں کے حصول میں معاون جماعت دہم کی درسی کتاب ''نوائے اُردو-2 کے عنوان سے مرتب کئی گئی ہے۔ یہ کتاب اس طرح ترتیب دی گئی ہے کہ جماعت نہم میں حاصل کردہ لسانی استعداد اور تخلیقی صلاحیتوں کے اظہار کی مزید صراحت انسانی اقدار' انسانی تعلقات' خواتین کے تئیں احترام' محنت کشوں کا احترام جیسے اقدار کے فروغ میں معاون اسباق کا انتخاب قدیم اور جدید ادب سے کیا گیا ہے۔ان اسباق کا انتخاب قدرتی مناظر کی منظر کشی' اقدار' تحریک' تنقید' تہذیب' خواتین کا احترام' سائنسی مشاہدات' سماجی خدمات' خواتین کی بااختیاری' طنز ومزاح جیسے موضوعات کی بنیاد پر کیا گیا ہے اس درسی کتاب کے اسباق نظم' قصیدہ' انشائیہ' تقریر' انٹرویو' خودنوشت سوانح حیات وغیرہ جیسی اصنافِ ادب پر مشتمل ہیں۔

ہر سبق میں استعداد کے حصول میں معاون مشغلے ''یہ کیجیے'' عنوان کے تحت شامل کئے گئے ہیں، یہ مشغلے غور وفکر کرنا' درعمل ظاہر کرنا' اظہار خیال کرنا' مختلف ذرائعوں سے تجزیہ کرنا' غور وفکر کرنا' مناسب وجوہات پیش کرنا' مربوط کرنا' تخلیقی وتوصیفی انداز میں اظہار کرنا جیسی نوعیت کے حامل ہیں۔ بچے درسی کتاب سے پرے مطالعہ مواد کی جانب راغب کرنے والے ہیں۔متن کو سمجھنے میں معاون فرہنگ بھی کتاب کے آخر میں شامل کی گئی ہے۔

اسباق کے متن ومشغلوں کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ اساتذہ سبق کی تدریس' تدریسی مدارج کے مطابق کرسکیں۔حصہ نظم ونثر علاحدہ یہ کرتے ہوئے اسباق کی نوعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے سلسلہ وار ترتیب دیا گیا ہے۔قواعد کے اصولوں کو بہ آسانی سمجھنے کے لیے مثالیں بھی دی گئی ہیں۔ زبان کی تدریس کرنے والے معلمین راست طور پر سبق کی تدریس شروع کرنے کے بجائے سبق سے پہلے دیئے گئے موضوعات سے آغاز کریں۔ مابعد بحث ومباحثہ کے ذریعے سبق کی تفہیم کرواتے ہوئے مشغلوں کا اہتمام کریں۔اسباق میں شامل محاوروں' الفاظ کے رشتوں' اہم پیغام پہنچاتے ہوئے جملوں' واقعات کے بارے میں موثر بحث ومباحثہ کے ذریعے مفہوم کو سمجھیں۔اور تنقیدی نقطہ نظر کو فروغ دیں۔لسانی استعداد کے حصول میں معلم کے لیے درسی کتاب صرف ایک معاون کردار ادا کرے گی۔تدریس کے لیے حوالہ جاتی کتب اور اسکول کی لائبریری کا استعمال خود کرتے ہوئے ایسا ماحول فراہم کریں کہ بچے بھی ان کا استعمال کریں تاکہ لسانی ماحول پیدا ہوسکے۔ اس درسی کتاب کی ترتیب میں شریک کمیٹی کے اراکین' ماہرین مضمون' اساتذہ' مصورین اور صلاح ومشورہ دینے والے بھی افراد کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔میں اس بات کی امید کرتا ہوں کہ یہ کتاب بچوں میں لسانی دلچسپی وادبی ذوق پیدا کرے گی ساتھ ہی ساتھ لسانی استعداد کے حصول میں تعاون کرتے ہوئے اعلیٰ اقدار کے حامل افراد کے طور پر ابھرنے میں بھی معاون ہوگی۔

تاریخ: 16-10-2012

مقام: حیدرآباد

جی گوپال ریڈی

ڈائرکٹر'

ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق وتربیت'

آندھراپردیش، حیدرآباد۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

اساتذہ کے لیے ہدایات

☆ اس کتاب سے مکمل استفادہ کرنے کے لیے ''پیش لفظ' کتاب کے ذریعے حاصل طلب استعداد'' کا ضرور مطالعہ کیجیے۔

☆ ''طلباء کے لیے ہدایات'' کا پہلے آپ مطالعہ کیجیے۔ پھر طلباء سے پڑھنے کے لیے کہیے۔ اور یہ دیکھیں طلباء نے ان ہدایات کو سمجھا ہے یا نہیں۔

☆ اس کتاب کو اس طرح ترتیب دیا گیا ہے کہ تدریس 180 پیریڈس میں مکمل ہو۔ اس میں سے 168 پیڑیڈس اسباق کی تدریس کے لیے اور باقی پیریڈس سرسری مطالعہ کے ابواب پر مباحثہ کے لیے استعمال کئے جائیں۔

☆ ایک سبق کے لیے اوسطاً 12 پیریڈ کافی ہوجائیں گے

☆ ان میں پڑھیے' سوچیے' مقصد/ پس منظر' شاعر یا مصنف کے تعارف اور طلباء کے لیے درج ہدایات' میں موجود مشاغل کے لیے دو پیریڈ استعمال کئے جائیں۔

☆ سبق کی بحث ومباحثہ کے ذریعہ تفہیم کرنے کے لیے مواد مضمون (سبق) کو 2 تا 4 حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ان حصوں کو رومن اعداد سے ظاہر کیا گیا ہے۔

☆ ''یہ کیجیے'' کے عنوان کے تحت دی گئی مشقوں کی تکمیل کے لیے 7 پیریڈ استعمال کئے جائیں۔ ''سمجھنا اور ردعمل کا اظہار'' کی مشقوں کے دو پیڑیڈس' اظہار مافی الضمیر اور تخلیقی صلاحیت'' کے لیے دو پیریڈس زبان شناسی کے تحت دی گئی ''لفظیات اور قواعد'' کے دو پیریڈس منصوبہ کام کی پیشکشی اور مباحثہ کے لیے ایک پیریڈ مختص کئے جائے۔

☆ سبق کے ابتداء میں ''پڑھیے۔ سوچیے اور بولیے'' سے متعلق مشق کو پوری جماعت کے لیے ''گروہی مشغلہ'' کے طور پر تکمیل کروائیں۔

☆ سبق کے پس منظر/ مقصد' ماخذ' شاعر یا مصنف کے تعارف کا طلباء سے مطالعہ کروا کر مباحثہ کروائیں۔

☆ طلباء کے لیے ہدایات'' کے تحت دیئے گئے امور کو انفرادی مشاغل کے طور پر تکمیل کروائیں۔ اس کے لیے کمرہ جماعت میں لغت ضرور فراہم کی جائے۔

☆ مواد سبق کی تفہیم کے لیے سبق کی مناسبت سے مباحثہ کے طریقے سوال جواب کے طریقے' مظاہراتی طریقے' کہانی کے طریقے' ڈرامے/ اداکاری کے طریقے کو استعمال کیا جائے۔ سبق کے درمیان میں ''سوچیے اور بولیے'' کے عنوان سے سوالات دیئے گئے ہیں۔ انہیں سبق کی تدریس کے دوران پوچھا جائے۔ سوچ کر جواب دینے کے لیے کہا جائے۔

☆ تدریس سبق سے مراد اسکی توضیح ہی نہیں ہے بلکہ اس میں موجود اقدار' شاعر/ مصنف کے نقطہ نظر اور باطنی معنی کو طلباء کو سمجھنے کے قابل بنانا ہے۔ اس کے لیے غور وفکر پر مبنی سوالات کئے جائیں۔

طلباء کے خیالات کو ظاہر کرنے کے لیے کہا جائے۔ ہم عصر امور سے مطابقت پیدا کی جائے اور مختلف زاویوں سے اس کا تجزیہ کیا جائے۔

☆ ''یہ کیجیے'' کے تحت موجود مشقیں طلباء میں لسانی استعداد کو فروغ دینے کے مقصد سے رکھی گئی ہیں۔ انکی تکمیل طلباء کے ذریعہ کروائی جائے۔

☆ ایک ایک مشق کے لے ایک ایک پیریڈ مختص کیا گیا ہے۔ لہذا مختص شدہ پیریڈ میں اس مشق کو کیسے کیا جائے سمجھا یا جائے اور طلباء کے تحریر کردہ کام کا جائزہ لے کر اسکی تصحیح کریں۔

☆ دسویں کے امتحانات چونکہ بورڈ امتحانات ہوتے ہیں۔ اس لیے طلباء کو خود سے لکھنے کے لیے حوصلہ افزائی کرنا چاہیے۔ گائیڈ' اسٹڈی میٹیریل' کوچنگ بنک وغیرہ کے استعمال کو روکنا چاہیئے۔ کیونکہ بورڈ امتحانات میں دیئے جانے والے سوالات ہو بہو کتابی سوالات نہیں ہوں گے۔

سبق میں موجود مشقوں کو از خود کرنے والے طلباء ہی ان سوالات کے جواب تحریر کر سکتے ہیں۔

☆ ''سمجھنا اور ردعمل کا اظہار'' مشق کے تحت سننا' بولنا سے متعلق سوالوں کے مشغلے کا اہتمام کل جماعت کے طور پر کریں۔ ''پڑھنا۔ سمجھنا'' سے متعلق مشغلوں کا اہتمام انفرادی طور پر کریں۔ سبق پڑھ کر جواب لکھیے سے متعلق سوالات گھر کے کام کے تحت دیئے جائیں۔

☆ ''اظہار مافی الضمیر-تخلیقی اظہار''، مشق کے سوالات خود لکھنا، تخلیقی صلاحیت کا اظہار، توصیف جیسی استعداد سے متعلق ہیں۔ان میں مختصر جوابی سوالات کو بطور ہوم ورک سبق کی تدریس کے دوران ہی دیں۔طویل جوابی سوالوں کے جواب لکھوانے سے قبل کل جماعت میں ان سے متعلق مباحثہ کروائیں۔اس کے بعد انفرادی طور پر لکھوائیں اور پڑھوائیں۔بچوں کے لکھے ہوئے جوابات میں الفاظ کے، جملوں کو اور املا کی غلطیوں کی تصحیح کریں۔

☆ تخلیقی اظہار سے متعلق سے سوالوں کے جواب لکھنے سے قبل بچوں کو مختلف مثالوں کے ذریعہ سمجھائیں۔گروہی طور پر جواب لکھوائیں۔بحث ومباحثہ کے ذریعہ اس کی تصحیح کریں۔اس کے بعد انفرادی طور پر لکھنے کے لیے کہیں۔

☆ منصوبہ کام کے تحت بھی یہی طریقہ اپنائیں۔

☆ سبق کی تکمیل سے مراد ''پڑھیے-سوچیے-بولیے'' سے لیکر سبق کے آخر میں دیئے گئے تمام امور کا اہتمام منصوبہ بند طریقے سے کرتے ہوئے ان سے متعلق معلومات پہنچائیں۔اساتذہ اس کے مطابق تیاری کریں۔

☆ اسکے لیے اساتذہ کو چاہیے کہ وہ سالانہ منصوبہ اور پیریڈ پلان تیار کرلیں۔

☆ سالانہ منصوبہ میں حسب ذیل نکات شامل ہیں۔

1) جماعت 2) مضمون 3) پیریڈ کی تعداد 4) تعلیمی سال کے اختتام تک حصول طلب استعداد 5) مہینہ واری اسباق کی تقسیم

مہینہ	سبق	پیریڈ کی تعداد	تدریسی حکمت عملی	ضروری وسائل/اشیاء	کیفیت

6) معلم کا ردعمل 7) صدر مدرس کے مشورے وہدایات

☆ ایک سبق کو پیش نظر رکھ کر منصوبہ سبق حسب ذیل طریقہ پر تیار کرلیں۔

1) سبق کا نام 2) درکار پیریڈ 3) سبق ذریعہ حصول طلب استعداد 4) پیریڈ واری تقسیم

پیریڈ کی تعداد	تدریسی نکات	تدریسی حکمت عملی	اشیاء

5) معلم کی تیاری زائد معلومات کا حصول 6) معلم کا ردعمل

☆ ہر پیریڈ میں تدریسی مدارج کا اہتمام اس طرح کریں۔

I۔ **تعارف:** گفتگو، محرکہ، عنوان اخذ کروانا، مقصد، شاعر/مصنف کا تعارف یا گفتگو، اعادہ

II۔ **سبق کی تدریس-مباحثہ، تفہیم:** طلباء کی بلند خوانی، معلم کی مثالی بلند خوانی، خاموش خوانی، حل لغات، سبق کے متن پر مباحثہ، تفہیم، استعداد کی مشق

III۔ **بچوں کی تفہیم-جائزہ:** IV۔ **گھر کا کام:**

☆ لسانی تدریس صرف درسی کتاب تک محدود نہ ہو۔اس بات کو یقینی بنائیں کہ بچے اسکول کی لائبریری سے، انٹرنٹ، میگزین، اخبارات، بچوں کا ادب وغیرہ کا استعمال کریں۔

☆ کمرہ جماعت میں ایسا ماحول فراہم کریں کہ بچے آزادانہ طور پر گفتگو وسوالات کرسکیں۔

☆ کمرہ جماعت میں لسانی ماحول فراہم کرنے کے لیے درکار لغت، شعراء کی سوانح حیات، سمعی وبصری آلات اکٹھا کریں اور ان کا استعمال کریں۔اسکول کی ترقی میں معاون سرگرمیاں جیسے لسانی میلے، لسانی جشن، بچوں کا مشاعرہ، تقریری وتحریری مقابلے، سالانہ جلسے وغیرہ کا اہتمام کریں۔

☆ بچوں کی جانب سے تخلیق کردہ چیزوں کو اکٹھا کریں اور کمرہ جماعت میں انکا مظاہرہ کریں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

دُعا

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنّا میری
زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

دور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہوجائے
ہر جگہ میرے چمکنے سے اُجالا ہوجائے

ہومیرے دم سے یوں ہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب
علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب

ہو میرا کام غریبوں کی حمایت کرنا
دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا

میرے اللہ برائی سے بچانا مجھ کو
نیک جو راہ ہو اُس رہ پہ چلانا مجھ کو

- علامہ اقبالؔ

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشک جناں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم وطن ہے ہندوستاں ہمارا

- علامہ اقبالؔ

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

قومی ترانہ

جن گن من ادھی نایک جیا ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
پنجاب' سندھ' گجرات' مراٹھا' ڈراوڈ' اتکل' ونگا
وندھیا' ہماچل' یمنا' گنگا' اُچ چھل جل دھی ترنگا
تواشبھ نامے جاگے' تواشبھ آشش ماگے
گاہے توجیا گاتھا
جن گن منگل دایک جیا ہے
بھارت بھاگیہ ودھاتا
جیا ہے' جیا ہے' جیا ہے
جیا جیا جیا جیا ہے

- رابندرناتھ ٹیگور

عہد

ہندوستان میرا وطن ہے۔ مجھے اپنے وطن سے پیار ہے اور میں اس کے عظیم اور گوناگوں ورثے پر فخر کرتا ہوں/کرتی ہوں۔ میں ہمیشہ اس ورثے کے قابل بننے کی کوشش کرتا رہوں گا/کرتی رہوں گی۔ اپنے والدین' استادوں اور بزرگوں کی عزت کروں گا/کروں گی اور ہر ایک کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کروں گا/کروں گی۔ میں جانوروں کے تئیں رحم دلی کا برتاؤ کروں گا/کروں گی۔ میں اپنے وطن اور ہم وطنوں کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو وقف کرنے کا عہد کرتا ہوں/کرتی ہوں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

اسمائے مرتبین

جناب تقی حیدر کاشانی، لکچرر
گورنمنٹ ڈائیٹ وقار آباد، رنگاریڈی

جناب محمد افتخار الدین شاذؔ کوآرڈنیٹر
ریاستی ادارہ برائے تعلیمی تحقیق و تربیت آندھرا پردیش، حیدرآباد

جناب فضل احمد اشرفی، اسکول اسسٹنٹ
گورنمنٹ بوائز ہائی اسکول، کوٹلہ عالیجاہ، حیدرآباد

جناب محمد تاج الدین احمد، اسکول اسسٹنٹ
گورنمنٹ گرلز ہائی اسکول حسینی علم (نیو)، حیدرآباد

جناب محمد عبدالمعز، اسکول اسسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول سواران، کریم نگر

جناب سید اصغر، ہیڈ ماسٹر
گورنمنٹ ہائی اسکول شیوانگر، ورنگل

جناب محمد ظہیر الدین، اسکول اسسٹنٹ
ضلع پریشد بوائز ہائی اسکول، آرمور، ضلع نظام آباد۔

محترمہ سیدہ شہلا، اسکول اسسٹنٹ
گورنمنٹ ہائی اسکول دھول پیٹ، حیدرآباد

مصور

شری۔سی۔ایچ۔وینکٹ رمنا
پرائمری اسکول، ویرانائیک ٹانڈا، جاجی ریڈی گوڑم نلگنڈہ

شری۔ین۔وشنوردھن نائیڈو
منڈل پریشد پرائمری اسکول، اوبلاپور، ضلع محبوب نگر

شری۔ٹی۔وی۔رام کشن
ڈرائینگ ماسٹر، ضلع پریشد ہائی اسکول، تڑکاپلی، ضلع میدک

معاون

جناب معز الدین صاحب
محاسب، یس۔سی۔ای۔آر۔ٹی، آندھرا پردیش، حیدرآباد۔

ڈی۔ٹی۔پی۔اینڈ لے آؤٹ ڈیزائننگ

جناب ٹی۔ محمد مصطفیٰ
حبیب کمپیوٹرس، بھولکپور، مشیرآباد، حیدرآباد۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

شمار	عنوانِ سبق	شاعر/مصنف	صنف	موضوع	ماہ	صفحہ نمبر
.1	نعت	خواجہ الطاف حسین حالیؔ	نعت	مدحتِ رسول	جون	1
.2	شہروں میں چاند کو کوئی ماما نہیں کہتا	منور رانا	انشائیہ	سماجی اقدار	جولائی	13
.3	قصیدہ	شیخ ابراہیم ذوقؔ	قصیدہ	مداح سرائی	جولائی	25
.4	قلی قطب شاہ کا سفرنامہ	پدم شری مجتبیٰ حسین	سفرنامہ	طنز و مزاح	اگست	37
.5	البیلی صبح	جوشؔ ملیح آبادی	نظم	مناظر فطرت	اگست	51
.6	وطن کی خدمت کے ڈھنگ	ڈاکٹر ذاکر حسین	تقریر	حب الوطنی	ستمبر	61
.7	غزل	مرزا اسد اللہ خان غالبؔ	غزل	-	ستمبر	71
.8	دوسرا موسم	کشمیری لال ذاکرؔ	افسانہ	انسانی اقدار	اکتوبر	79
.9	عورت	کیفی اعظمی	نظم	بہبودی نسواں	نومبر	91
.10	ترغیب	ڈاکٹر عبدالکلام	سوانح حیات	شخصیت کی نشوونما	نومبر	101
.11	غزل	پروفیسر مغنی تبسمؔ	غزل	-	ڈسمبر	113
12	جانور انسان سے ناراض ہیں	ڈاکٹر شبیر صدیقی	مضمون	جانوروں سے صلہ رحمی	ڈسمبر	121
.13	خون کا رنگ	بیکلؔ اُتساہی	گیت	فرقہ وارانہ ہم آہنگی	جنوری	133
.14	گوپی چند نارنگ سے انٹرویو	پروفیسر گوپی چند نارنگ	انٹرویو	لسانی دلچسپی	فروری	143

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

تعلیمی سال کی تکمیل پر طلباء میں مطلوبہ استعداد

(I) سمجھنا۔ردعمل ظاہر کرنا

اس کے تحت ''سننا۔بولنا' روانی سے پڑھنا' فہم حاصل کرنا اور اظہار خیال کرنا'' جیسی استعداد شامل ہیں۔ان میں بچے حسب ذیل امور کے حامل ہوں

- ☆ سنے اور پڑھے ہوئے مواد کو سمجھنے' اپنے خیالات کا اظہار کرنے کے قابل ہوں۔
- ☆ تائید یا مخالف کرتے ہوئے گفتگو کرنے' وجوہات بیان کرنے کے قابل ہوں۔
- ☆ اپنے پسندیدہ واقعات سے متعلق اپنے احساسات کو بیان کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ نظموں کے خلاصے' اشعار کی تشریح' کہانیاں' افسانے اپنے الفاظ میں کہنے کے قابل ہونا۔
- ☆ تقریری مقابلوں میں حصہ لینا' دیئے گئے موضوع پر برمحل تقریر کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ سبق پڑھ کر محاوروں اور ضرب المثال کی نشاندہی کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ متن کے حوالے سے تشریح کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ کرداروں کی نوعیت سے متعلق جدول تیار کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ تشریح کے اعتبار سے اشعار کی نشاندہی کرنا۔
- ☆ تفصیلات کی بنیاد پر جدول تیار کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ پڑھے ہوئے مواد سے کلیدی الفاظ کی نشاندہی کرنے کے قابل ہونا
- ☆ پیراگراف پڑھ کر عنوان تجویز کرنے' عنوان کے اعتبار سے پیراگراف کی نشاندہی کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ ان دیکھا متن پڑھ کر سوالوں کے جواب لکھنے اور سوال تیار کرنے کے قابل ہونا۔

(II) اظہار مافی الضمیر۔تخلیقی صلاحیت کا اظہار

اس کے تحت ''خود لکھنا' تخلیقی اظہار' توصیف'' جیسی استعداد شامل ہیں۔ان میں بچے حسب ذیل کے حامل ہوں۔

- ☆ وجوہات لکھنے' مفصل طور پر لکھنے کے قابل ہونا۔
- ☆ اپنے خیالات کو تحریر کرنے' پسند ناپسند لکھنے کے قابل ہونا۔
- ☆ مصنف کے خیالات سمجھتے ہوئے بیان کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ تائید یا مخالفت کرتے ہوئے لکھنے کے قابل ہونا۔
- ☆ قدرتی مناظر بیان کرتے ہوئے لکھنے کے قابل ہونا۔
- ☆ طرز تحریر کی ستائش کرنے' ستائش مضمون لکھنے' ورقیوں کی تیاری' انٹرویو کے لیے سوالناموں کی تیاری' اشعار لکھنے' توصیفی سند لکھنے' اخبار کے لیے خط لکھنے' ادبی مضامین اور مکالمے لکھنے کے قابل ہونا۔تخلیقی مکالمے' افسانے لکھنے کے قابل ہونا۔

(III) زبان شناسی

یہ ''لفظیات اور قواعد'' سے متعلق ہے۔پچھلی جماعت میں بچے جو سیکھ چکے ہیں ان کے علاوہ حسب ذیل امور کے حل کے قابل ہونا۔

- ☆ الفاظ کے معنی' مترادفات لکھنے کے قابل ہونا
- ☆ دیئے گئے الفاظ کو' محاوروں کو موثر انداز میں جملوں میں استعمال کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ روزمرہ زندگی میں موقع و محل کے اعتبار سے مناسب الفاظ کا استعمال کرنے کے قابل ہونا۔
- ☆ رموز واوقاف' حروف شمسی' حروف قمری'' علم عروض کے بنیادی معلومات' علم البیان سے واقف ہونا۔

(IV) منصوبہ کام

یہ مختلف صلاحیتوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔اس کے ذریعہ مختلف صلاحیتوں کو موقع و محل کے اعتبار سے استعمال کرنے کی صلاحیت بچوں میں پیدا ہوتی ہے۔اس کے تحت کہانیاں' نظمیں' شعراو مصنفین کی تفصیلات' سماجی بھلائی میں حصہ لینے والوں کی تفصیلات' ان کی طرز زندگی' تبصرے وغیرہ جمع کر کے رپورٹ تیار کر کے پیش کرنا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لئے ہے

1 نعت

خواجہ الطاف حسین حالؔی

پڑھیے۔ سوچیے بولیے

ہر مرغ چمن ہے نغمہ سرا
سبحان اللہ ' سبحان اللہ
سنتا ہے خدائے ہر دوسرا
سبحان اللہ ' سبحان اللہ
کون اس کو بھلا پہنچان سکے
کون اس کی حقیقت جان سکے
میں اور کروں تعریف خدا
سبحان اللہ ' سبحان اللہ

سوالات

1. ان اشعار میں کس ذات کی تعریف بیان کی گئی ہے؟
2. مرغ چمن سے کیا مراد ہے؟
3. کیا اللہ کی حمد صرف انسان ہی بیان کرتا ہے یا سبھی مخلوق؟ کیسے؟
4. حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بیان کی جانے والی نظم کیا کہلاتی ہے؟

مقصد:

اس نعت کو خواجہ الطاف حسین حالؔی نے مسدس کی شکل میں لکھی ہے۔ جس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل پُر آشوب حالات اور بعد کے حالات کا ذکر کیا ہے۔ تیموں وسیروں کے تئیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمدردانہ مشفقانہ ومخلصانہ رویۂ اچھائی، بھلائی ونیکی کی طرف رغبت، بُرائی ومفسدات سے دوری کی ہدایت کے پیغام کو شاعر نے پیش کیا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

سلام جزر مدو کی نظم پر نعت مسدس حالی سے ماخوذ ہے۔

صنف کا تعارف

نعت: جس نظم میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف بیان کی جائے نعت کہلاتی ہے۔نعت میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اوصاف حمیدہ وخصائل جمیلہ کے ساتھ حیات طیبہ کا احاطہ کیا جاتا ہے۔

مسدس: اس کے ہر بند میں چھ مصرعے ہوتے ہیں۔موضوع کے مختلف گوشوں کو ایک ایک بند میں پیش کیا جاتا ہے۔عموماً پہلے چار مصرعوں کا قافیہ اور ردیف ایک ہوتا اور آخری دو مصرعوں کے قافیے' ردیف ان چاروں سے مختلف ہوتے ہیں۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچئے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

شاعر کا تعارف

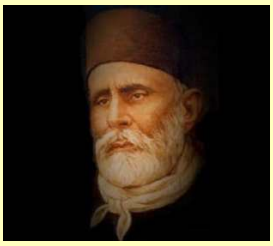

خواجہ الطاف حسین حالؔی 1837ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دلی چلے آئے' جہاں غالب کے شاگرد ہوئے۔ملازمت کے سلسلے میں لاہور چلے گئے۔1904ء میں حکومت کی جانب سے شمس العلماء کا خطاب ملا۔1914ء میں اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔

جدید شاعری کے آغاز میں حالؔی کا نام بہت اہمیت رکھتا ہے۔انہوں نے سیدھے سادے خیالات مناظر فطرت کا بیان اور اصلاح پسند تصورات اپنی شاعری میں پیش کیے۔ان کی ایک طویل مسدس ''مدوجزر اسلام'' ہے۔حالی ایک اچھے نثر نگار اور سوانح نگار بھی تھے۔انہوں نے یادگار غالب اور حیات جاوید لکھ کر اردو میں سوانح نگاری کی صنف کا اضافہ کیا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی دعوت دینے کے لیے طائف کا سفر فرمایا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امید کی کہ وہاں کے سردار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو سمجھیں گے اور دعوت اسلام کو قبول کرلیں گے۔مگر ان سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات سننے سے انکار کردیا۔اور شہر کے بدمعاشوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہر سے باہر نکال دیں۔وہ شریر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر مارتے ہوئے آوازیں کسنے لگے یہاں تک کہ آپ لہولہان ہوگئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے خون سے آلودہ ہوگئے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے ایک باغ میں داخل ہوئے تو ان لوگوں سے کچھ اطمینان ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم غمزدہ ہوگئے۔تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا۔فرشتے نے آکر کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حکم کریں تو میں طائف کے دونوں پہاڑوں کو ملا کر وہاں کے لوگوں کو ہلاک کردوں۔تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت پر قربان جایئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ نہیں! اگر یہ لوگ ایمان نہیں لائے تو مجھے اللہ سے امید ہے کہ ان کی نسلوں میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو اللہ کی عبادت اور بندگی کرنے والے ہوں گے۔

آیئے دیکھیں کہ مشہور شاعر حالیؔ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمہ کو اس نعت میں کس متاثر کن انداز میں پیش کیا ہے۔

I

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی برلانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطاکار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سوچیے۔بولیے

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتہ العالمین کیوں کہا جاتا ہے؟

2۔ مُرادیں برلانے سے کیا مراد ہے؟

3۔ آپ کن باتوں کو کب اور کیوں درگزر کرتے ہیں؟

4۔ زیروزبر کرنے سے کیا مراد ہے؟

II

مس خام کو جس نے کندن بنایا کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا پلٹ دی بس آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موجِ بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رُخ ہوا کا

کہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

سوچیے۔بولیے

1۔ کھرے اور کھوٹے کی تمیز کس طرح کروگے؟

2۔ کایا پلٹنا کو جملے میں استعمال کیجئے؟

3۔ اللہ کی فرمانبرداری ہمارے لیے کیوں ضروری ہے؟

4۔ خدا کے آگے سر جھکانے سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

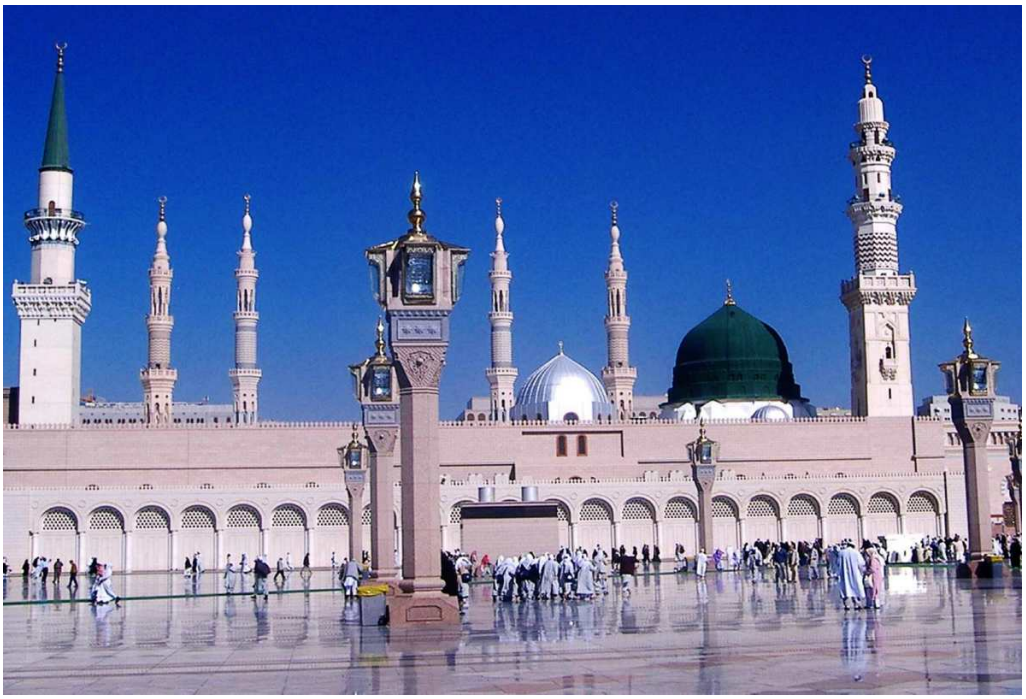

III

اسی پر ہمیشہ بھروسا کرو تم　　اسی کے سدا عشق کا دم بھرو تم
اسی کے غضب سے ڈرو گر ڈرو تم　　اسی کی طلب میں مرو جب مرو تم
مبرا ہے شرکت سے اس کی خدائی
نہیں اس کے آگے کسی کو بڑائی

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی　　عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگادی　　اک آواز میں سوتی بستی جگادی
اڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

سوچیے ۔ بولیے

1. اللہ کے غضب سے بچنے کے لیے ہمیں کیا کیا کرنا چاہیئے؟
2. زبان و دل کی شہادت سے کیا مراد ہے؟
3. ''صوت ہادی'' کا مطلب بیان کیجیے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

خلاصہ

پہلے بند میں شاعر کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا تا کہ آپ اس جہاں والوں کی نا اُمیدی کو خوشی سے بھر دیں۔ اپنے پرائے کے غمخوار بن کر رنج والم سے نجات دلائیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ضعیفوں کے ملجا وماویٰ ہیں غلاموں کے مشفق ومہرباں آقا ہیں۔ غریبوں وفقیروں کو آسرا دینے والے ہیں۔ ناتواں وکمزوروں کو راحت وسکون دینے والے ہیں۔

دوسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطا کاروں کو معاف کرنے والوں میں سے ہیں۔ اہل مکہ واہل طائف نے آپ کے ساتھ ظالمانہ وسفاکانہ رویہ اپنایا' مگر فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو معاف فرمادیا۔ اور ہدایت کے لیے دعا فرمائی۔ ع

سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

اسی طرح جو شخص آپ کی ذات مبارکہ کے تعلق سے کینہ کپٹ رکھتا تھا آپ اپنے اخلاق حسنہ کے ذریعے اس کے دل میں جگہ بنا لیتے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے راستے میں ایک عورت کچرا ڈالتی تھی۔ ایک دن وہ بیمار ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے اور جلد صحت یابی کی دُعا فرمائی جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ عورت فوراً آپ پر ایمان لے آئی۔ ع

سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے

اسی طرح اہل مکہ کے غلط رسوم وخیالات فاسدہ کو آپ نے اپنے اخلاق حسنہ کے ذریعے ختم کردیا۔ حجر اسود کے نصب کرنے کے موقع پر سرداران مکہ آپس میں دست گریباں ہوئے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حکمت عملی کے ذریعے سب کو شیر وشکر کردیا۔

غار حرا سے اس امت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نسخۂ کیمیا یعنی قرآن مجید ہدایت کے لیے لے آئے۔ تا کہ اُمت محمدیہ صراط مستقیم پر چل سکے۔

تیسرے بند میں شاعر کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ایسی تھی کہ جس چیز کو ہاتھ لگا دیتے وہ سونے سے بھی زیادہ قیمتی بن جاتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اچھے اور بُرے کی تمیز سکھائی۔ اہل عرب جو برسوں اپنی جہالت کی وجہ سے اپنے آپ کو رسوا کر رہے تھے ان کو طریقہ حیات سکھایا۔ ان میں جو خوف وخطر وہم وبدگمانی پائی جاتی تھی اسکو صفحۂ ہستی سے ختم کردیا۔ اب کسی کے اندر کسی قسم کا ڈر باقی نہ رہا۔

چوتھے بند میں شاعر کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام سنایا کہ اللہ کی ذات ایک ہے پاک وبے عیب ہے وہی عبادت کے لائق ہے۔ تمام لوگ زبان ودل سے اللہ کی وحدانیت کی گواہی دو اور اسکی ہی عبادت کرو۔ اللہ کی ذات سے اپنے آپ کو وابستہ کرلو۔ اور صرف اس کے سامنے ہی اپنے سر کو جھکاؤ۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

پانچویں بند میں شاعر کہتا ہے کہ اللہ ہی کی ذات پر ہمیشہ بھروسہ کرو، اس سے امیدیں وابستہ رکھو، اللہ کی عظمت جانو اور اس کے غضب سے بچو، اللہ اور اسکے رسول کی محبت واطاعت میں زندگی گزارو۔ اللہ تعالیٰ کی خدائی ہر قسم کے شرکت سے پاک ہے اس کے آگے کسی کو بڑائی حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ کو تمام مخلوقات میں افضل واعلیٰ و بابرکت بنایا ہے انکی عظمت کو جانو۔

چھٹے بند میں شاعر کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے خطۂ عرب میں ہلچل مچ گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی وحدانیت کے پیغام کو شمال، جنوب، مشرق ومغرب میں عام کر کے انقلاب برپا کر دیا۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔ اظہار خیال کرنا

(الف) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے کن کن القاب سے نوازا ہے؟

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا سے کیا پیغام لے کر آئے؟

(ج) جماعت نہم میں سبق عیدگاہ کے محرکہ میں آپ نے ایک واقعہ پڑھا تھا اس واقعہ کو بیان کیجئے۔ اور بتایئے کہ اس واقعے کا تعلق اس نعت کے کس مصرعے سے ہے؟

(د) ان مرکب الفاظ کا مطلب بیان کیجئے؟

شیر وشکر ۔ پیغام حق ۔ صوت ہادی ۔ درگزر ۔ مس خام

(ھ) ان اشعار کا مطلب بیان کیجئے؟

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخہ کیمیاء ساتھ لایا

خطا کار سے درگزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

6۔ ان اشعار کو پڑھ کر دیئے گئے سوالات کے صحیح جوابات کا انتخاب کیجئے۔

صبا مدینے میں مصطفیٰؐ سے ہم بے کسوں کا سلام کہنا
نہیں ہے کوئی بجز تمہارے ہمارا اتنا پیام کہنا
میں پاپیادہ ہوں یا محمدؐ سنبھال لیجئے سنبھال لیجئے
سوا تمہارے کسے پکارے تمہارا ادنیٰ غلام کہنا
نثار تیرے فدا میں تجھ پر میں تیرے صدقے میں تیرے قرباں
گزر رہی ہے جو کچھ بھی حالت صبا نبیؐ سے تمام کہنا
جگہ مدینے میں وہ عطا ہو تمہارے روضے کا سامنا ہو
وہیں پہ رہنے کی آرزو ہے وہیں کا مجھ کو غلام کہنا

سوالات:

ا۔ ان اشعار میں شاعر کی آرزو کیا ہے؟

a) مدینہ جانے کی b) سلام بھیجنے کی c) مدینے میں رہنے کی d) تمام

ب۔ شاعر اپنی بے کسی کس کے ذریعے روانہ کر رہا ہے؟

a) صبا b) غلام c) روضۂ مبارکہ d) مدینہ شریف

ج۔ شاعر کس حالت میں ہے؟

a) بے کسی b) پاپیادہ c) پریشانی d) غمزدہ

د۔ شاعر اپنا آخری مسکن کہاں بنانا چاہتا ہے؟

a) مدینے میں b) روضہ کے سامنے c) وطن میں d) تمام

II. اظہار مافی الضمیر ۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب مختصر طور پر لکھئے

1۔ نسخۂ کیمیا کسے کہا گیا اور کیوں؟

2۔ اللہ کی ذات واحد ہی عبادت کے لائق کیوں ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

3۔ زبان ودل سے شہادت دینے کا کیا مطلب ہے؟

4۔ عرب کی کایا کیسے پلٹ گئی؟

(ب) طویل جوابی سوالات

1۔ حالی کے ادبی کارنامے لکھئے؟

2۔ اس نعت کو پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلیٰ اخلاق کے بارے میں لکھئے؟

3۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمتہ العالمین کیوں کہا جاتا ہے؟ تحریر کیجئے۔

(ج) حسب ذیل کے متعلق تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ پر ایک مضمون لکھئے۔

2۔ اس نعت کو ملحوظ رکھتے ہوئے حالؔی کے انداز بیاں کی ستائش کیجیے؟

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) ان الفاظ کے مترادفات نعت سے تلاش کر کے لکھئے۔

پہاڑ = آواز = غیر = غلطی =

کچا = ایک = غصہ = جانب =

زمانہ= گواہی=

(ب) ان محاوروں کے مطالب لکھ کر جملوں میں استعمال کیجئے۔

برلانا = _____

کام آنا = _____

غم کھانا = _____

درگزر کرنا = _____

گھر کرنا = _____

زیروزبر کرنا = _____

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

شیروشکر ہونا = _____

شیروشکر کرنا = _____

(ج) ان الفاظ کو لاحقہ لگا کر مرکب الفاظ بنائیے۔

غضب	+	خدمت	+	ہوا	+
فرماں	+	مصیبت	+	خطا	+
طلب	+	دل	+		

قواعد

(الف) علم عروض

علم عروض ایک مشہور فن ہے جس سے اشعار کا وزن معلوم کیا جاتا ہے۔ ماہرین عروض نے کل انیس اوزان مقرر کیے ہیں اور ہر وزن کا نام بحر رکھا۔

بحر اُن خاص الفاظ کو کہا جاتا ہے۔ جن پر شعر تولا اور جانچا جاتا ہے۔ اور دیکھا جاتا ہے کہ شعر کا وزن ٹھیک ہے یا نہیں۔ بحر جن اجزا سے بنتی ہے ان کو ارکان اور جز کو رکن کہا جاتا ہے یہ تین ہیں۔

(۱) سبب (۲) وتد (۳) فاصلہ

(1) سبب : دو حرفی لفظ جس کا پہلا حرف متحرک اور دوسرا ساکن ہو سبب کہلاتا ہے جیسے:

دِلْ ، گُلْ ، رَبْ وغیرہ

(2) وتد : تین حرفی لفظ جس کے پہلے دو حروف متحرک اور تیسرا ساکن ہو وتد کہلاتا ہے جیسے:

قَلَم ، وَطَنْ ، جِگَرْ وغیرہ

(3) فاصلہ : چار حرفی یا پانچ حرفی لفظ کو فاصلہ کہتے ہیں

اردو میں فاصلہ کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ فاصلہ دو سبب یا ایک سبب اور ایک وتد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ اردو میں عروض کا دارومدار عموماً سبب اور وتد پر ہی ہوتا ہے اور ان ہی کی تکرار سے عموماً بحریں تشکیل پاتی ہیں۔ سبب اور وتد کے لیے علم عروض میں خاص حروف مقرر ہیں جن کو حروف تقطیع بھی کہتے ہیں۔ جو یہ ہیں: ''لمعت سیوفنا'' یعنی ' ا ت س ع ف ل م ن و ی ' ان ہی حرف کے مجموعہ سے ارکان بنتے ہیں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(1) سبب : فَاْ ، مُسْ ، تَفْ ، عِیْ ، لُنْ وغیرہ

(2) وتد : مَفَاْ ، عِلُنْ ، فَعُوْ، عِلَاْ وغیرہ

سبب اور وتد کی تکرار سے رکن اس طرح بنتے ہیں۔

سبب + وتد = فَاعِلُنْ

وتد + سبب = فَعُوْلُنْ

سبب + سبب + وتد = مُسْتَفْعِلُنْ

سبب + وتد + سبب = فَاعِلَاتُنْ

وتد + سبب + سبب = مَفَاعِیْلُنْ

ایک ہی رکن کی تکرار سے جو بحرین بنتی ہیں وہ مفرد بحرین کہلاتی ہیں یہ سات ہیں۔ اسی طرح مختلف دو ارکان کی تکرار سے جو بحریں بنتی ہیں وہ مرکب بحریں کہلاتی ہیں۔

مفرد بحریں یہ ہیں۔

(1) بحر متدارک : فاعلن، فاعلن، فاعلن، فاعلن

(2) بحر متقارب : فعولن، فعولن، فعولن، فعولن

(3) بحر رجز : مستفعلن، مستفعلن، مستفعلن، مستفعلن

(4) بحر رمل : فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن

(5) بحر ہزج : مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن مفاعیلن

(6) بحر کامل : متفاعلن متفاعلن متفاعلن متفاعلن

(7) بحر وافر : مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن مفاعلتن

(نوٹ: یہ وزن ایک مصرعہ کا ہے دوسرا مصرعہ اسی کی تکرار پر ہوتا ہے۔)

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

مشق (الف):

1. سبب کے دس الفاظ لکھئے۔
2. وتد کے دس الفاظ لکھئے۔
3. سبب اور وتد کا رکن لکھئے۔
4. وتد اور سبب کا رکن لکھئے۔
5. حروف تقطیع لکھئے۔

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

☆ مختلف شعراء کے لکھے ہوئے سلام جمع کیجیے اور ایک چھوٹا سا کتابچہ ترتیب دیجیے۔

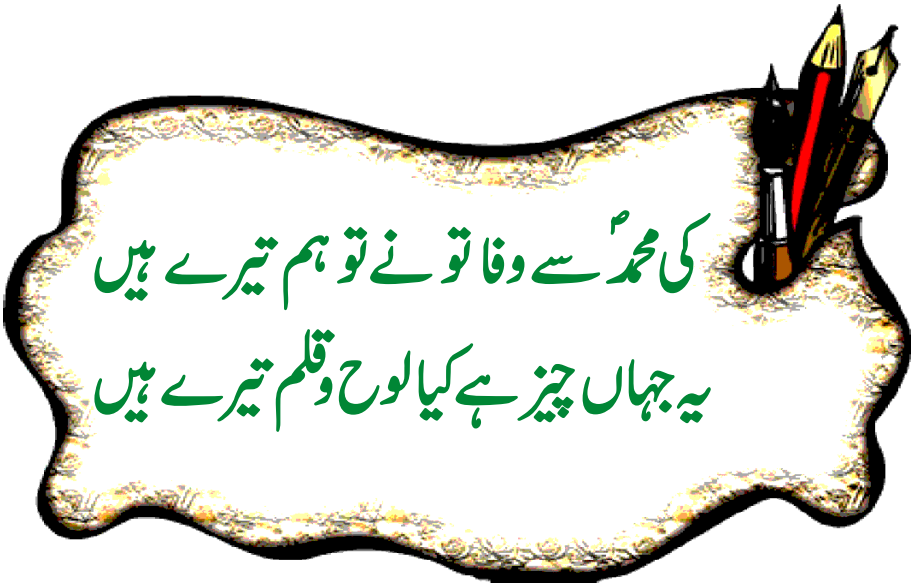

2 شہروں میں کوئی چاند کو ماما نہیں کہتا

منور رانا

پڑھیے سوچیے اور بولیے۔

یہاں رہتے رہتے اب مجھ پر وحشت طاری ہونے لگی ہے ہر طرف ٹریفک کا شور، بلند و بالا عمارتوں کا جنگل اور ان بلند و بالا عمارتوں کی تعمیر اور دولت کے انبار لگانے کی دھن میں پست ہوتی انسانیت۔ پہلے پہل جب میں اپنے گاؤں سے آیا تھا تو مجبور معذور اور غربت کے مارے سسکتے انسانوں کے دکھوں کو دیکھ کر دل تڑپ اٹھتا تھا۔ لیکن اب ایسا محسوس ہوتا ہے کہ دھیرے دھیرے میرا دل بھی پتھر ہونے لگا ہے۔ بڑی سے بڑی تکلیف دہ بات کو دیکھ کر بھی سرسری گذر جاتا ہوں۔ کیا کہوں! بس میرا گاؤں میرے لوگ بہت یاد آتے ہیں۔ یہاں تو یہ حال ہے کہ

یہ عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ

سوالات

1۔ مضمون میں ''یہاں'' سے کیا مراد لی گئی ہے؟

2۔ شہر کی خصوصیات کیا ہوتی ہیں؟

3۔ انسانیت کی پستی کے کیا اسباب ہیں؟

4۔ مضمون نگار کا پہلے کیا حال تھا؟

5۔ ''یہ عجب جہاں ہے نہ قفس نہ آشیانہ'' مضمون نگار اس مصرعے کے ذریعے کیا کہنا چاہتا ہے؟

سبق کا مقصد یا مدعا

دنیا کے ہر ملک میں گاؤں اور شہر ہوتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ شہروں کی ترقی اور چمک دمک کے پیچھے گاؤں اور گاؤں کے رہنے والوں کی محنت اور خون پسینہ ہوتا ہے اگر یقین نہ آئے تو گاؤں سے شہر میں داخل ہونے والی کسی ایک سڑک پر کچھ دیر ٹھہر کر دیکھیے۔ آپ دیکھیں گے کہ گاؤں سے اجناس، ترکاریاں، پھل اور دودھ کی گاڑیاں یکے بعد دیگرے شہر کو پہنچ رہی ہیں۔ ماہر و غیر ماہر مزدور شہروں کو پہنچتے ہیں لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ ترقی کے ثمرات میں گاؤں والوں کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اس سبق کی تدریس کا مقصد یہ ہے کہ ہماری سماجی و معاشی ترقی، تہذیب و ثقافت میں گاؤں کی اہمیت کو جانیں اور اس بات کو سمجھیں کہ دولت کے حصول اور ترقی کی دھن میں انسانیت، محبت، رواداری، رحمدلی کے جذبات سے روگردانی نہ کریں

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

صنف کی تعریف

یہ سبق کتاب ''چہرے یاد رہتے ہیں'' سے لیا گیا ہے۔اس کے مصنف ایک مشہور شاعر منور رانا ہیں۔

انگریزی زبان کے لفظ (Essay) ایسّے کو اردو میں انشائیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے'انشاء' کے معنی ''پیدا کرنا'' ہیں۔انشائیہ کسی حاصل موضوع کے بارے میں لکھنے والے کے خیالات اور جذبات کے عمل کا پرتو ہوتا ہے یہ ایک ایسا ادب پارہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت موضوع کے بارے میں فکر انگیزی' خیال کی رعنائی' تاثرات کی دلفریب ترجمانی' اسلوب کا نکھار اور تصور کی لطافت سب ہی عناصر سموئے ہوئے ملتے ہیں۔انشائیہ ہمارے ذہن کو ایک خاص ذوق آگہی بخشتا ہے اور ہمارے جذبات میں ایک انبساط پرور تازگی اور تابنا کی پیدا کرتا ہے۔انشائیہ کی صنف میں بڑی لچک اور اس کے موضوعات میں بڑی ہمہ گیری اور وسعت ہے۔یہ صنف ذہنی بیداری اور سماجی حربے کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

مصنف کا تعارف

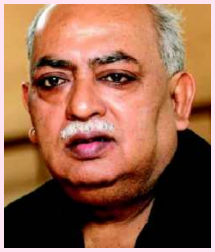

منور رانا کی پیدائش رائے بریلی' اتر پردیش میں 1952 کو ہوئی۔وہ اردو اور اودھی زبان کے بہت ہی حساس شاعر ہیں۔منور رانا ہمارے عہد کے ایک اہم اور منفرد لب و لہجے کے شاعر ہیں۔آپ نے اپنی شاعری میں ماں کو موضوع بنایا اور اس کے تقدس کی ترجمانی کی۔انہوں نے شاعری کے ساتھ ساتھ نثر میں بھی اپنی انفرادیت کے گُل بوٹے کھلائے ہیں۔ان کے مضامین کا سب سے بڑا وصف یہ ہے کہ انہوں نے روانی اور سلاست کے ساتھ متن کو بھی پُر اثر انداز میں پیش کیا ہے۔منور رانا شہروں کی مشینی زندگی سے بیزار نظر آتے ہیں انہیں گاؤں والوں کی سیدھی سادی طرز معاشرت پسند ہے۔انہیں گاؤں والوں کی باہمی محبت والفت' بھائی چارہ اور ایک دوسرے کے دکھ سکھ میں شریک ہونے کا جذبہ پسند ہے اور وہ دیہات میں رہنے والے انسانی اقدار کی آئینہ داری کرتے ہیں۔زیر نظر افسانے میں بھی انہوں نے شہروں میں بسنے والوں کی بے حسی کو بے نقاب کرتے ہوئے گاؤں والوں کی انسان دوستی کے رجحان کو نمایاں کیا ہے ایسے افسانے حقائق پر مبنی ہے اس میں مبالغہ آمیزی سے کام نہیں لیا گیا ہے۔

ابتدائیہ

روٹی سینکنے کے لیئے ماں جب سوکھی گیلی لکڑیوں کو سلگاتی تو پسینے پسینے ہوجاتی تھی۔اوراس کے مقدس پسینے کے قطرے روٹیوں میں جذب ہوجاتے تھے۔شہر نے مجھے بریانی کھلا کر روٹی کی لذت چھین لی۔دودھ کے ڈبوں نے ماں کے دودھ کا ذائقہ چھین لیا آج بھی گاؤں میں ایک آدمی کی موت کو گاؤں کی موت سمجھا جاتا ہے۔

تیز روشنیاں، روشنیوں میں نہائی ہوئی سڑکیں، اونچی عمارتیں مگر بند بند سے مکان، کمرے مصنوعی ٹھنڈک اور پھولوں سے آراستہ، دریچے بند، راستے گاڑیوں سے بھرے ہوئے، گزرنا دشوار، اتنی الجھنیں کہ سنورنا دشوار، اتنا بوجھ کہ مرنا دشوار، اتنی جلدی کہ ٹھہرنا دشوار، جب زندگی اتنی تیز رفتار ہوجائے تو پھر کیسی رشتہ داری، کیسا خلوص، کیسا احترام، کیا ضرورت ہے چنداماما سے ملنے کی، گفتگو کرنے کی! آیئے دیکھیں کہ مصنف نے کس طرح دیہی زندگی اور شہری زندگی کا خاکہ اس سبق کے ذریعہ کھینچا ہے۔

I

یہ مصرع میری سمجھ میں اس وقت آیا جب میں شہر آکر بس گیا اور شہر کی آب وہوا، مزاج اور معاملات سے مانوس بھی ہوگیا۔ یہاں آکر یہ بات بھی سمجھ میں آئی کہ شہر میں آدمی وہ تمام باتیں بھول جاتا ہے جو اسے گاؤں کا مدرسہ اور گاؤں کی چوپالیں سکھاتی ہیں اور یہ بھی ضروری ہے کیوں کہ شہر کے اپنے قوانین ہوتے ہیں اور اپنا مزاج ہوتا ہے۔گاؤں اور شہر کے رسم ورواج اور رہن سہن میں بھی بہت فرق ہوتا ہے۔آپ اگر غور کریں تو دیکھیں گے کہ دیہات میں گھروں اور دکانوں میں ایسے کیلنڈر ہوتے ہیں جن میں شہر موجود ہوتا ہے۔شہر کی عمارتیں، شہر کے لوگ اور شہر کی شباہت موجود ہوتی ہے۔جب کہ شہر کی دیواریں ان کیلنڈروں سے آراستہ کی جاتی ہیں جن میں دیہات موجود ہو، دیہات کا موسم اور دیہات کا بھولپن دکھایا گیا ہو۔

لوگ اس شہر کو خوش حال سمجھتے ہیں جو رات کے وقت بھی جاگ رہا ہوتا ہے۔میں گاؤں میں اکثر سوچتا رہتا تھا کہ شہر میں لوگ چاند کو غیر ضروری سی چیز کیوں سمجھتے ہیں؟ شہر میں آنے کے کچھ دنوں بعد تک تو میں بھی چاند کو چنداماما ہی سمجھتا تھا لیکن رفتہ رفتہ جب شہر نے مجھے اپنے سانچے میں ڈھال لیا تو میں یہ بھی بھول گیا کہ کبھی چاند سے میری رشتہ داری بھی تھی۔

عرصے بعد ایک دن گاؤں سے میرے ماموں تشریف لائے۔انہیں دیکھ کر یاد آیا کہ کبھی چاند سے میری رشتہ داری اور بے تکلفی تھی۔میں سوچنے لگا کہ آخر شہر میں رہ کر چاند کو بھولنے کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟ کئی دنوں تک غور کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ دراصل شہروں میں بجلی، جنریٹر اور بیٹری کے طفیل سے ٹیوب لائٹ، مرکری بلب اور رنگ برنگی روشنی آدمی کو اتنا مبہوت کردیتی ہے کہ وہ چنداماما کو بھول جاتا ہے۔اور یہی شاید میرے ساتھ بھی ہوا جس کی وجہ سے میں نے اپنے ایک قریبی رشتہ دار کو فراموش کردیا۔وہ چنداماما جس نے مجھے ہر شب اجالا بخشا۔کچے سے گھر میں مٹی کا ایک ننھا سا کمزور دیا ہوا کی ہلکی سی جنبش سے لرزنے لگتا تھا ہر روز شام ہوتے ہی چنداماما

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

جگمگ جگمگ کرتے میرے گھر کو روشن کرتے اور مجھے کہانی سنانے آجاتے۔ چاند میں چرخا کاتنے والی روایتی بڑھیا کو میں نے کبھی نہیں دیکھا۔ ہاں چندا ماما کی روشنی میں مجھے دادی کا چمکتا ہوا چہرہ صاف دکھائی دینے لگتا تھا۔ میں گھر کی انگنائی میں پلنگ پر لیٹا ہوا ٹکر ٹکر چندا ماما کو تکتا تو میری آنکھوں کی پتلیوں میں ماموں کی تصویر اُتر آتی اور ماں جب یہ تصویر دیکھتی تو میں اسے ہو بہو چاند جیسا دکھائی دیتا تھا۔ مٹی کے بنے چولھے پر جب آگ توے کو دہکاتی اور چنگاریاں توے پر رقص کرنے لگتیں تو ایسا لگتا کہ تو امسکرا رہا ہے۔ روٹی سینکنے کے لیے ماں جب سوکھی گیلی لکڑیوں کو سلگاتی تو پسینے پسینے ہو جاتی تھی۔ اور اس کے مقدس پسینے کے قطرے روٹیوں میں جذب ہو جاتے تھے۔ شہر نے مجھے بریانی کھلا کر روٹی کی لذت چھین لی، دودھ کے ڈبوں نے ماں کے دودھ کا ذائقہ چھین لیا۔

سوچیے اور جواب دیجیے

1۔ وہ کونسی باتیں ہیں جو ہمیں گاؤں کا مدرسہ اور گاؤں کی چوپالیں سکھاتی ہیں؟

2۔ آپ کے گاؤں/شہر کے رسم و رواج اور رہن سہن کیسے ہیں؟

3۔ ''شہر رات کے وقت جاگ رہا ہے'' اس کا کیا مطلب ہے؟

4۔ رات میں چاندنی کا منظر کیسا ہوتا ہے؟

5۔ بچپن میں آپ کو کہانیاں کون سناتے تھے۔ کوئی کہانی سنایئے؟

6۔ آپ اپنے کونسے رشتہ دار سے بے تکلف رہتے ہیں اور کیوں؟ کیسے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

II

کیسا ہولناک المیہ ہے کہ ایک لڑکا شہر کی رونق میں سب کچھ بھول جائے۔ بڑھیا ماں روز چوکھٹ پر دیا روشن کرے۔ گاؤں میں ہر بڑا اپنے چھوٹوں کا چاچا تھا۔ نہ ہندو تھا نہ مسلمان۔ اگر چھوٹے نے سلام نہ کیا تو ڈانٹ کھائی اور سلام کر لیا تو ڈھیر ساری دعائیں وصول کیں۔ شہر میں تو لوگ سلام کے منتظر رہتے ہیں۔ لوگ دوسرے کو سلام کرنے سے گریز کرتے ہیں۔ امیر آدمی کسی غریب کو سلام کرنے میں ہتک محسوس کرتا ہے۔

سلام کرنے والے کو سلام کا جواب' نوکر سے جواب کی طرح ملتا ہے۔

تم کو اکڑی ہوئی گردن پہ نظر کیا آتا
آرزو ہاتھ پسارے تھی سلاموں کے تلے

گاؤں میں کسی کو پانی پلانے سے پہلے مٹھائی نہیں تو کم از کم گڑ ضرور پیش کیا جاتا ہے جب کہ شہروں میں پانی پچیس پیسے فی گلاس ملتا ہے۔ یہ فرق ہوتا ہے کہ کنوئیں کے میٹھے پانی اور شہر کے پائپوں کے پانی میں۔ آج بھی گاؤں میں ایک آدمی کی موت کو گاؤں کی موت سمجھا جاتا ہے۔ مرحوم کے ساتھ قبرستان تک پورا گاؤں جاتا ہے۔ ہفتوں چوپالیں اداس رہتی ہیں۔ تقریبیں ملتوی ہو جاتی ہیں۔ تبسم لبوں تک پہنچنے کا راستہ بھول جاتا ہے۔ لیکن شہر میں شریک غم ہونا دور کی بات ہے۔ کاندھا بھی اسی جنازے کو دیتے ہیں جس کے لواحقین سے دامے درمے کوئی فائدہ پہنچنے والا ہوتا ہے۔ میں اپنے گاؤں کی جھیل میں چندا ماما کو تیرتے ہوئے دیکھتے دیکھتے جوان ہو گیا۔ اب پنگھٹ سے آنے والیاں مجھے دیکھ کر گھونگھٹ کاڑھنے لگی تھیں۔ چڑیاں مجھے دیکھ کر اب نغمے نہیں سناتی تھیں۔ صرف زیر لب مسکراتی تھیں۔ ابو اور امی کے سروں پر کچی برف جمنے لگی تھی۔ پھر گاؤں کی بنجر زمینوں نے میرا بوجھ ڈھونے سے انکار کر دیا اور شہر نے کارخانوں کی چمنیوں کے دھوئیں کے ذریعہ مجھے پیغام بھجوا کر بلانا شروع کر دیا۔ گاؤں کے سہانے منظر نے مجھے روکنا چاہا لیکن بھوک نے غیرت دلائی۔ باپ کے چہرے پر ایک خاموش ضرورت لرزنے لگی۔ میں نے گھبرا کر ماں کی طرف دیکھا۔ ماں نے زبان سے کچھ نہیں کہا۔ صرف بیچارگی سے مجھے دیکھنے لگی۔ ان آنکھوں کی ٹھنڈک آج تک مجھے لو اور دھوپ سے محفوظ رکھتی اور میرے ساتھ سپر بن کر رہتی۔ بہنوں نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے خدا حافظ کہا اور سر جھکا لیا۔ پھر جیسے ہی میرے چھوٹے چھوٹے بھائیوں نے مجھے رخصت کیا' فرشتے آگے بڑھے اور میرے شانوں پر نرمی سے ہاتھ رکھ دیے۔ اور چندا ماما.....؟ چندا ماما نے کچھ بھی نہیں کہا لیکن جب میں دہلیز سے باہر نکلا تو چندا ماما بھی باہر نکل آئے۔ اسٹیشن تک مجھے گاؤں والے ہی نہیں' گاؤں بھی پہنچانے آیا۔ پگڈنڈیوں نے میرے نرم پیروں کی حفاظت کے لیے گھاس بچھا دی۔ ایسی گھاس جسے شبنم نے رو رو کر نرم کر دیا تھا۔ گندم کی بالیوں نے میری تعظیم میں سر جھکا دیے۔ دھان کے کھیتوں نے ہوا کی سرسراہٹ کے ذریعہ مجھے الوداع کہا۔ سرسوں اور ارہر کے کھیتوں نے مجھے اپنا جوگیوں والا پیلا لباس دکھایا۔ جھیل کے پانی نے اپنی خاموشی سے دکھ کا اظہار کیا۔ چھوٹا سا گاؤں کا ریلوے اسٹیشن' اکا دکا مسافر' چمکتی ہوئی ریل کی پٹریاں' پلیٹ فارم پر روشنی' ایک قدیم لالٹین جو گاؤں کے سب لوگوں کو پہنچانتی ہے۔ نحیف و لاغر سا ایک قلی جس نے ساری زندگی لوگوں

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کا بوجھ اٹھایا اور اب زندگی کا بوجھ اُٹھائے اسٹیشن پر بیٹھا رہتا ہے۔ ملنے اور بچھڑنے کی ہزاروں ورق والی کتاب پڑھنے والا یہ قلی مجھے کبھی ان پڑھ نہیں محسوس ہوا۔ بوڑھا اسٹیشن ماسٹر جو میرا کوئی نہیں تھا' مگر چاچا تھا۔ وہ ہر برس میرے لیے میلے سے سیٹی خرید کر لاتا تھا۔ مجھے عجیب سی نگاہوں سے دیکھنے لگا جیسے کہہ رہا ہو کہ جلدی آنا' میں تمہارے لیے میلے سے سیٹی خرید کر لاؤں گا اور جب تک تم نہیں آؤ گے 'اپنے پاس ہی رکھے رہوں گا۔ تھوڑی ہی دیر میں آس پاس کے پیڑوں کو جھلساتی ہوئی ریل گاڑی آ گئی جو بار بار سیٹی بجا رہی تھی جیسے میلے سے کسی نے اسے بھی آج ہی سیٹی خرید کر دی ہو۔ ریل کے ایک ڈبے نے اشارے سے مجھے بلایا اور میں.....

نہ ہم سفر ہے نہ رستہ بتا رہا ہے کوئی
میں جا رہا ہوں کہیں اور بلا رہا ہے کوئی

سوچیے اور جواب دیجیے

1۔ آپ کے گھر میں کسی مہمان کا استقبال کس طرح کیا جاتا ہے؟
2۔ شہر کی رونق میں سب کچھ بھول جانے کو مصنف نے ہولناک المیہ کہا ہے۔ آپ اس کا کیا مطلب سمجھتے ہیں؟
3۔ شہروں میں تو لوگ سلام کے منتظر رہتے ہیں۔ کیا آپ اس بات کی تائید کرتے ہیں یا مخالفت؟ کیوں؟
4۔ مصنف کو اسٹیشن کا قلی کیوں ان پڑھ محسوس نہیں ہوتا تھا؟
5۔ گاؤں کی بنجر زمینوں نے میرا بوجھ ڈھونے سے انکار کر دیا۔ اس جملے کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کیجیے؟

III

الوداع اور خدا حافظ کی آوازوں نے مجھ پر سایہ کر دیا۔ میں نے تمام لوگوں کو بآواز بلند سلام کیا۔ میرے سلام کا جواب سبھی نے دیا۔ لیکن ایسا لگا کہ جیسے سب نے جواب نہیں دیا۔ میں نے نگاہ اٹھا کر دیکھا تو چندا ماما کھڑے مسکرا رہے تھے۔ ریل گاڑی منزل کی طرف چلنے لگی۔ زندگی نے بھی پٹریاں تبدیل کیں۔ منظر' اجالا' آنسو' بچپن' کھلونے' آندھیاں' گھروندے' چراغ' جگنو' جھیل' چڑیاں' پیڑ' شاخیں' جھولا' ساون' پت جھڑ' مسجد کا مینار' مندر کا کلس' محبتیں' مروتیں' شفقتیں' یہ سب چیزیں اپنی شناخت بدل رہی تھیں۔ میری صرف دو آنکھیں اور یہ لامتناہی منظر کا سلسلہ۔ پھر رات جگنوؤں سے سرگوشی کرتی ہوئی سورج کو سمجھاتی بجھاتی کھڑکیوں کے راستے ڈبے میں در آئی۔ نیند نے بڑھ کر اس کا استقبال کیا اور دونوں نے مل کر مجھے حقیقت کی دنیا سے نکال کر خوابوں کی خوبصورت وادی میں پہنچا دیا۔ ٹرین ہچکولے لیتی ہوئی بڑھتی رہی۔ راستے میں کبھی دریاؤں نے اس کا راستہ بلی کی طرح کاٹا' کبھی پہاڑوں نے رکنے کا اشارہ کیا۔ لیکن:

جاوداں' پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی

زندگی دوڑتی ہوئی زندگی' زندگی روتی ہوئی زندگی' زندگی شہر کی زندگی' بڑی بڑی سڑکیں' اونچی اونچی عمارتیں' لمبی لمبی کاریں' میں ریل کے ڈبے سے اترا تو دیکھا کہ چندا ماما میرے قریب ہی کھڑے مسکرا رہے تھے۔ میں اب سمجھا کہ انہیں تو میرے ساتھ آنا تھا اس

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

لیے انہوں نے مجھے رخصت نہیں کیا۔

تیز روشنیاں، روشنیوں میں نہائی ہوئی سڑکیں، اونچی عمارتیں مگر بند بند سے مکان، کمرے مصنوعی ٹھنڈک اور پھولوں سے آراستہ دریچے بند، راستے گاڑیوں سے بھرے ہوئے، آنکھیں ہوس سے بھری ہوئیں، دل کدورت سے بھرے ہوئے، کپڑے خوشبوؤں سے بھرے ہوئے، دیواریں اشتہاروں سے لدی ہوئی، ہر سڑک جیسے راہِ وفا، گزرنا دشوار، اتنی الجھنیں کہ سنورنا دشوار، اتنا بوجھ کہ مرنا دشوار، اتنی جلدی کہ ٹھہرنا دشوار، جب زندگی اتنی تیز رفتار ہو جائے تو پھر کیسی رشتہ داری، کیسا خلوص، کیسا احترام، کیا ضرورت ہے چند اماما سے ملنے کی، گفتگو کرنے کی!

تو کیا خلوص کا تعلق خودغرضی سے تھا؟ رشتے داری کا تعلق ضرورت سے تھا؟ انتظار کا رشتہ ہوس سے تھا۔ ممکن ہے ایسا ہی ہو یا پھر شہر کا مزاج ذرا مختلف ہو۔ لیکن مزاج سے کیا ہوتا ہے، انسانیت تو خوشبو ہے، خلوص تو جادو ہے، شہر اور دیہات سے کیا؟ انسان تو دونوں جگہ رہتے ہیں لیکن ۔

یہ شہر ہے بچے یہاں مٹی نہیں کھاتے

سوچیے اور جواب دیجئے

1۔ کونسی چیزیں اپنی شناخت بدل رہی تھیں اور کیسے؟

2۔ شہروں میں زندگی کی تیز رفتاری کا کیا عالم ہوتا ہے؟

3۔ کیا ''خلوص کا تعلق خودغرضی سے ہوتا ہے؟ اسکی تائید یا مخالفت میں دلائل دیں؟

4۔ کیا شہر کے مزاج کو مختلف ہونا چاہیئے؟ کیوں اور کیسے وضاحت کیجیے؟

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔ اظہار خیال کرنا

(الف) شہر عظیم ہوتا ہے یا گاؤں؟ آپ کس کی تائید میں گفتگو کریں گے؟ کیوں؟

(ب) ماضی سے ہم تقابل کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ گاؤں چھوڑ کر شہروں کی طرف جانے والے لوگوں کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے اس کی کیا وجوہات ہو سکتی ہیں؟ معلوم کیجیے اور بحث میں حصہ لیں۔

(ج) ذیل کے جملے سبق کے کونسے پیراگراف میں ہیں نشاندہی کیجئے ان جملوں کو خط کشیدہ کیجئے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

1۔ دیہات میں گھروں اور دکانوں میں ایسے کیلنڈر ہوتے ہیں جن میں شہر موجود ہوتا ہے۔

2۔ لوگ اس شہر کو خوشحال سمجھتے ہیں جو رات کے وقت بھی جاگ رہا ہوتا ہے۔

3۔ شہر میں تو لوگ سلام کے منتظر رہتے ہیں۔

4۔ گاؤں میں کسی کو پانی پلانے سے پہلے مٹھائی نہیں تو کم از کم گڑ ضرور پیش کیا جاتا ہے۔

5۔ شہر میں کاندھا بھی اسی جنازے کو دیتے ہیں جس کے لواحقین سے دامے درمے کوئی فائدہ پہنچنے والا ہوتا ہے۔

6۔ خلوص کا تعلق خودغرضی اور رشتے داری کا تعلق ضرورت سے تھا۔

(د) سبق پڑھیئے اور گاؤں وشہر کی خصوصیات کو جدول میں لکھئے۔

	گاؤں کی خصوصیات	شہر کی خصوصیات
1 2 3 4 5		

(ھ) دیا گیا اقتباس پڑھیے اس کے چند جملے ذیل میں دیے گئے ہیں۔ان کی تائید یا مخالفت میں جواب لکھیے۔

چماروں کا کنبہ تھا اور سارے گاؤں میں بدنام گھیسو ایک دن کام کرتا تو تین دن آرام۔ مادھو اتنا کام چور تھا کہ گھنٹہ بھر کام کرتا تو گھنٹہ بھر چلم پیتا۔ اس لیے انہیں کوئی رکھتا ہی نہیں تھا۔ گھر میں مٹھی بھر اناج موجود ہو تو ان کے لیے کام کرنے کی قسم تھی۔ جب دو ایک فاقے ہو جاتے تو گھیسو درختوں پر چڑھ کر لکڑیاں توڑ لاتا اور مادھو بازار میں بیچ آتا اور جب تک وہ پیسے رہتے دونوں اِدھر اُدھر مارے مارے پھرتے۔ جب فاقے کی نوبت آتی تو پھر لکڑیاں توڑتے یا کوئی مزدوری تلاش کرتے۔ گاؤں میں کام کی کمی نہ تھی۔ کاشت کاروں کا گاؤں تھا۔ محنتی آدمی کے لیے پچاس کام تھے مگر ان دونوں کو لوگ اسی وقت بلاتے جب دو آدمیوں سے ایک کا کام پا کر بھی قناعت کر لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہوتا۔ کاش دونوں سادھو ہوتے تو انہیں قناعت اور توکل کے لیے ضبطِ نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔ یہ ان کی خلقی صفت تھی۔ عجب زندگی تھی ان کی۔ گھر میں مٹی کے دو چار برتنوں کے سوا کوئی اثاثہ نہیں۔

جس سماج میں رات دن کام کرنے والوں کی حالت ان کی حالت سے کچھ بہت اچھی نہ تھی۔ اور کسانوں کے مقابلے میں وہ لوگ جو کسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا جانتے تھے کہیں زیادہ فارغ البال تھے وہاں اس قسم کی ذہنیت کا پیدا ہو جانا کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ ہم تو کہیں گے گھیسو کسانوں کے مقابلے میں زیادہ باریک بین تھا اور

کسانوں کی تہی دماغ جمعیت میں شامل ہونے کے بدلے شاطروں کی فتنہ پرواز جماعت میں شامل ہوگیا تھا۔ ہاں اس میں یہ صلاحیت نہ تھی کہ شاطروں کے آئن وادب کی پابندی بھی کرتا اس لیے جہاں اس کی جماعت کے لوگ گاؤں کے سرغنہ اور مکھیا بنے ہوئے تھے۔ اس پر سارا گاؤں انگشت نمائی کرتا تھا پھر بھی اسے تسکین تو تھی ہی کہ اگر وہ خستہ حال ہے تو کم از کم اسے کسانوں کی سی جگر توڑ محنت نہیں کرنی پڑتی اور اس کی سادگی اور بے زبانی سے دوسرے بے جا فائدہ تو نہیں اُٹھاتے۔

1۔ محنتی آدمی ہمیشہ کامیاب رہتا ہے۔
2۔ قناعت اور توکل کے لیے ضبط نفس کی مطلق ضرورت نہ ہوتی۔
3۔ گاؤں کا متمول طبقہ کسانوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانا جانتا ہے۔
4۔ خوش خلقی ہماری صفت ہونی چاہیئے۔
5۔ آدمی کی سادگی اور بے زبانی سے دوسرے بے جا فائدہ اُٹھاتے ہیں۔

II. اظہار مافی الضمیر۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) حسب ذیل سوالوں کے جواب 4، 5 جملوں میں سوچ کر لکھئے۔

1۔ آج بھی گاؤں میں ایک آدمی کی موت کو گاؤں کی موت سمجھا جاتا ہے؟ وضاحت کیجیے۔
2۔ شہر میں رہ کر لوگ چاند کو بھولنے کی وجہ کیا ہے؟
3۔ ابو اورامی کے سروں پر کچی برف جمنے لگی تھی۔ اس سے کیا مراد ہے؟
4۔ اس سبق کے مصنف منور آناؔ کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟
5۔ گاؤں کے سہانے مناظر مصنف کو روکنا چاہتے تھے لیکن مصنف گاؤں چھوڑنے پر کیوں مجبور ہوا؟

(ب) ذیل میں دیئے گئے سوالوں کے جواب 10 تا 12 سطور میں لکھئے۔

1۔ شہر میں آکر بسنے والا شخص گاؤں کی کن کن چیزوں سے محروم ہوجاتا ہے؟
2۔ ''سب چیزیں اپنی شناخت بدل رہی تھیں'' اس سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

3۔ گاؤں کے ریلوے اسٹیشن پر زیادہ تر خاموشی چھائی رہتی ہے۔کبھی کبھار چند مسافر جاتے اور آتے ہیں۔شہر کے ریلوے اسٹیشن کا ماحول کیسا ہوتا ہے لکھئے۔

(ج) ان سوالوں کے جواب تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے۔

1۔ گاؤں اور شہر ایک دوسرے سے ملاقات کرتے ہیں تو ان کے درمیان کیا گفتگو ہوگی مکالموں کی شکل میں لکھئے۔

2۔ گاؤں کے ایک بزرگ بچوں کو گاؤں کی تاریخ اور واقعات سناتے ہیں۔وہ بزرگ کون کونسی باتوں کا تذکرہ کئے ہوں گے۔سوچیے اور انہیں ایک کہانی کی شکل میں لکھئے۔

3۔ شہروں کو بسانے کے لیے درخت کاٹے جارہے ہیں۔اسی طرح ایک شہر کو بسانے کے لیے درختوں کو کاٹنے کا منصوبہ بنایا جارہا تھا تو اس علاقے کے تمام درخت آپس میں اکٹھا ہوکر ایک میٹنگ منعقد کرتے ہیں اور بچاؤ کے اقدامات کرنے کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔انہوں نے کیا سوچا ہوگا۔ایک مضمون لکھئے۔

4۔ اس سبق کا بیانیہ انداز اور مصنف کی طرز تحریر سے متعلق ستائش کرتے ہوئے ایک مضمون لکھیے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

الف) خط کشیدہ الفاظ کے معنی لکھتے ہوئے انہیں جملوں میں استعمال کیجئے۔

1۔ گاؤں کے رسم ورواج کے مطابق تمام گاؤں والے دُلہن کو بیٹی کی طرح رُخصت کرتے ہیں۔

2۔ ہر آدمی کو حالات کے اعتبار سے اپنے آپ کو ڈھال لینا چاہیئے۔

3۔ اپنے دوست کی غلطیوں کو فراموش کردینا چاہیئے۔

4۔ سرکس کے کرتبوں نے مجھے مبہوت کردیا۔

5۔ علم سے دوری کسی بھی قوم کا المیہ ہوتا ہے۔

6۔ قیامت کا دن ہولناک ہوتا ہے۔

ب) سبق پڑھ کر درج ذیل الفاظ کی وضاحت کیجئے۔

1۔ شریک غم 2۔ زیرلب 3۔ آنکھوں کی ٹھنڈک 4۔ نحیف ولاغر 5۔ لامتناہی منظر

ج) اس سبق میں 'بجلی' (کرنٹ) سے متعلق چند الفاظ ہیں۔ انہیں ڈھونڈ نکالیے اور لکھئے۔

مثال: ٹیوب لائیٹ۔

د) ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے معنی اُسی جملے میں موجود ہیں انہیں خط کشید کیجئے اور انہیں جملوں میں استعمال کیجئے۔

1۔ سزا کا حکم سنتے ہوئے جس قدر جنبش تیرے دل میں پیدا ہو رہی ہے اس کی عشیر حرکت بھی میرے دل میں نہیں ہے

2۔ کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کے لیے ہمیں غیرت آتی ہے۔ لیکن ہمیں اللہ سے مانگتے ہوئے شرم نہیں محسوس کرنا چاہیئے۔

3۔ اگر آپ دوسروں کی تعظیم کروگے تو اللہ آپکو عزت بخشے گا۔

4۔ اللہ کے خوف سے لرزنا ایمان کی نشانی ہے بندوں سے ڈر کر کانپنا بزدلوں کی نشانی ہے۔

5۔ مہانوں کا استقبال پھول نچھاور کر کے کیا گیا اور صدر نے تمام کا خیر مقدم کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا

ھ) ذیل میں دیئے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کی ضد لکھئے۔

1۔ آدمی رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے۔

2۔ یہ جلسہ کل شب کو مقرر ہے۔

3۔ وہ ایک خوشحال آدمی ہے۔

4۔ وہ ہو بہو اپنے والد کی طرح ہے۔

5۔ کپڑے ابھی تک گیلے ہیں۔

قواعد

رموز واوقاف / علامات نگارش

- اس فقرے کو پڑھیے: ☆ ''بولو مت چپ رہو۔''
- اب ان دونوں فقروں کو پڑھیے: ☆ بولو ' مت چپ رہو۔ ☆ بولو مت ' چپ رہو۔

علامت لگانے کی وجہ سے پہلے فقرے کا جو مطلب ہے وہ دوسرے فقرے میں اس کے برعکس ہو گیا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ان علامتوں کا استعمال کیا جائے تا کہ مطلب واضح ہو۔

۔   ،   ؛   :   ؟   :-   !   ( )   ''''

1۔ ۔ خط فاصل (Full Stop): جملہ ختم ہونے کے بعد آخر میں یہ علامت لگائی جاتی ہے۔

جیسے: احمد ایک شریف انسان ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

2۔ ، سکتہ (Comma): یہ علامت مختصر ٹھہراؤ کے لیے استعمال کی جاتی ہے جیسے : ہندوستان میں ہندو، مسلم، سکھ اور عیسائی بستے ہیں۔

3۔ ؛ وقفہ (Semicolon): یہ علامت طویل ٹھہراؤ کے لیے استعمال کی جاتی ہے۔

جو بوئے گا ؛ وہ کاٹے گا جیسا کروگے ؛ ویسا بھروے گے

4۔ : رابط (Colon): دو مختلف بیانات میں رابط کے لیے اس علامت کا استعمال کیا جاتا ہے۔

مثلاً: آندھرا پردیش کی اہم دریا: کرشنا، گوداوری اور تنگھبدرا ہے۔

5۔ ؟ سوالیہ (Question Mark): سوالیہ جملے جو حروف استفہام سے کب، کیوں، کیا، کہا کس طرح وغیرہ سے بنتے ہیں ان کے آخر میں سوالیہ نشان لگاتے ہیں۔

6۔ :- تفصیلیہ (Colon with dash) : یہ علامت طویل اقتباس یا فہرست سے پیش تر استعمال کی جاتی ہے۔

مثلاً: مولانا ابوالکلام نے کہا تھا:- اس ملک کی بھائی چارگی مجھے عزیز ہے۔۔۔۔۔۔۔

7۔ ! علامت فجائیہ (Exclamatory): جب متکلم اپنے دلی جذبات کا اظہار حروف فجائیہ کے ذریعے کرے تو یہ علامت استعمال کیجاتی ہے۔ جیسے: شاباش! تم نے میدان مارلیا۔

8۔ ( ) قوسین (Brackets): کسی عبارت یا لفظ کی توضیح وتشریح کو قوسین میں لکھا جاتا ہے۔

جیسے: محمد قلی قطب شاہ (بانی شہر حیدرآباد) نے چار مینار کی تعمیر کی۔

9۔ “ ” واوین (Inverted Commas): جب کسی کے قول کو انکے الفاظ میں لکھنا ہوتا ہے تو اس کا استعمال کرتے ہیں۔

جیسے: حالؔی نے غالبؔ کو ’’حیوان ظریف‘‘ کہا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ’’علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔‘‘

منصوبہ کام/لسانی سرگرمیاں

1۔ ایک خوبصورت گاؤں کیسا ہوگا تصور کیجیے۔ ایک ایسے گاؤں کی تصویر حاصل کیجیے جو قدرتی حسن کا شاہکار ہے۔ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھئے اور مظاہرہ کیجیے۔ آپکے دوست بھی اسی طرح لکھیں گے! ان سب کو جمع کر کے گاؤں کے خوبصورت لوگ کے عنوان سے ایک کتاب ترتیب دیجیے۔ اس کے لیے ایک سرورق بھی تیار کیجیے۔ فہرست عنوانات اور پیش لفظ بھی لکھ کر مظاہرہ کیجیے۔

3

قصیدہ

محمد ابراہیم ذوقؔ

پڑھیے۔سوچئے۔بولیے

اللہ کرے شاد رہے اپنا شاہ
محبوب علی خاں نظام آصف جاہ
ملتا ہے وظیفہ تو وظیفہ یہ ہے
گھر بیٹھے کیا کرتا ہوں اللہ اللہ

سوالات:

1۔ مذکورہ بالا اشعار میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے؟
2۔ کیا آپ کو چار مصرعوں والی کوئی اور نظمیں یاد ہیں؟ سنائیے۔
3۔ مندرجہ بالا نظم اردو ادب کی کونسی صنف ہے؟

مقصد:

قصیدہ نظم کی ایک صنف ہے جس میں کسی کی تعریف یا مذمت بیان کی جاتی ہے۔اس میں اشعار کی تعداد زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو(150) تک ہوتی ہے۔شیخ ابراہیم ذوقؔ کا لکھا ہوا یہ قصیدہ دراصل حضرت سید عاشق نہال چشتیؒ کی مدح سرائی کرتا ہے۔اس میں قصیدے کے تمام اجزائے ترکیبی شامل ہیں۔اس کے ذریعے بچوں میں قصیدے کی صنف کا تعارف کروانا اوراس کے اجزائے ترکیبی سے واقف کرونا مقصود ہے

ماخذ

اس قصیدے کو کلیات ذوق سے لیا گیا ہے۔لفظ قصیدہ قصہ سے ماخوذ ہے۔جسکے معنی عمداً کسی کی تعریف وتوصیف بیان کرنا ہے بادشاہی دور میں یہ صنف بہت اہمیت کی حامل تھی۔اس میں مختلف اجزاء ہوتے ہیں۔دسویں جماعت کے بچوں میں اس صنف کو متعارف کروانے کے لیے یہ قصیدہ شامل نصاب کیا گیا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

صنف کا تعارف

شعری اصطلاح میں ایسی نظم کو قصیدہ کہتے ہیں جس میں کسی کی تعریف یا مذمت بیان کی گئی ہو۔قصیدے کے الفاظ شاندار اور بلند ہوتے ہیں۔تشبیہات اور استعارات کے علاوہ مضمون کی بلندی اور زور بیان بھی قصیدے کے لیے لازم ہے۔اشعار کی تعداد کم از کم پندرہ اور زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ سو تک ہوتی ہے۔غزل کی طرح قصیدہ کا پہلا شعر بھی مطلع کہلاتا ہے۔اور باقی اشعار کے دوسرے مصرعے مطلع کے ہم قافیہ ہوتے ہیں۔اس میں بھی غزل کی طرح کئی مطلعے آسکتے ہیں۔قصیدے کے اجزائے ترکیبی اس طرح ہیں۔

(۱) تشبیب (۲) گریز (۳) مدح (۴) دعا (۵) مدعا

عربی سے یہ صنف فارسی میں داخل ہوئی اور فارسی سے اردو میں آئی۔فارسی اور اردو ادب میں قصیدہ درباری ماحول کی پیداوار ہے۔اس لیے شعراء اس میں اپنے تخیل کا پورا زور لگا دیتے۔چنانچہ تخیل کی پرواز، زور بیان، پرشکوہ الفاظ ہی قصیدہ کی جان ہیں۔اردو کے بلند پایہ قصیدہ نگاروں میں مرزا محمد رفیع سودا، شیخ ابراہیم ذوقؔ اور مرزا غالبؔ کے نام اہم ہیں۔

طلبا کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان الفاظ کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

شاعر کا تعارف

شیخ ابراہیم نام اور ذوقؔ تخلص تھا۔1787ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔والد کا نام شیخ رمضان تھا جو ایک غریب سپاہی تھے۔ابتدائی تعلیم حافظ غلام رسول سے پائی۔کلام کی اصلاح بھی انہیں سے لیتے تھے بعد میں شاہ نصیر کے شاگرد ہوئے۔عربی، فارسی اور علوم اسلامی پر عبور حاصل تھا۔لیکن شعر گوئی میں کمال پیدا کیا۔یہاں تک کہ ولی عہد سلطنت بہادر شاہ ظفر کے استاد مقرر ہوئے۔اکبر شاہ ثانی نے خان بہادر اور خاقانی ہند کے خطاب سے سرفراز کیا۔

ذوقؔ اپنے زمانے کے استاد کامل تھے۔غزل گوئی اور قصیدہ نگاری میں ان کا مرتبہ انتہائی بلند ہے۔ان کا کلام صفائی، سادگی اور برجستگی کے لیے مشہور ہے۔محاورہ، روزمرہ اور ضرب الامثال کو کلام تصنع میں استعمال کرنے میں ید طولیٰ رکھتے تھے۔قصیدے میں تصنع، تکلف اور مبالغ ہی مبالغہ ہوتا ہے۔جو بات کہتے ہیں، دوٹوک کہتے ہیں۔کلام میں اخلاقی مضامین کی کثرت ہے۔اکثر صوفیانہ خیالات بھی نظم کرتے ہیں۔کئی لاکھ اشعار کہے لیکن غدر کے زمانے میں بہت سا کلام ضائع ہو گیا۔مولانا محمد حسین آزادؔ کی کوشش سے کچھ کلام بچ گیا وہی آج کل مروج ہے۔مرزا خان داغؔ دہلوی، بہادر شاہ ظفر، مولانا محمد حسین آزاد، مشہور شاگرد ہیں۔غدر سے تین سال قبل 1854ء کو دہلی میں وفات پائی۔انتقال سے چند لمحے قبل یہ شعر کہا ؎

کہتے ہیں آج ذوقؔ جہاں سے گزر گیا

کیا خوب آدمی تھا خدا مغفرت کرے

ابتدائیہ

صوفی بزرگ حضرت سید عاشق نہال چشتیؒ کی ولایت کا شہرہ دکن سے دلی تک تھا۔ ذوقؔ بھی ان سے متاثر تھے لہذا انہوں نے اپنے جذبات وعقیدت کا اظہار اس قصیدے میں کیا ہے۔ حضرت ممدوحؒ کی ہستی اس دنیا میں ابر درفشاں یعنی موتی لٹانے والی ابر کی مانند ہے۔ حضرت ذوقؔ نے شاہ کرامت خصال کے اوصاف کس طرح منظوم انداز میں پیش کیے ہیں آیئے اس قصیدے میں دیکھتے ہیں۔

(I)

وہ ابر دُرفشاں ہے ' چمن میں کمال کے
عاشق نہال کیوں نہ ہوں عاشق نہا ل کے

یک ذرہ' چشم مہر سے ' گر وہ نظر کرے
بھر جائیں پل میں لعل سے ' دامن جبال کے

ہے اس کے آگے بحر بھی کشتی بہ کف گدا
کھولے نہیں' صدف ہی نے کچھ' لب سوال کے

کشتی گدا کی کشتی پرزر ہو' آن میں
دستِ عطا سے ' اس شہِ دریا نوال کے

ہیں اس کے در کے خاک نشیں اس قدر غنی
خواہاں وہ ملک کے ہیں' نہ جو یا ہیں مال کے

کرتے ہیں جانور بھی ' ہمیشہ اسی کا ذکر
نکلے ہے پیر پیر' سدا منہ سے لال کے

سوچیے بولیے۔

1۔ شاعر نے ممدوح کے کن کمالات کا ذکر کیا ہے؟
2۔ اولیاءاللہ کی بخشش کا کمال کیا ہوتا ہے؟
3۔ شاعر کے خیال میں کشتی بہ کف گدا کا کیا مطلب ہے؟
4۔ اللہ کے نیک بندوں کو کس چیز کی فکر نہیں ہوتی؟

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(II)

جی چاہتا ہے، ہو کے مخاطب بیاں کروں
اوصاف ایسے شاہِ کرامت خصال کے

اے سیّد جلال کے خورشیدِ پُر جلال
قربان جایئے ترے جاہ و جلا ل کے

گردوں بھی پست ہو کے ہوا، خوب منفعل
رہتے کو دیکھ کر ترے اوجِ کمال کے

انجم جنہیں سمجھتے ہیں لوگ اپنے زعم میں
قطرے جبیں پہ ہیں، عرق انفعال کے

دیکھا جو تیرے فیض کو جاری، تو رہ گیا
دریا بھی، منہ بھنور کے گریباں میں ڈال کے

سوچیے بولیے۔

1۔ شاعر نے ستاروں کو کس سے تشبیہ دی ہے؟
2۔ خورشیدِ پُر جلال کا کیا مطلب ہے؟
3۔ ممدوح کے مرتبے کی بلندی کو دیکھ کر آسمان کا کیا حال ہے؟
4۔ ممدوح کے کمال کے کون کون معترف نظر آتے ہیں؟

(III)

جو دیکھے تیرے ظرف کو، اس کی نگاہ میں
جامِ جہاں نما ہے برابر سفا ل کے

ہے گرچہ تو جنوب میں، لیکن ترا جمال
روشن سوا، جمال سے قطب شمال کے

سنتے ہیں، جاں نثاروں سے، جب تیرا ذکر خیر
گویا اذان سنتے ہیں، منہ سے بلالؓ کے

سرتاقدم ہیں شوق، ترے طالب جمال
مشتاق روزہ دار کھڑے ہیں ہلال کے

بے تاب اس قدر ہیں، ترے اشتیاق مند
جیسے طیور تازہ گرفتار جال کے

سوچیے بولیے۔

1۔ دریا ممدوح کے آگے اپنی شرمندگی کا اظہار کیسے کرتا ہے؟
2۔ بزرگانِ دین کے نزدیک دنیا کی حیثیت کیسی ہوتی ہے؟
3۔ جاں نثاروں سے کیا مراد ہے؟
4۔ ممدوح کے طالب جمال کیسے ہیں؟

شاہا! یہ تیرا ذوقؔ ہے امیدوار لطف
ہوحال پر نگاہ ' اس آشفتہ حال کے

تاجلد ' اس کا کوکب طالع پئے طلوع
آجائے گھر میں اوج کے' گھر سے وبال کے

کردے تو' پاس نام سے اپنے اسے نہال
جوں غنچہ دل گرفتہ ہے' باعث ملال کے

دنیا میں ساتھ چین کے ' ہو زندگی بسر
ایمان اس کے ساتھ ہوٗ وقت انتقال کے

اور اُٹھے صبح حشر' شفق دار سرخ رو
یہ' رنگ دوستی سے محمدﷺ کی آل کے

سوچیے بولیے۔

1۔ مذکورہ بالا اشعار میں آپ کو کونسا شعر پسند ہے اور کیوں؟
2۔ شاعر ان اشعار میں کیا بیان کرنا چاہتا ہے؟
3۔ دنیا میں ہماری زندگی کس طرح گزرنی چاہیے؟
4۔ آپ روزمرہ زندگی میں کیا کیا کرتے ہیں؟
5۔ ''ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو'' اس کا آپ کیا مطلب سمجھتے ہیں؟

خلاصہ

یہ قصیدہ دکن کے ایک مشہور صوفی بزرگ حضرت سید عاشق نہال چشتیؒ کی مدح میں لکھا گیا ہے۔ جن کی ولایت کا شہرہ دکن سے دلی تک تھا۔ ذوقؔ بھی ان سے متاثر تھے لہٰذا انہوں نے اپنے جذبات وعقیدت کا اظہار اس قصیدے میں کیا ہے۔

ذوقؔ قصیدے کی تشبیب میں کہتے ہیں کہ حضرت ممدوحؒ کی ہستی اس دنیا میں ابر درفشاں یعنی موتی لٹانے والی ابر کی مانند ہے۔ اس لیے آپ کے چاہنے والے کیوں مالا مال نہ ہوں گے۔ سورج اور چاند میں جو روشنی نظر آرہی ہے۔ دراصل یہ بھی ان ہی کے جمال سے روشن ہیں۔ ان کی نظر کرم کا یہ حال ہے کہ اگر وہ نظر کرم کریں تو پہاڑوں کے دامن بھی ایک پل میں قیمتی موتی وجواہرات سے بھر

جائیں۔ان کی عطا وبخشش کا یہ حال ہے کہ ان کے آگے صدف ہی نہیں بلکہ سمندر بھی کشتی بہ کف گدا ہے یعنی فقیر کی طرح ہاتھ میں کٹورا لیے مانگ رہا ہے۔اور آن کی آن میں یہ کٹورا سونے چاندی سے بھر جاتا ہے۔ان کے در کی خاک نشین اس قدر غنی ہیں کہ نہ وہ مال و دولت کی خواہش رکھتے ہیں نہ انہیں اس کی جستجو ہے۔یہاں تک کہ جانور بھی ہمیشہ ان ہی کا ذکر کرتے ہیں یہی وجہ ہے کہ لال (لال رنگ کی چھوٹی سی چڑیا) کے منہ سے بھی ہمیشہ پیر پیر کی آواز آتی دکھائی پڑتی ہے۔

ذوقؔ ''تشبیب سے گریز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسی لیے میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں بھی ایسے شاہ کرامت خصال کے کچھ اوصاف بیان کروں۔

ذوقؔ ممدوح کی مدح شروع کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے جاہ وجلال کے سردار صلی علیہ وسلم کے جلال کے پرتو میں تیرے جاہ و جلال کے قربان جاؤں۔اس دنیا میں آپؐ کی ہستی ایک ایسی شمع کی مانند ہے جس کو صانع یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔آپؐ کی بلندی ومرتبہ کے آگے آسمان بھی پست ہوکر شرمندہ ہوگیا ہے۔آسمان پر جو ستارے چمک رہے ہیں۔دراصل وہ آسمان کی پیشانی پر شرمندگی کے قطرے ہیں۔جن کو لوگ ستارے سمجھ رہے ہیں۔اے ممدوح آپؐ کی سخاوت کا یہ حال ہے کہ دریا جو سخاوت کے لیے مشہور ہوتا ہے وہ بھی آپ کی سخاوت کے آگے شرمندہ ہوکر بھنور میں آگیا ہے آپ کی سخاوت سے جو لوگ واقف ہیں۔ وہ جام جاہ نما کو بھی مٹی کے جام کے برابر سمجھتے ہیں۔اگرچہ کہ آپ جنوب میں ہیں لیکن آپ کے فیوض و برکات کا سلسلہ شمال تک پھیلا ہوا ہے۔آپ کے چاہنے والوں سے جب آپ کا ذکر سنتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت بلالؓ سے اذاں سن رہے ہیں۔آپ کے چاہنے والے' آپ کی ایک جھلک دیکھنے کے کچھ ایسے مشتاق ہیں جیسے روزہ دار ہلال کی ایک جھلک دیکھنے کے مشتاق ہوتے ہیں تا کہ ان کی عید ہوجائے۔آپ کے چاہنے والے ہمیشہ کچھ ایسے مضطرب و بے تاب رہتے ہیں جیسے کوئی پرندہ قید ہونے کے ساتھ ہی آزادی کے لیے مضطرب و بے تاب رہتا ہے

آخر میں ذوقؔ دعا کا طلب گار ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے شاہ کرامت خصال یہ ذوق بھی آپ کے لطف وکرم کا امیدوار ہے۔ اس کی آشفتہ حالی پر بھی لطف وکرم کی ایک نگاہ ڈال دیجیے تا کہ اس کی قسمت بھی چمک جائے اور پریشانی دور ہوجائے۔ذوق کہتے ہیں کہ اپنے نام کی رعایت اور پاس ولحاظ سے آپ مجھے بھی نہال کردیجیے تا کہ میں دنیا میں چین وآرام سے زندگی بسر کرسکوں اور انتقال کے وقت بھی ایمان میرے ساتھ ہو اور آپ کی دوستی کا مجھے یہ صلہ ملے کہ صبح حشر جب اٹھایا جائے تو میں وہاں بھی سرخرو کامیاب رہوں۔

☆☆☆☆☆

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) قصیدے کو ترنم سے پڑھیے۔اشعار کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

(ب) آن ہی آن میں کشتی پُر زر ہونے سے کیا مراد ہے؟

(ج) سید جلال کے خورشید پر جلال سے کیا مراد ہے؟ وضاحت کیجیے۔

(د) قصیدے میں ہم وزن اور ہم آہنگ الفاظ کو چن کر لکھیے ۔

ہم وزن	ہم آہنگ

(ھ) قصیدہ میں شاعر ممدوح کو کن کن القاب و آداب سے مخاطب کیا ہے؟

(و) ذیل میں دیئے گئیے جملے قصیدے کے چند اشعار سے مطابقت رکھتے ہیں۔قصیدہ سے ان اشعار کو ڈھونڈ کر لکھیے ۔

1۔ اللہ کے نیک بندوں کی تعریف ساری مخلوق کرتی ہے۔

2۔ اللہ کے نیک بندوں کا چرچا ہر سمت پھیلا ہوتا ہے۔

3۔ تیرے چاہنے والوں سے آپ کا ذکر خیر سنتے ہیں تو کس کی یاد آتی ہے؟

4۔ ہماری زندگی سکوں سے ساتھ گزر جائے۔

5۔ پریشاں حال پر ایک نظر کرم کی ضرورت ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ز۔ ذیل کے اشعار پڑھیے اور ان سوالوں کے جواب دیجیے۔

دل ہی تو ہے، نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں!
روئینگے ہم ہزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں!
دیر نہیں، حرم نہیں، در نہیں، آستاں نہیں
بیٹھے ہیں رہگزر پہ ہم، غیر ہمیں اُٹھائے کیوں!
قید حیات و بند غم، اصل میں دونوں ایک ہیں
موت سے پہلے آدمی غم سے نجات پائے کیوں!
غالبؔ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں!
روئیے زار زار کیا، کیجیے ہائے ہائے کیوں

سوالات:

1۔ دل درد سے بھر آتا ہے۔ کیوں؟
2۔ شاعر کیوں کہہ رہا ہے کہ غیر ہمیں رہ گذر سے نہ اُٹھائے؟
3۔ شاعر کو کن دو چیزوں کو سکہ کے دو رُخ بتلاتا ہے کیوں؟
4۔ غم انسان کے ساتھ کیوں لگے ہوتے ہیں؟
5۔ زار زار رونے اور ہائے ہائے نہ کرنے کا مشورہ کیوں دیا جا رہا ہے؟

II. اظہار مافی الضمیر ۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب مختصر طور پر دیجیے۔

1۔ دنیا اور آخرت دونوں میں کامیابی کس طرح ممکن ہے؟
2۔ نیک بندوں کے رتبے کو دیکھ کر عام لوگ کیسا محسوس کرتے ہیں؟
3۔ ممدوح کے اوصاف کے متعلق شاعر کے دل میں کیا خواہش پیدا ہو رہی ہے؟
4۔ قصیدہ کے آخری شعر میں حشر کے میدان کے تعلق سے کیا تذکرہ کیا گیا ہے؟
5۔ قصیدہ کے کونسے شعر میں شاعر نے اپنا تخلص بیان کیا ہے۔ اسے ڈھونڈیئے اور لکھیے۔

(ب) ذیل کے سوالوں کے جواب 10 یا 12 جملوں میں لکھیے

1۔ قصیدہ کا خلاصہ اس کے اجزائے ترکیبی کے اعتبار سے لکھئے۔

2۔ جانور بھی اللہ اور اس کے نیک بندوں کا ذکر کس طرح کرتے ہیں؟

3۔ کسی کی مداح سرائی کن اوصاف کو پیش نظر رکھ کر کی جاتی ہے؟

(ج) تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے

1۔ آپ کی پسندیدہ شخصیت کو پیش نظر رکھ کر منظوم انداز میں ان کی مداح سرائی کیجیے۔

2۔ آپ کے علاقے میں اگر کوئی بہترین اوصاف کے حامل شخصیت ہو تو ان کا انٹرویو لیجیے۔اور کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنایئے۔

3۔ سچائی، امانت داری، صبر و شکر جیسی اعلیٰ انسانی صفات کی ستائش کرتے ہوئے بتلایئے کہ یہ صفات معاشرہ کی بھلائی کے لیے کیسے ضروری ہیں؟

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) حسب ذیل کی وضاحت کیجیے۔

ابر درفشاں، عاشق نہال، چشم مہر و ماہ، کشتی بہ کف گدا، دست عطا، عرقِ انفعال، آشفتہ حال، باعث ملال، کوکب طالع، صبح حشر

(ب) ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے معنی لکھیے۔

1۔ طیور درختوں پر اپنا بسیرا کرتے ہیں ( )

a) جانور b) انسان c) حیوان d) پرندے

2۔ زخمیوں کو دیکھ کر میری چشم تر ہوگئی ( )

a) کان b) زبان c) آنکھ d) عقل

3۔ دعاوں سے ہمیں فیض حاصل ہوتا ہے۔ ( )

a) نفع b) نقصان c) دُکھ d) غم

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

4۔ زاہد ٹیچر بننے کا مشتاق ہے ( )

a) عقل مند b) آرزومند c) ہنرمند d) سودمند

5۔ جاوید کے ظرف کے سب ہی قائل ہیں ( )

a) دانائی b) بینائی c) روشنائی d) مسیحائی

(ج) ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے معنی معلوم کرتے ہوئے انہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ اللہ ساری دنیا کا صانع ہے۔

2۔ اللہ کے نزدیک شاہ و گدا سب برابر ہیں۔

3۔ نافرمان اولاد ماں باپ کے لیے وبال بن جاتی ہے۔

4۔ خالد کا چہرہ کوکب کی طرح ہے

5۔ گردوں پر بادل چھائے ہوئے ہیں۔

قواعد

تقطیع: تقطیع کے لغوی معنی ٹکڑے کرنا/قطع کرنا ہے اصطلاح عروض میں تقطیع کرنا سے مراد شعر کا وزن کرنا ہے شعر کے اجزاء کو بحر کے ارکان پر تولنے یا وزن کرنے کا نام تقطیع ہے۔ تقطیع میں ساکن حرف کے برابر ساکن اور متحرک حرف کے برابر متحرک لایا جاتا ہے۔ اس کے لیے باضابطہ اصول وضوابط مقرر کردیئے گئے ہیں جن میں اہم درج ذیل ہیں۔

1۔ تقطیع میں ساکن کے مقابل ساکن اور متحرک کے مقابل متحرک لانا ہوتا ہے۔ اس کے لیے اختلاف حرکات کا لحاظ نہیں ہوتا۔

2۔ صرف ملفوظ حروف کا شمار ہوگا۔ یعنی صرف وہی حروف تقطیع میں شمار ہوں گے جو پڑھے جاتے ہیں۔ چاہے وہ لکھے ہوئے ہوں یا نہ لکھے ہوئے ہوں۔

3۔ حروف غیر ملفوظ کا شمار نہیں ہوگا۔ یعنی ایسے حروف جو لکھے تو جاتے ہیں لیکن پڑھے نہیں جاتے ان کا شمار تقطیع میں نہیں ہوگا۔ حروف غیر ملفوظ کی چند مثالیں یہ ہیں۔

- نون غنہ: جیسے شگوں، سکوں، میں، کی، ن، غنہ کا شمار نہیں ہوگا۔
- واؤ معدولہ: جیسے خواہش، خواب، خوش وغیرہ کی واؤ کا شمار نہیں ہوگا۔
- ہائے مختفی: جیسے: غنچہ، رفتہ، افسانہ وغیرہ میں ''ہ'' کا شمار نہیں ہوگا۔

- واؤ عطف: جیسے شیر وشکر، نقش ونگار وغیرہ کی ''و'' شمار نہیں ہوگی۔ البتہ زور دے کر پڑھی جائے تو شمار ہوگی۔
- حروف شمسی کی الف لام جو پڑھی نہیں جاتی شمار نہیں ہوتی۔ جیسے: عبدالرحیم' کی الف لام

4۔ اگر دو ساکن ہوں تو دوسرا ساکن متحرک ہوجائے گا۔ جیسے ''پاس'' کی ''س'' متحرک ہوجائے گی۔

5۔ اگر تین ساکن ہوں تو دوسرا ساکن متحرک ہوگا تیسرا ساکن شمار نہیں ہوگا۔ جیسے: دوست کا واؤ ساکن سین متحرک اور ''ت'' شمار نہیں ہوگا۔

6۔ ہندی حروف کی مخلوط ہائے جس کو دوچشمی لکھا جاتا ہے جیسے بھ' پھ' تھ' جھ' چھ وغیرہ یہ تمام بظاہر دو حروف ہیں لیکن تقطیع میں یہ ایک ہی حرف شمار ہوں گے۔

7۔ الف ممدودہ میں دو الف شمار کیے جائیں گے۔ جیسے آم - میں ا ا م

8۔ مشدد حروف کا شمار بھی دو حرف کا ہوگا۔

9۔ تنوین کا شمار بھی دو حرف کا ہوگا۔

10۔ ہمزہ اگر کھینچ کر پڑھی جائے تو شمار ہوگی۔

11۔ ہندی الفاظ کی واؤ تقطیع میں شمار نہیں ہوگی۔ بلکہ اس سے قبل کے حرف پر صرف حرکت دے گی۔ جیسے سؤ تو کی شکل سُ' تُ ہوگی۔

ان کے علاوہ بھی اور بہت سے باریک نکتے ہیں جن کا تقطیع کے وقت لحاظ رکھا جاتا ہے۔

مشق:1

1. گھر' کھل ان الفاظ میں کتنے حروف ہیں؟
2. گہر' نہر ان الفاظ میں کتنے حروف ہیں؟
3. تنخواہ' دسترخوان ان الفاظ میں کونسا حرف غیر ملفوظ ہے۔
4. معناً ' عموماً ' لازماً ان الفاظ میں عروض کے لحاظ سے کتنے حروف ہیں۔
5. تقطیع میں نون غنہ کا کیا لحاظ رکھا جائیگا۔
6. ''عیدالفطر'' تقطیع میں الف لام شمار ہوگی یا نہیں؟

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

☆ مرزا غالب کے لکھے ہوئے کوئی دو قصیدے اپنی لائبریری سے اکٹھا کیجیے اور انہیں دیواری رسالہ پر آویزاں کیجیے۔

☆ آپ نے پچھلی جماعتوں میں اگر کوئی قصیدہ پڑھا ہو تو اسے حاصل کر کے اسکا خلاصہ لکھ کر کمرہ جماعت میں آویزاں کیجیے۔

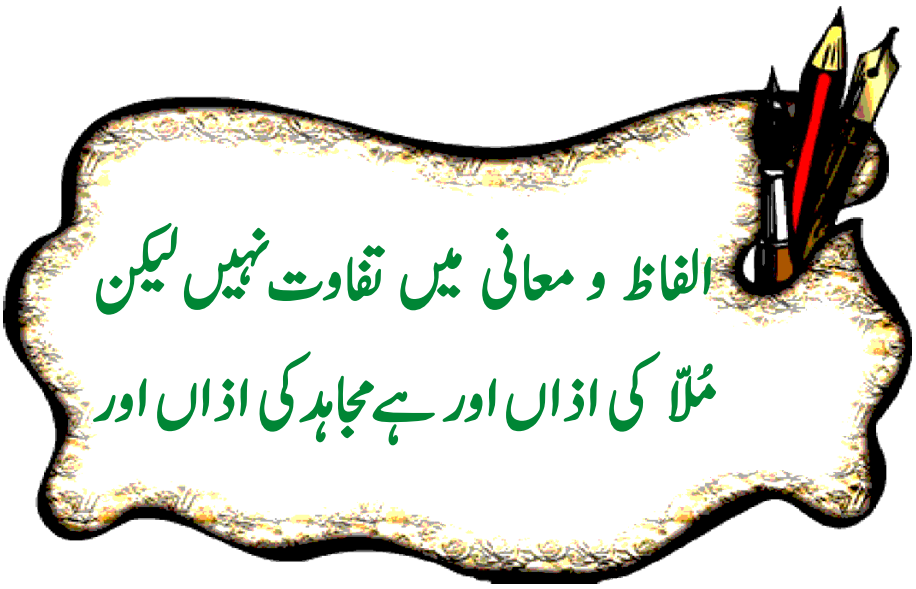

4

قلی قطب شاہ کا سفر نامہ

مجتبیٰ حسین

پڑھیے سوچیے اور بولیے

ایک مرتبہ ایک غریب آدمی راستہ چلتے چلتے تھک کر گرمی سے بچنے کے لیے ایک محل کے سایے میں ٹھہر گیا۔ اس وقت محل میں کوئی تقریب ہو رہی تھی۔ یہ دیکھ کر وہ اپنے آپ میں بڑبڑانے لگا۔ میں دن بھر محنت کرتا ہوں تو بڑی مشکل سے دو وقت کی روٹی نصیب ہوتی ہے۔ اور یہ امیر لوگ کتنے آرام و آسائش سے زندگی کے مزے لوٹتے ہیں۔ اتفاق سے اسکی بڑبڑاہٹ کو محل کے مالک سندباد جہازی نے سن لیا۔ اور اسے محل میں بلوا کر اپنے ساتھ بٹھا کر بہترین اقسام کے کھانے کھلائے۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد سندباد نے کہا میں نے تمہاری باتیں سن لیں ہیں چلو میں تمہیں اپنی دولتمندی کا راز بتاتا ہوں۔ پھر سندباد نے کہا'' میرے والد بغداد کے سوداگر تھے ان کے انتقال کے بعد میں نے ملکوں کے سفر کی ٹھان لی۔ اس کے بعد میں نے کئی علاقوں اور ملکوں کی سیر و تفریح کی۔ ہر سفر میرے لیے ایک نیا تجربہ ہوتا تھا۔ مسلسل سفر و سیاحت اور تجارت کی وجہ سے میرے علم و تجربے کے ساتھ میری دولت میں بھی اضافہ ہوا۔ آج میری جو شان و شوکت تم دیکھتے ہو وہ میری انتھک محنت اور جستجو کا نتیجہ ہے اور میری ہمت و حوصلہ کا انعام ہے۔

سوالات:

1۔ غریب آدمی نے کیا شکوہ کیا؟

2۔ غریب آدمی کو شکوہ کرتے ہوئے کس نے سنا؟ اور اس نے غریب آدمی کے ساتھ کیا سلوک کیا؟

3۔ سندباد کی دولت مندی کا راز کیا تھا؟

4۔ کیا آپ نے کبھی دور دراز کے مقامات کا سفر کیا ہے؟

5۔ سیاحت کرنے والے اپنے سفر کی روداد کو لکھتے ہیں تو اسے کیا کہتے ہیں؟

مقصد/ مدعا

سلطان محمد قلی قطب شاہ کا سفر نامہ ایک ایسا مضمون ہے جس میں طنز و مزاح کا خاص عنصر موجود ہے۔ یہ نہ صرف ایک مصنف کا مضمون بلکہ آپ بیتی کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ اس سبق میں مصنف نے شہر حیدرآباد کی گذشتہ چار سو سال میں شہر کی بدلی تہذیب و تمدن کو تاریخی پس منظر سے مربوط کرتے ہوئے بہترین پیرائے میں بیان کیا ہے اس سبق کا خاص مقصد بچوں میں جمالیاتی ذوق کا فروغ، طنز و مزاح اور تہذیب و تمدن سے واقف کروانا اور ان میں اس طرح کی تحریروں کو پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت کو فروغ دینا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ سبق جناب مجتبیٰ حسین کے مزاحیہ مضامین کے مجموعے سے لیا گیا ہے

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

مصنف کا تعارف

مجتبیٰ حسین 15 / جولائی 1936ء کو ضلع گلبرگہ (کرناٹک) میں پیدا ہوئے۔ 1956ء میں عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن سے بی۔اے کیا۔ پھر روزنامہ سیاست' حیدرآباد سے وابستہ ہوئے۔ 1962ء میں اسی اخبار میں مزاحیہ کالم نگاری شروع کی۔ 1972ء میں حیدرآباد سے دہلی منتقل ہوئے اور نیشنل کاؤنسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ سے وابستہ ہوئے جہاں سے 1991ء میں بحیثیت ایڈیٹر وظیفہ پر سبکدوش ہوئے۔ جاپان' برطانیہ' فرانس' امریکہ' کینیڈا' روس' اُزبکستان' پاکستان' سعودی عرب' سلطنت عمان اور متحدہ عرب امارات کی سیاحت کر چکے ہیں۔ 1993ء میں روزنامہ 'سیاست' کے لیے دوبارہ کالم نگاری شروع کی۔

تصانیف: تکلف برطرف:1968' قطع کلام:1969' قصہ مختصر:1972' بہر حال:1974' آدمی نامہ:1981' بالآخر:1982' جاپان چلو جاپان چلو:1983' الغرض:1987' سو ہے وہ بھی آدمی:1987' چہرہ در چہرہ:1993' سفر لخت لخت:1995' آخر کار:1997' ہوئے ہم دوست جس کے:1999' میرا کالم:1999' مجتبیٰ حسین کی بہترین تحریریں: مرتبہ حسن چشتی (شگاگو) (دو جلدوں میں) 2001ء' 2002ء

اعزازات: اڑیہ ادیبوں کی تنظیم سرس ساہتیہ سمیتی' کٹک کی جانب سے 'ہاسیہ رتن' کا خطاب:1980' غالب انسٹی ٹیوٹ' دہلی کا پہلا غالب ایوارڈ برائے اُردو طنز و مزاح:1984' ایوارڈ برائے تخلیقی نثر اُردو اکادمی' دہلی 1990ء' کل ہند مخدوم محی الدین ایوارڈ' آندھرا پردیش اُردو اکادمی:1993' حکومت کی جانب سے پدم شری کا اعزاز:2007' گلبرگہ یونیورسٹی کی جانب سے ڈی۔لٹ کی اعزازی ڈگری:2010' علاوہ ازیں ساری تصانیف کو ملک کی مختلف اکادمیوں کے متعدد انعامات مل چکے ہیں۔ ہندی میں چھ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ہندوستان کی کئی علاقائی زبانوں میں تراجم۔ ان کا سفرنامہ جاپان' جاپانی زبان میں بھی شائع ہوا۔

ابتدائیہ

جب جہانگیر علی کو یقین ہوگیا کہ میں سچ مچ کا قلی قطب شاہ ہوں تو وہ میرے قدموں پر گر پڑا ۔کہنے لگا ''عالم پناہ! میں اپنی گستاخی کے لیے معافی کا طلب گار ہوں۔اب آپ میرے ساتھ شہر میں واپس چلئے۔نہ تو میٹر سے کرایہ لوں گا نہ ویٹنگ چارج کروں گا۔چار مینار کو گولی ماریئے۔میری جھونپڑی آپ کے لیے حاضر ہے۔'' میں نے کہا'' جہانگیر علی میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔لیکن اب بالا حصار تک آ گیا ہوں۔اتنی بلندی سے پھر اس شہر کی پستی کی طرف نہیں جانا چاہتا! آیئے محمد قلی قطب شاہ اور آٹو ڈرائیور کے درمیان ہوئی دلچسپ گفتگو کے بارے میں مزید جانیں گے۔

I

حضرات! میں محمد قلی قطب شاہ ہوں۔وہی قلی قطب شاہ جس نے اس شہر میں ''چار مینار'' بنوا کر اس شہر کو آباد کیا تھا۔اگر میرا قصور ہے تو بس اتنا ہی ہے۔میں چار سو سال بعد اس شہر میں ویسے تو صرف چار دن رہنے کے ارادے سے آیا تھا۔لیکن اب صرف ایک ہی دن میں واپس جا رہا ہوں۔اتنا حیدرآباد میرے لئے نہ صرف کافی بلکہ بہت کافی ہے۔سچ تو یہ ہے کہ میں چار سال پہلے حیدرآباد کے چار سو سالہ جشن کے موقع پر آنا چاہتا تھا لیکن کیا کروں مجھے نیچے کی دنیا میں آنے کے لئے وقت پر ویزا ہی نہیں ملا۔میں جب جب ویزا لینے کے لیے گیا تو فرشتوں نے بتایا کہ حیدرآباد کا چار سو سالہ جشن ملتوی ہوگیا ہے۔جب ہوگا تو تمہیں ویزا دیا جائے گا۔یوں خالی پیلی وہاں تمہارے جانے کا کیا فائدہ۔سوچا تو قصور میرا ہی نکل آیا کہ میں نے اس شہر کو بسانے سے پہلے چار مینار کو بنوایا۔اب حیدرآبادی ہر کام چار کے ہندسے کو ذہن میں رکھ کر کرتے ہیں۔شرعی اعتبار سے چار شادیاں کرنے کی بات میں نہیں کرتا۔حیدرآبادی اپنے شہر کا جشن منانے کا ارادہ کرتے ہیں تو چار سو سال کا اور وہ بھی مناتے ہیں تو چار سال بعد۔میں تو کیا یہاں ایک انوکھی اور نئی سواری بھی دیکھی جسے آٹو رکشا کہتے ہیں۔اس میں صرف تین آدمیوں کے بیٹھنے کی گنجائش ہوتی ہے مگر اس میں بیٹھتے چار آدمی ہیں۔اس سواری کی خوبی یہ ہے کہ اس کے اگلے پہیہ کو کہیں بھی داخل کرنے کی ذرا سا بھی گنجائش نظر آئے تو سالم سواری اس میں بیٹھی ہوئی سواریوں سمیت اس جگہ میں نکل جاتی ہے۔چار سو سال میں اس شہر نے میرے بعد سائنس کے میدان میں جو ترقی کی ہے اس کی یہ سب سے عمدہ مثال ہے۔ میں نے اس سواری میں بیٹھ کر اپنے بسائے ہوئے شہر حیدرآباد کو دیکھنے کی کوشش کی۔نتیجہ میں اس شہر کو بالکل نہیں دیکھ پایا۔کیونکہ جیسے ہی میں کسی منظر کو دیکھنا شروع کرتا تھا تو آٹو رکشا مجھے اچانک اچھال کر میرے منھ کو دوسرے منظر کی طرف کر دیتا تھا۔اس سواری کو چلانے والا جہانگیر علی بھی بہت دلچسپ آدمی تھا۔میں چونکہ رات کے پچھلے پہر حیدرآباد میں وارد ہوا تھا۔اس لیئے پہلے تو آنکھیں مل مل کر دیکھنے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کی کوشش کرتا رہا کہ میں کہاں ہوں۔ بعد میں احساس ہو کہ میں موسی ندی کے کنارے کھڑا ہوں اور غالبًا یہی وہ جگہ ہے جہاں سے میں گھوڑے پر سوار ہو کر بھاگ متی سے ملنے جایا کرتا تھا۔ پہلے تو میں اپنے گھوڑے کا انتظار کرتا رہا۔ وہ نہیں آیا تو میں نے بھاگ متی کو پکارنا شروع کر دیا۔ بھاگ متی وہ نہیں آئی البتہ جہانگیر علی آ گیا۔ بولا ''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' میں نے کہا ''مجھے اس ندی کے پار کر کے بھاگ متی سے ملنے کے لیے دوسری جانب جانا ہے۔ مگر میرا گھوڑا اب تک نہیں آیا ہے''۔ جہانگیر علی نے مجھے غور سے دیکھا اور کہا ''آپ نے آج غالبًا پیا باج پیالہ کچھ زیادہ ہی پی لیا ہے۔ تبھی تو اپنے آپ کو قلی قطب شاہ سمجھ رہے ہو۔'' میں نے کہا ''میں ہوں ہی قلی قطب شاہ''۔ جہانگیر علی نے آنکھ مار کر کہا ''تب تو آج آپ کی سواری میں رہنے کا لطف آ جائے گا۔ گھوڑے کو ماریئے گولی اور میرے آٹو رکشا میں بیٹھ جایئے۔ میٹر سے جو کچھ بنے گا وہ دیجئے۔ البتہ ویٹنگ کا چارج الگ سے ہوگا۔'' میں نے کہا ''ویٹنگ کا کیا چارج ہوگا؟'' بولا ''پانچ روپیئے فی گھنٹہ کے حساب سے لوں گا۔ چار سو سال پہلے سے ویٹنگ کا جو چارج ہوگا وہ آپ دیکھ سمجھ کر دیجئے۔'' میں نے حیرت سے کہا ''چار سو سال کی ویٹنگ!'' بولا ''اور کیا؟ ہم تو رکشہ چلاتے ہیں اور ویٹنگ میں ہی زیادہ کماتے ہیں۔ اور حضور ذرا یہ سوچئے کہ آپ نے اس شہر میں آنے میں کتنی دیر کر دی''۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کون تھے؟ اور آپ انکے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

2۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے اس شہر حیدرآباد سے ایک دن میں واپس ہو کر جانا چاہا تھا۔ کیوں؟

3۔ سلطان محمد قلی نے آٹو رکشا کو انوکھی اور نئی سواری کیوں کہا؟

4۔ سلطان محمد قلی نے آٹو رکشا کے سفر کو کس طرح بیان کیا؟

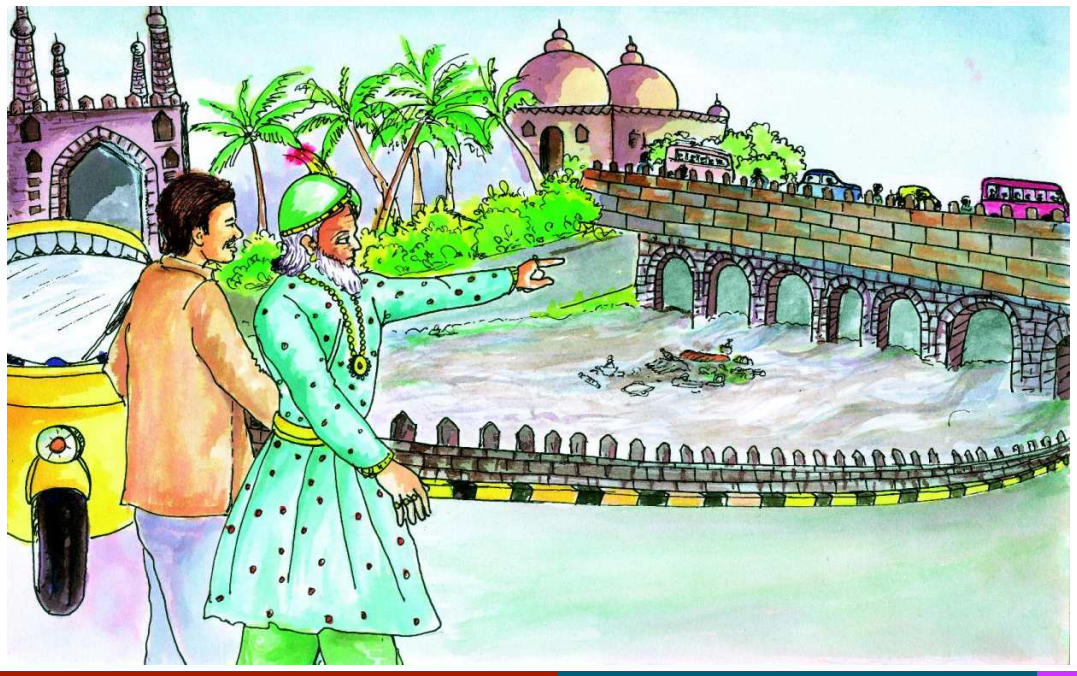

II

میں نے اس سے بحث کرنا مناسب نہیں سمجھا اور آٹو رکشا میں بیٹھ گیا۔اس نئی سواری کا جائزہ لیکر میں نے کہا ''مگر تم اسے ندی میں سے کیسے لے جاؤ گے؟'' بولا ''حضور! جسے آپ بار بار ندی کہہ رہے ہیں اس میں اب پانی نہیں رہتا۔مچھر اور بھینسیں رہتی ہیں۔ برس ہا برس بیت گئے اور میں اس ندی میں کبھی پانی کو بہتے ہوئے نہیں دیکھا۔'' میں نے پوچھا ''پھر اس شہر کے لوگ اپنی پیاس کس طرح بجھاتے ہیں؟'' جہانگیر علی بولا ''حضور اس کے لیے شہر میں ایک محکمہ آبرسانی موجود ہے جس کا کام نلوں سے نہیں بلکہ اس شہر کے باسیوں کی آنکھوں کے ذریعہ پانی سربراہ کرنا ہے لوگ دو دو تین تین دن انتظار کرتے ہیں تو اس شہر کے نلوں میں چار پانچ قطرے نکل آتے ہیں ۔البتہ عوام کی آنکھوں کا پانی کبھی نہیں سوکھتا۔یہ الگ بات ہے کہ اس شہر کے حکمرانوں کا آنکھوں کا پانی مر گیا ہے۔''

جہانگیر علی کے اس بیان کو سن کر میں خوش تو بہت ہوا کہ میرے شہر کے لوگوں نے اتنی ترقی کر لی ہے کہ آبرسانی کے نظام کا تعلق نلوں سے نہیں بلکہ راست طور پر عوام کی آنکھوں سے جوڑ دیا ہے سچ تو یہ ہے کہ اس ترقی کا حال سن کر میری آنکھوں سے بھی اچانک خوشی کے آنسو نکل آئے۔

جہانگیر علی جب ندی کو پار کرنے کی بجائے اپنے آٹو رکشا کو دوسری سمت لے جانے لگا تو میں کہا ''تم ندی میں سے کیوں نہیں چلتے؟'' بولا ''سرکار اگر چہ یہ ندی بالکل نہیں بہتی لیکن اس وقت رات کا پچھلا پہر ہے۔یہ وقت مچھروں اور دیگر حشرات الارض کے آرام کرنے کا ہے۔اس وقت رعایا کے آرام میں خلل ڈالنا آپ کو زیب نہیں دے گا۔ویسے حکومت نے اس ندی کو عبور کرنے کے لیے اس کے اوپر پانچ چھ پل بھی بنا رکھے ہیں۔لیکن ان پلوں کی تعمیر کچھ ایسی ہے اور ان پر جا بجا اتنے کھڈ موجود ہیں کہ ان پر سے گزرتے ہوئے آپ کو یوں محسوس ہوگا کہ جیسے آپ پل کے اوپر سے نہیں بلکہ خود ندی میں سے گزر رہے ہیں۔اس لیے حکومت اب ان پلوں کو آسانی سے پار کرنے کے لیے ان پلوں کے اوپر بھی پل بنانے کا ارادہ رکھتی ہے میں نے کہا ''پل کو پار کرنے کے لیے پل! یہ کیا احمقانہ بات ہے۔جب یہ ندی بہتی ہی نہیں تو اس پر پل بنانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر یہاں واقعی پل بنائے گئے تھے تو پلوں کو پار کرنے کے لیے ان کے اوپر اب پھر پُل بنانے کی ضرورت کیوں پیش آرہی ہے؟''۔

جہانگیر علی بولا ''سرکار مجھے تو لگتا ہے۔اس شہر کے حکمرانوں کی سب سے بڑی ہابی پل بنانا ہے۔اگر پل بنانا ہی شوق تھا تو ندی کے اُوپر اُس پار سے اس پار تک پل بنانے کے بجائے ندی کے کنارے کنارے پل بناتے چلے جاتے۔سینکڑوں میل لمبے پل بن سکتے تھے۔خیر چھوڑیئے ان باتوں کو یہ بتایئے کہ کہاں چلیں گے؟'' میں نے کہا ''جہانگیر علی! تم بڑے معصوم آدمی ہو۔میں نے اس شہر میں چار مینار اور اس کے آس پاس چند عمارتیں بنوائی تھیں۔میں یہاں جانے کے علاوہ اور کہاں جا سکتا ہوں۔کیا چار مینار اس جگہ سے بہت دور ہے؟'' جہانگیر علی بولا ''چونکہ رات کا پچھلا پہر ہے اس لیے ہم اس وقت دس منٹ میں چار مینار پہنچ سکتے ہیں۔البتہ دن میں یہاں سے چار مینار پہنچنے کے لیے دس گھنٹے کا وقت لگتا ہے۔'' میں نے کہا جہانگیر علی تمہاری باتیں میری سمجھ میں نہیں آرہی ہیں۔وہ بولا ''چار سو

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سال بعد آنے کا یہی تو نقصان ہے۔آپ دن میں اس شہر کی سیر کریں تو یہ باتیں خود بہ خود آپ کی سمجھ میں آجائیں گی۔'' اور ٹھیک دس منٹ بعد میں سچ مچ چار مینار کے سامنے کھڑا تھا۔کوئی نہیں جانتا کہ میں کتنے چاؤ سے اس عمارت کو تعمیر کرایا تھا۔ میں بڑی دیر تک چار مینار کے اطراف گھومتا رہا۔ برسوں بعد اس عمارت کو صحیح وسالم دیکھ کر میرے اندر وہ سکون اور اطمینان پیدا ہوا کہ میری آنکھیں نیند سے بوجھل ہونے لگیں۔اور میں وہیں چار مینار کے ایک گوشے میں سو گیا۔اور جہانگیر علی اپنی ویٹنگ کماتا رہا۔

سوچیے۔بولیے

1۔ پُلوں کے اوپر پھر پُل بنانے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟

2۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ شہر حیدرآباد میں کونسی عمارتیں بنوائی؟

3۔ جہانگیر علی نے ایسا کیوں کہا کہ اس شہر کے حکمرانوں کی بڑی ہابی پُل بنانا ہے؟

4۔ جہانگیر علی کے مطابق موسیٰ ندی کے کنارے چار مینار تک پہنچنے کے لیے دس گھنٹے کا وقت لگتا ہے۔کیسے؟

III

بڑی دیر بعد جب میری آنکھ کھلی تو اچانک میرے منھ سے چیخ نکل گئی کیونکہ میں نے دیکھا کہ انواع واقسام کے سینکڑوں لوگ چار مینار کے اطراف بھاگے چلے جارہے ہیں۔ میں نے گھبرا کر جہانگیر علی کو آواز دی تو وہ فوراً چلا آیا۔ میں نے کہا ''جہانگیر علی یہ کون لوگ ہیں جو دیوانوں کی طرح میرے چار مینار کے اطراف بھاگے چلے جارہے ہیں؟'' جہانگیر علی بولا ''حضور یہ لوگ نہیں آپ کی دعا کی تاثیر ہیں۔آپ نے چار سو برس پہلے خدا سے دعا کی تھی کہ اس شہر میں لوگوں کو یوں بسانا جیسے سمندر میں مچھلیاں آباد رہتی ہیں۔ پہلے تو اللہ میاں ذرا کم ہی دعائیں قبول کرتے ہیں مگر جب قبول کرتے ہیں تو فیملی پلاننگ کو بالکل خاطر میں نہیں لاتے۔اب دیکھئے کہ محض آپ کی دعا کی وجہ سے' جو چار سو برس پہلے شاید دعا رہی ہو تو ہو لیکن اب بد دعا لگتی ہے' اس شہر میں کتنے لوگ کیڑوں مکڑوں کی طرح آباد ہیں۔ سمندر میں اتنی مچھلیاں آباد نہیں ہیں جتنے اس شہر میں لوگ آباد ہیں۔'' میں نے کہا ''جہانگیر علی تم سچ کہتے ہو۔غلطی میری ہی تھی۔میرا دارالحکومت گولکنڈہ ایسی جگہ آباد تھا جہاں دور دور تک کوئی سمندر نہیں تھا۔ مجھے کیا معلوم کہ سمندر میں کتنی مچھلیاں رہتی ہیں۔ میں نے تو بس ایک اچھا شعر کہنے کی غرض سے غفلت میں یہ دعا مانگ لی تھی۔'' جہانگیر علی بولا ''اچھے شعر کہنے کا یہی تو نقصان ہوتا ہے۔آج کے شاعروں کو دیکھئے بُرے شعر بھی کہتے ہیں اور اوپر سے مشاعرے بھی لوٹتے ہیں۔خیر جانے دیجئے ان باتوں کو۔سچ بتائیے کیا واقعی چار مینار آپ کی بنائی ہوئی عمارت ہے؟'' میں نے ہاں میں جواب دیا تو بولا ''حضور! گستاخی معاف۔اب ہمارے لئے یہ عمارت عمارت نہیں ہے بلکہ شہر کے ٹریفک میں ایک بڑی رکاوٹ ہے۔اس لیئے میں آپ کو ایک زرین مشورہ دینا چاہتا ہوں۔اگر یہ عمارت آپ کو نجی ملکیت ہے تو اس کی چاروں کمانوں کے بیچ میں جو جگہ بچی ہوئی ہے اس میں دس بائی دس کی پچیس ملگیاں بنوا دیجئے۔'' میں نے

پوچھا ''یہ ملگی کیا ہوتی ہے؟'' جہانگیر علی نے کہا ''بہت اچھی چیز ہوتی ہے۔ اچھے اچھے لوگ بھی اپنے دیوان خانوں اور غسل خانوں کو توڑ کر ملگیاں بنانے لگے ہیں۔ انہیں کرایہ پر اُٹھا دیجئے۔ ہزاروں روپیئے ماہانہ کرایہ آئے گا۔ اگر آپ یہ نہیں کرنا چاہتے ہیں تو چار مینار کو گرا کر قلی قطب شاہ ٹاور بنا دیجئے۔ پچاس ساٹھ فلیٹس تو ضرور بن جائیں گے۔ کروڑوں کا فائدہ ہوگا۔ ویسے اگر آپ تیار ہوں تو ناچیز آپ کا پارٹنر بننے کو تیار ہے۔'' میں نے کہا'' جہانگیر علی پہلی بات تو یہ کہ میں اس شہر میں رہنے کے ارادے سے نہیں آیا ہوں۔ اس لیئے ایسے زرین مشورے اپنے پاس ہی رکھو۔ دوسری بات یہ کہ میں تو اس بات پر اب تک حیران ہوں کہ اس شہر میں اتنے سارے لوگ آتے کہاں سے ہیں؟'' جہانگیر علی بولا ''اس شہر میں آنے کے کئی ٹھکانے ہیں جیسے گولی گوڑہ بس ڈپو، نامپلی اسٹیشن، بیگم پیٹھ کا ہوائی اڈہ وغیرہ۔ چلیئے میں آپ کو نامپلی اسٹیشن لے چلتا ہوں۔'' میں بعد میں نامپلی اسٹیشن بھی گیا اور یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک بڑی اژدھے کی شکل کی لمبی سی سواری ہے جس میں ہزاروں آدمی ایک دوسرے پر بیٹھ کر آتے ہیں۔ اور اس خوش فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ سواری پر بیٹھ کر آئے ہیں۔ میں اسٹیشن پر سینکڑوں مسافروں کی آمد کا منظر دیکھ ہی رہا تھا کہ ایک مسافر نے اچانک پکارنا شروع کیا'' قلی! قلی! قلی!'' میں نے سمجھا کہ یہ ناہنجار مجھے پکار رہا ہے۔ جیسے ہی میں اس کے پاس گیا اس نے بھاری صندوق مرے سر پر رکھ دیا۔ پھر اس کے اوپر ایک اٹیچی کیس رکھنے کے بعد میرے ایک ہاتھ میں ہولڈال اور دوسرے ہاتھ میں ایک باسکٹ تھما دی۔ پھر بولا'' دس روپیئے دونگا۔'' وہ تو اچھا ہوا کہ جہانگیر علی فوراً میری مدد کو آ گیا۔ میری سمجھ میں یہ ماجرا نہیں آیا۔، میں نے سمجھا کہ میرے کندھے ایک زمانہ میں چونکہ بارِ حکومت کو اُٹھانے میں بڑی مہارت رکھتے تھے اس لیئے یہ مسافر شاید میری طاقت کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ بعد میں جہانگیر علی نے بتایا کہ پرانے زمانہ کا قلی حکومت کا بوجھ اُٹھاتا تھا اور آج کا قلی سامان اُٹھاتا ہے۔ میں نے پوچھا'' تو پھر حکومت خود ایک ایسا بھاری بوجھ ہے جسے عوام اٹھاتے ہیں اور گرتے پڑتے چلتے رہتے ہیں۔'' میرے سر پر مسافر نے اس زور سے صندوق رکھ دیا تھا کہ میرے سر میں درد ہونے لگا۔ اتنا حیدرآباد میرے لیے کافی ہو گیا تھا۔ اس شہر میں عجیب و غریب عمارتوں کے جنگل کو دیکھ کر مجھ پر وحشت طاری ہونے لگی۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ چار مینار کے اطراف عوام کو دیکھ کر کیوں گھبرا گیا؟

2۔ جہانگیر علی سلطان محمد قلی قطب شاہ کا پارٹنر کیوں بننا چاہتا تھا؟

3۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ شہر کو'' عجیب و غریب عمارتوں کا جنگل'' کیوں کہا؟

IV

میں نے جہانگیر علی سے کہا کہ وہ اب مجھے گولکنڈہ لے چلے تا کہ جانے سے پہلے اپنے قلعہ کا دیدار کرسکوں۔'' جہانگیر علی بولا'' سرکار! جانے سے پہلے رویندر بھارتی تھیٹر ضرور چلیئے'' میں نے پوچھا'' یہ کیا ہے؟'' بولا'' یہ اس شہر کی ایسی جگہ ہے جہاں تہذیبی

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

پروگراموں کے ذریعہ طوفان بدتمیزی مچایا جاتا ہے۔آج یہاں ایک مشاعرہ ہورہا ہے۔آپ تو خود شاعر رہ چکے ہیں۔آپ بھی چلئے۔''
میں نے کہا''جہانگیر علی تمہیں شاید پتہ نہیں کہ ہم اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر رہ چکے ہیں اور اس شہر کے بانی بھی۔لہذا وہاں ایک عام شاعر کی طرح جانا ہمارے شاہانہ اور شاعرانہ مزاج کے خلاف ہوگا۔''جہانگیر علی بولا''سرکار یہاں کا عام شاعر بھی خاص شاعر ہی ہوتا ہے۔خاص خاص موقعوں پر عام شاعر کو بڑی مشکل سے تلاش کر کے بلایا جاتا ہے۔یہاں ایک شاعر دوسرے کے مصرعے تو ضرور اٹھاتے ہیں لیکن ساتھ ہی ایک دوسرے کی ٹانگیں بھی کھینچتے جاتے ہیں جس کی وجہ سے خود اکثر شاعر بے وزن ہوجاتے ہیں۔''میں نے کہا''تو پھر میں اس مشاعرہ میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے چلنا پسند کرونگا۔''وہ بولا''حضور! آپ تو ماشاءاللہ پڑھے لکھے آدمی ہیں۔مہمان خصوصی کس طرح بن سکتے ہیں۔یوں بھی اس شہر میں دو چار ہی افراد ایسے ہیں جن کو چھوڑ کر باقی کسی اور کا مہمان خصوصی بننا قانوناً ممنوع ہے۔یہاں مہمان خصوصی بننے کا اعزاز ٹھیکے پر اٹھایا جاتا ہے۔جس طرح ہر علاقے کا مجسٹریٹ الگ ہوتا ہے اسی طرح یہاں ہر علاقہ کا مہمان خصوصی بھی الگ ہوتا ہے۔''میں اس سے کہا''میاں! اب تم مجھے یہاں سے فوراً گولکنڈہ لے چلو۔میرا سر چکرا رہا ہے۔''
جہانگیر علی اس بات کے لیے بادل ناخواستہ راضی ہوگیا۔ورنہ وہ مشاعرہ میں شرکت پر مصر تھا۔میں نے پوچھا''تم مشاعروں کے بڑے شوقین معلوم ہوتے ہو؟''بولا''جی ہاں! مشاعروں میں ہوٹنگ کرنے پر بڑا مزہ آتا ہے۔''میں نے پوچھا''یہ ہوٹنگ کیا چیز ہوتی ہے؟''بولا''شاعری سے کہیں زیادہ بے ساختہ بامعنی اور منفرد چیز ہوتی ہے۔اسی لیئے تو کچھ لوگ اب شاعری کو چھوڑ کر ہوٹنگ میں طبع آزمائی کرنے لگے ہیں۔''جہانگر علی کا آٹو رکشا جب گولکنڈہ کی طرف چل پڑا تو مجھ پر وحشت کا دورہ سا پڑنے لگا کہیں میں دوبارہ مر نہ جاؤں۔یوں بھی میں اس دنیا میں اپنے دو دو مقبرے نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔تاریخ دانوں کے لیے خواہ مخواہ مشکلات پیدا کرنے کا کیا فائدہ۔آدمی جب تک زندہ رہتا ہے اپنے رہنے کے لیے کئی مکانات بنواسکتا ہے لیکن مرنے کے بعد مقبرہ تو ایک ہی بنتا ہے۔گولکنڈہ کا قلعہ آیا تو پہلے میں بہت خوش ہوا لیکن جب اندر داخل ہوا تو اس کی ویرانی کو دیکھ کر میرا رواں رواں لرز اٹھا۔جہانگیر علی نے میری پریشانی کو کسی اور بات پر محمول کیا اور کرایہ کا مطالبہ کرنے لگا۔میں نے اس سے کہا کہ وہ آٹو رکشا کو چھوڑ کر میرے ساتھ بالا حصار تک چلے۔یوں بھی میرے پاس کرایہ ادا کرنے کے لیے پیسے نہیں تھے۔لیکن بالا حصار پر پہنچ کر میں نے جہانگیر علی سے ایک محراب کی طرف اشارہ کیا وہ اس محراب کے اوپر والے پتھر کو ہٹائے۔پتھر کا ہٹنا تھا کہ اس میں سے اشرفیوں کی ایک تھیلی نکل آئی۔میری حکومت کے زمانہ میں چونکہ بینکوں وغیرہ کا انتظام نہیں تھا اس لیے بادشاہ اور امراء ایسے ہی لاکروں میں اپنے خزانہ کو محفوظ رکھتے تھے۔جب جہانگیر علی کو یقین ہوگیا کہ میں سچ مچ کا قلی قطب شاہ ہوں تو وہ میرے قدموں پر گر پڑا۔کہنے لگا''عالم پناہ! میں اپنی گستاخی کے لیے معافی کا طلب گار ہوں۔اب آپ میرے ساتھ شہر میں واپس چلئے۔نہ تو میٹر سے کرایہ لوں گا نہ ویٹنگ چارج کروں گا۔چار مینار کو گولی ماریئے۔میری جھونپڑی آپ کے لیے حاضر ہے۔''میں نے کہا''جہانگیر علی میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔لیکن اب بالا حصار تک آ گیا ہوں۔اتنی بلندی سے پھر اس شہر کی پستی کی طرف نہیں جانا چاہتا۔اور یوں بھی بالا حصار سے اوپر کی دنیا بہت قریب ہے۔خدا حافظ۔''

جہانگیر علی نے کہا ''ظل الٰہی! آپ کی دعا میں بڑی تاثیر ہے۔ جاتے جاتے ہم حیدرآبادیوں کے لیے کوئی نئی دعا تو کرتے جایئے۔''
میں نے کہا ''جہانگیر علی! میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس شہر میں رہنے والوں کے اندر صبر جمیل کا مادہ پیدا کرے کیونکہ اس چیز کے بغیر اب اس شہر کے باسیوں کا زندہ رہنا مشکل نظر آرہا ہے۔'' پھر بڑی دیر تک خاصی دور تک بیچارے جہانگیر علی کی آواز میرے کانوں میں آتی رہی' آمین ثم آمین۔ آمین ثم آمین۔''

سوچیے۔ بولیے

1۔ صاحب دیوان شاعر سے کیا مراد ہے؟
2۔ جہانگیر علی کے مطابق سلطان محمد قلی قطب شاہ مشاعرہ کا مہمان خصوصی نہیں بن سکتا تھا۔ کیوں؟
3۔ جہانگیر علی نے ایسا کیوں کہا کہ '' کچھ لوگ اب شاعری کو چھوڑ کر ہوٹنگ میں طبع آزمائی کرنے لگے ہیں؟
4۔ قلعہ گولکنڈہ کو دیکھ کر سلطان محمد قلی قطب شاہ کا رواں رواں کیوں لرز اُٹھا؟
5۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ نے جہانگیر علی کے جذبات کی قدر کیوں کی؟

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) سلطان محمد قلی قطب شاہ حیدرآباد کے چار سو سالہ جشن میں کیوں شریک ہونا چاہتا تھا؟

(ب) مصنف نے اس سبق میں حیدرآباد کی تہذیب کو کس طرح بیان کیا؟

(ج) جہانگیر علی سلطان محمد قلی قطب شاہ کی شخصیت سے کب اور کیسے واقف ہوا؟

(د) مجتبیٰ حسین کی مضمون نگاری کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

(ھ) جہانگیر علی سلطان محمد قلی قطب شاہ سے ویٹنگ چارج وصول کرنا چاہا۔اس بات کی تائید یا مخالفت کرتے ہوئے اپنے خیالات کا اظہار کیجیے۔

(و) ذیل کے پیراگراف کو پڑھ کر سوالوں کے جواب دیجیے۔

مرزا بودم بیگ سارے محلّہ میں ''چچا گھوم پھر'' کے نام سے مشہور تھے۔ان کا یہ لقب ان کی یہ خصوصیت کی طرف اشارہ کرتا تھا کہ وہ ہر بات کو اتنا گھما پھرا کر کہتے تھے کہ سننے والوں کا سر چکرا جاتا۔وہ زیادہ سے زیادہ الفاظ میں ہم سے ہم مطلب بیان کرتے اکثر بیان ہی نہ کرتے آدمی خلیق تھے۔بات تو سیدھے منہ کرتے لیکن کبھی سیدھی بات نہ کرتے مثلاً اگر کسی شامت کے مارے نے پوچھ لیا کہ آج کونسا دن ہے؟ تو وہ یوں جواب دیتے ''دیکھئے پرسوں اتوار تھا اب پرسوں سے سات دن بعد پھر اتوار آئے گا۔اس حساب سے دو دن بعد جمعرات ہوگی۔کل پیر تھا اس وجہ سے آج تو منگل ہونا چاہیے۔لیکن بہتر یہی ہے کہ آپ کوئی جنتری دیکھ لیں۔اس کے بعد اگر سوال پوچھنے والا بھاگ نہ کھڑا ہوتا یا چکرا کر گر نہ پڑتا تو کیا کرتا۔

چچا گھوم پھر کی گفتگو کے وقت کچھ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے وہ اپنے الفاظ کی لاٹھی بے تحاشہ چلاتے ہوئے اپنے مطلب کا پیچھا کر رہے ہوں مطلب کسی گدھے کی طرح ادھر ادھر بھاگ رہا ہو۔لوگ ''چچا گھوم پھر'' سے بات کرتے گھبراتے۔آخر میں تو یہ نوبت آ گئی تھی کہ دور سے ان کی صورت دیکھتے ہی وہ ادھر ادھر ہو جاتے یا اپنے گھروں میں گھس کر دروازے بند کر لیتے تھے۔

1۔ مرزا بودم بیگ چچا گھوم پھر کے نام سے کیوں مشہور تھے؟

2۔ چچا گھوم پھر کو خلیق کیوں کہا گیا؟

3۔ چچا گھوم پھر سے بات کرنے والوں کی کیا حالت ہوتی تھی؟

4۔ چچا گھوم پھر کی گفتگو کیسی ہوتی تھی؟

5۔ اس پیراگراف کے لیے مناسب عنوان تجویز کیجیے۔

6۔ اس مضمون سے ہمیں کیا سبق ملتا ہے؟

II. اظہار مافی الضمیر۔تخلیقی صلاحیت کا اظہار

الف۔ حسب ذیل سوالوں کے جواب لکھئے۔

1۔ سبق پڑھ کر سلطان محمد قلی قطب شاہ اور جہانگیر علی کے درمیان ہوئی گفتگو کو سوال و جواب کی شکل میں لکھئے۔

2۔ جہانگیر علی نے آج کل کے شعراء کی کیا خصوصیات بیان کیں؟

3۔ شہر حیدرآباد کا چار سو سالہ جشن کیوں منایا گیا۔اور سلطان محمد قلی قطب شاہ اس جشن میں کیوں شریک ہونا چاہتا تھا؟

4۔ سبق میں موجود ''واوین'' میں دئے گئے جملوں کی شناخت کیجیے،انہیں علاحدہ کر کے لکھئے۔

5۔ سبق میں موجود انگریزی الفاظ تلاش کرتے ہوئے معنی لکھئے۔

6۔ جہانگیر علی نے قلی قطب شاہ کو جہاں پناہ' عالم پناہ اور ظل الٰہی کہہ کر مخاطب کیا۔ان الفاظ کے معنی کیا ہے اور یہ کن موقعوں پر استعمال کئے جاتے ہیں؟

7۔ جہانگیر علی نے سلطان محمد قلی قطب شاہ کو شہر حیدرآباد کے کون کونسے نظارے بتائے۔

ب۔ ذیل کے سوالوں کے جواب مفصل طور پر لکھیے۔

1۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ کو اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر کیوں کہا جاتا ہے؟

2۔ سلطان محمد قلی قطب شاہ قلعہ گولکنڈہ کا دیدار کیوں کرنا چاہتا تھا؟ اور جب وہ قلعہ کے اندر پہنچا تو پریشان کیوں ہوا؟

3۔ اکثر و بیشتر لوگ سیر و تفریح کے لیے قلعہ گولکنڈہ آتے ہیں۔اگر آپ بھی سیر و تفریح کے لیے کسی مقام پر گئے ہو تو اس کے بارے میں لکھئے۔

ج۔ تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے۔

1۔ اگر سلطان محمد قلی قطب شاہ کی ملاقات آپ سے ہوتی تو آپ ان سے کیا گفتگو کرتے۔لکھئے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

2۔ شہرحیدرآباد کے بانی محمد قلی قطب شاہ کی شخصیت کی تعریف کرتے ہوئے ایک مضمون لکھئے اپنے کمرہ جماعت میں سنائیے۔

3۔ آپ کے پسندیدہ عنوان پر مختصر سا مزاحیہ مضمون لکھئے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

دیئے گئے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے مترادف اسی جملے میں دیے گئے ہیں انہیں تلاش کیجیے اور خط کشید کرتے ہوئے ان سے مزید جملے بنائیے۔

☆ جنگل میں شیر نظر آتے ہی حامد پر وحشت طاری ہوگئی' گھبراہٹ کے عالم میں وہ بھاگنے لگا۔

☆ صدر مدرس نے اپنی تقریر میں ہمیں زرین مشوروں سے نوازا۔ یہ بیش قیمت باتیں ہمارے لیے کارآمد ہیں۔

☆ گاڑی چلاتے وقت سیل فون پر بات کرنا ممنوع ہے۔ خلاف قانون عمل کرنے پر سزا ہوتی ہے۔

☆ آج کل ہر کوئی شاہانہ ٹھاٹ سے زندگی گزارنا چاہتا ہے۔ جبکہ اس طرح کی پرتعیش زندگی گزارنا اسراف میں داخل ہے۔

☆ بچوں کی باتوں کو نادانی پر محمول کیا جاتا ہے۔ حالانکہ ایسا گمان کرنا غلط بھی ہوسکتا ہے۔

قواعد

حروف شمسی

ت ث د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ل ن

جب کسی لفظ پر "الف لام" لگایا جائے اور وہ الف لام نہیں پڑھا جائے تو حروف شمسی کہلاتا ہے۔

جیسے عبدالصمد۔ اس کا تلفظ اس طرح ادا کیا جائیگا "عَبْدُ صّ صَمَدْ۔" "ا" اور "ل" کی آواز ساکت ہوگی۔

حروف قمری

ا ب ج ح خ ع غ ف ق ک م و ہ ی

جب کسی لفظ پر الف لام لگایا جائے اور وہ "الف لام" پڑھا جائے تو حروف قمری کہلاتے ہیں۔

جیسے "عَبْدُ الْجَلِیل۔" اس کا تلفظ اس طرح ادا کیا جاتا ہے۔ "عَبْدُ لْ جَلِیْل۔"

مشق: ان الفاظ میں حروف شمسی اور حروف قمری کی نشاندہی کیجیے۔

دبیر الملک	صلوۃ التسبیح
لیلۃ القدر	یوم الجمعہ
فضل الرحمٰن	معین الدین
ملک الشعراء	لیلۃ البراۃ
المکۃ المکرّمہ	المدینہ الطیبہ

مشق: ان الفاظ پر غور کیجیے۔

☆ قلم ، کتاب ، استاد ، دوات ، حیدرآباد۔

یہ تمام الفاظ مفرد ہیں جو بذات خود اپنے معنی دیتے ہیں۔

اس لیے ان کو ''مفرد لفظ'' کہا جاتا ہے۔

ان الفاظ پر غور کیجیے۔

☆ خوش فہمی ، دردمند، پیغام حق، عالی شان، شب و روز، خط پتر، کبھی کبھی

اوپر کے تمام الفاظ دو لفظوں سے مرکب ہیں۔ اور دونوں الفاظ ملکر ایک ہی معنی دے رہے ہیں۔ اس لیے مرکب لفظ کہا جاتا ہے۔ ہر ایک کی صورتیں الگ الگ ہے۔

☆ خوش فہمی

خوش اخلاقی

ان دونوں مرکب لفظوں میں ''فہمی'' اور ''اخلاق'' سے پہلے ''خوش'' کو جوڑ کر ایک بامعنی مرکب لفظ بنایا گیا ہے۔

کسی لفظ کے شروع میں جُز جڑ کر ایک خاص معنی پیدا کرنے والے جُز کو سابقہ کہا جاتا ہے۔

مشق: دیئے گئے تمام جز سے جوڑ کر پانچ پانچ الفاظ بنایئے۔

عموماً یہ تمام سابقہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

ہم۔ عالی۔ لا۔ بے۔ دل۔ بیش۔ پیش۔ کم۔ با۔ نا۔ زیر۔ صاحب۔ اہل۔ ذی۔ غیر۔ نو۔ یک

☆ دردمند

عقل مند

ان دونوں مرکب لفظوں میں ''عقل'' اور ''درد'' کے بعد ''مند'' کو جوڑ کر ایک بامعنی لفظ بنایا گیا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کسی لفظ کے بعد میں لفظ سے جُڑ کر ایک خاص معنی پیدا کرنے والے جُز کو ''لاحقہ'' کہا جاتا ہے۔

مشق: دیئے گئے تمام الفاظ کو آخری میں جوڑ کر ہر ایک کے پانچ پانچ مرکب الفاظ لکھئے۔

عموماً یہی الفاظ لاحقہ کے طور پر استعمال ہوتے ہیں۔

ناک۔فروش۔دار۔گاہ۔نما۔نگار۔نویسی۔خواہ۔افزاء۔ساز۔گار۔نواز

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

☆ مجتبیٰ حسین، یوسف ناظم، خواجہ حسن نظامی کے مزاحیہ مضامین کتب خانے/ اخبارات/ استاد سے حاصل کرتے ہوئے کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنایئے۔

☆ کمرۂ جماعت میں تمثیلی مشاعرہ منعقد کیجیے۔

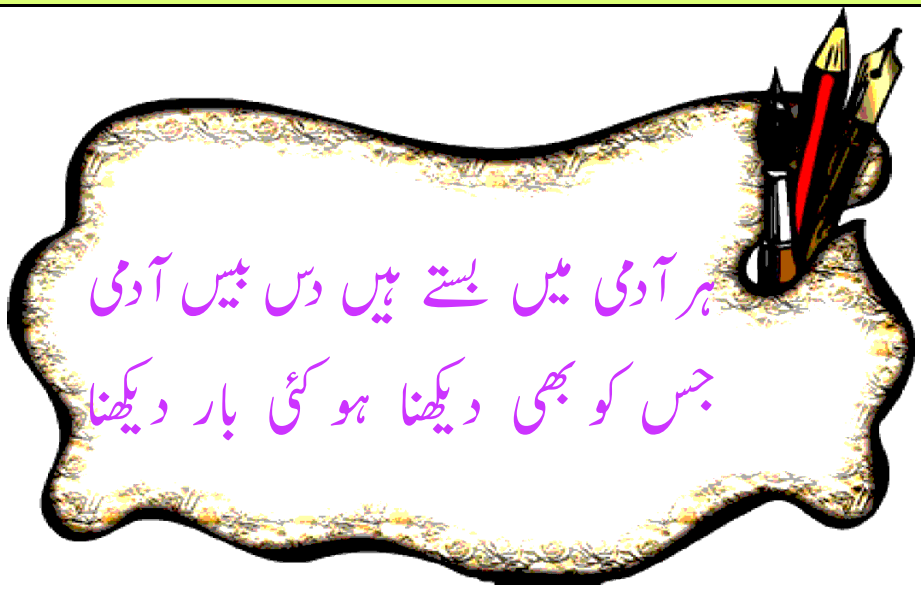

5

البیلی صبح

جوشؔ ملیح آبادی

پڑھیے سوچیے اور بولیے

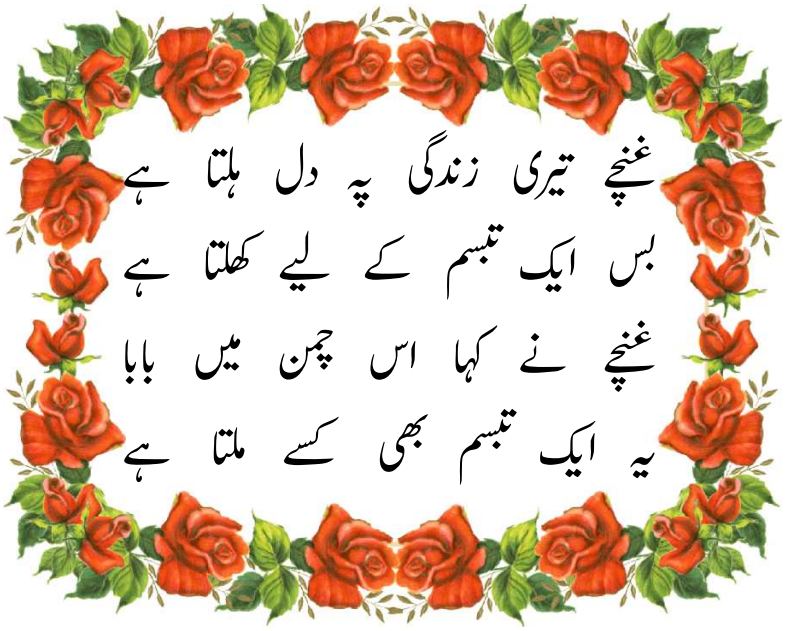

سوالات:

1۔ غنچے کی زندگی پہ دل کیوں دہلتا ہے؟

2۔ بس ایک تبسم کا مفہوم کیا ہے؟

3۔ تبسم سے کیا مراد ہے؟

مقصد:

شاعر نے اس نظم میں صبح کے منظر کشی کی ہے۔اس کا انداز بڑا ہی دلفریب ہے اس کے پڑھنے سے طلبہ میں خوبصورت الفاظ کا استعمال، پیکر تراشی، جمالیاتی احساس کے فروغ کے علاوہ ان میں تخلیقی صلاحیتوں کا اضافہ ہوگا۔اس نظم کے ذریعہ طلبہ میں لطیف احساسات، جذبات کے اظہار کے نئے زاویئے بنیں گے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

اس نظم کا انتخاب جوش کے مجموعہ کلام ''شعلہ وشبنم'' سے کیا گیا ہے۔

صنف کی تعریف

پابند نظم: ایسی نظم جس میں بحر کے استعمال اور قافیوں کی ترتیب میں مقررہ اُصولوں کی پابندی کی گئی ہو۔ پابند نظم کہلاتی ہے۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

شاعر کا تعارف

شبیر حسن خاں جوشؔ کی پیدائش 5/ڈسمبر 1894 ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔ انہوں نے لکھنؤ، سیاپور، آگرہ اور علی گڑھ کے اسکولوں میں سینئیر کیمبرج تک تعلیم حاصل کی۔ 1924ء میں وہ حیدرآباد آئے۔ یہاں وہ عثمانیہ یونیورسٹی کے دارالترجمہ میں ناظر ادبی کی حیثیت سے ملازم ہوگئے۔ 1934ء میں حیدرآباد چھوڑ کر دہلی آگئے۔ یہاں انہوں نے اپنے کئی شعری مجموعے شائع کیے اور ایک رسالہ ''کلیم'' بھی جاری کیا۔ آزادی کے بعد وہ حکومت ہند کے رسالہ ''آج کل'' کے ایڈیٹر ہوگئے۔ حکومت ہند نے انہیں پدم شری کا اعزاز عطا کیا۔ 1956ء میں پاکستان چلے گئے اور وہیں ان کا انتقال 22/فروری 1982 کو ہوا۔

اُن کے کم وبیش ایک درجن مجموعے منظر عام پر آئے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں۔ ''نقش ونگار'' ''شعلہ وشبنم'' ''حرف و حکایت'' ''جنون وحکمت'' ''آیات ونغمات'' اور ''سنبل وسلاسل''۔ ان کی خودنوشت سوانح ''یادوں کی برات'' کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔

جوش نے غزلیں بھی کہیں اور رُباعیاں بھی، لیکن بنیادی طور پر وہ نظم کے شاعر ہیں۔ ابتدائی نظموں میں وہ ایک جذباتی، رنگین مزاج اور حسن پرست نوجوان نظر آتے ہیں۔ تحریک آزادی کی فضاء میں حُب وطن اور سیاسی مسائل ان کی نظموں کے موضوع بننے لگے۔ ان موضوعات پر انہوں نے بڑی پُر جوش اور ولولہ انگیز نظمیں لکھیں اور شاعر انقلاب بن گئے۔ ان کے بعض نظمیں باغیانہ خیالات کی وجہ سے برطانوی حکومت نے ضبط کرلیں۔ الفاظ کے استعمال پر انہیں بہت قدرت حاصل تھی۔

کہا جاتا ہے کہ جوش نے اس نظم سے پہلے ایک شعر لکھا تھا۔

ہم ایسے اہل نظر کی ثبوت حق کیلئے
رسول نہ آتے تو صبح کافی تھی

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

کائنات قدرت کے بے شمار نظاروں سے بھری پڑی ہے جو انسانوں کے لیے سیر و تفریح، عبرت و نصیحت کے کئی پہلو اپنے اندر رکھتی ہے۔ صبح و شام کے مناظر، طلوع و غروب آفتاب کے مناظر بہار و خزاں کے موسم ان کی مثالیں ہیں۔ کئی شعراء نے قدرت کے ان حسین مناظر کو الفاظ کے پیکر میں اس طرح ڈھالا ہے کہ وہ منظر جوں کا توں آنکھوں کے سامنے محسوس ہونے لگتا ہے۔ اردو کے مشہور شاعر جوش نے بھی صبح کے منظر کی عکاسی اپنی نظم ا''لبیلی صبح'' میں بڑی خوبصورتی سے کی ہے۔ آیئے اس نظم کا مطالعہ کر کے صبح کے منظر کی رنگینیوں اور ساتھ ہی ساتھ جوش کے انداز بیاں کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

البیلی صبح

نظر جھکائے عروسِ فطرت جبیں سے زلفیں ہٹا رہی ہے
سحر کا تارہ ہے زلزلے میں اُفق کی لو تھرا رہی ہے
رواں رواں نغمۂ طرب ہے چمن چمن جشنِ رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارۂ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے
طیور بزم سحر کے مطرب، لچکتی شاخوں پہ گا رہے ہیں
نسیم فردوس کی سہیلی گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے

سوچیے۔ بولیے

سوال 1۔ شاعر نے نظم کو البیلی صبح کا عنوان کیوں دیا ہے؟

سوال 2۔ ''سحر کا تارہ ہے زلزلے میں'' کی وضاحت کیجیے؟

سوال 3۔ ''ستارہ صبح کی رسیلی جھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے''۔ شاعر نے فسانوں کو کس حیثیت میں استعمال کیا ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کلی پہ بیلے کی، کس ادا سے، پڑا ہے شبنم کا ایک موتی
نہیں، یہ ہیرے کی کیل پہنے کوئی پری مسکرارہی ہے
شلوکا پہنے ہوئے گلابی ہر اک سبک پنکھڑی چمن میں
رنگی ہوئی سرخ اوڑھنی کا ہوا میں پلّو سکھارہی ہے
فلک پہ اس طرح چھپ رہے ہیں ہلال کے گرد و پیش تارے
کہ جیسے کوئی نئی نویلی جبیں سے افشاں چھڑارہی ہے

سوچیے ۔ بولیے

سوال 1۔ شاعر نے ہیرے کی کیل کس کو کہا ہے اور کیوں؟

سوال 2۔ شاعر نے پھول کے پنکھڑیوں کی تعریف کس طرح کی ہے؟

سوال 3۔ آخری شعر میں شاعر نے قدرتی مناظر کی عکاسی کس طرح کی ہے؟

سوال 4۔ شاعر نے تاروں کو کس سے تشبیہ دی ہے؟

خلاصہ

قدرت نے کائنات کو پھولوں، پرندوں، جھیل جھرنوں، چاند ستاروں سے جس طرح سجایا ہے اُسی طرح شاعر نے بھی اپنی نظم البیلی صبح کو بھی خوبصورت الفاظ، تراکیب، تکرار لفظی محاوروں علامتوں اور پیکر تراشیوں کے ذریعہ کچھ اس انداز میں سجایا ہے کہ البیلی صبح کا ایک جیتا جاگتا منظر ہماری نظروں کے سامنے جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ دراصل شاعری جذبات، احساسات و تجربات کے خوبصورت اظہار کا نام ہے۔ اور یہ نظم اس کی منہ بولتی تصویر ہے

شاعر کے مطابق ابھی صبح ہونے کو ہے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے عروس فطرت یعنی کائنات دلہن کی طرح سجی دھجی اپنا چہرہ دکھلانے کے لیے اپنے چہرہ سے زلفیں ہٹا رہی ہے یعنی صبح کا ملگجی اُجالا نمودار ہونے والا ہے تو ایسے خوبصورت دل موہ لینے والے منظر کو دیکھ کر سحر کا تارہ زلزلے کی کیفیت میں آ گیا ہے۔ اور اُفق یعنی آسمان پر پھیلے رنگ تھرتھرانے لگے ہیں یہ منظر رات کے کٹنے اور دن کے اُجلنے کے درمیان گھڑی دو گھڑی رہتا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

شاعر آگے لکھتا ہے کہ کائنات گویا ڈولتی ہوئی گانے لگی ہے اور پھولوں سے لدے چمن اپنے رنگوں اور خوشبوؤں کا جشن منانے لگے ہیں تو اُدھر درخت کی شاخوں پر پرندے اِدھر کلیاں گنگنانے لگی ہیں اور صبح کی رسیلی آنکھیں اور سورج کی نشیلی نگاہوں کی تراکیب کا جواب نہیں کہ شاعر نے ان کے ذریعہ جو کیفیت پیدا کی ہے اس سے وقت صبح گاہی سمجھ میں آنے لگتا ہے رنگ برنگی لچکتی شاخوں پر گانے لگی ہیں اور ٹھنڈی ہوائیں انہیں جھولا جھلا رہی ہیں۔ اور بیلے کی کلی پر شبنم کو بوند پڑی ہے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی پَری نے اپنی ناک میں ہیرے کی کیل پہن رکھی ہے۔ چمن کے سارے پھولوں کا رنگ گلابی ہے تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے سارے پھولوں نے گلابی شلوکے پہن رکھے ہیں تو گویا لگتا ہے کسی نے سُرخ رنگ کی اُوڑھنی سکھانے کے لیے یہاں سے وہاں تک پھیلا رکھی ہے۔ اور اب صبح کروٹ بدلنے لگی ہے تو آسمان پر جھملاتے تارے جو رات بھر چاند کے ساتھ چمکتے رہے آہستہ آہستہ ڈوبنے لگے ہیں تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی نئی نویلی دلہن اپنے ماتھے سے افشاں چھڑا رہی ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔ اظہار خیال کرنا

(الف) اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

1۔ اس نظم کے کونسے اشعار آپ کو بہت پسند آئے؟ کیوں؟

2۔ شاعر نے اس نظم میں فطرت کی عکاسی کس طرح کی ہے؟

3۔ نظم الیلی صبح کی خصوصیت کیا ہے؟

(ب) حسب ذیل عبارتوں کا تعلق کن اشعار سے ہے نشاندہی کیجیے اور لکھیے۔

1۔ صبح کے خوبصورت منظر کو دیکھ کر سحر کا تارہ زلزلے کی کیفیت میں آ گیا۔ آسمان پر پھیلے رنگ تھرتھرانے لگے ہیں۔

2۔ بیلے کی کلی پر شبنم کی بوند کے پڑنے سے ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کسی پری نے اپنی ناک میں کیل پہن رکھی ہے۔

3۔ اب صبح کروٹ بدلنے لگی ہے تو آسمان پر جھلملاتے تارے جو رات بھر چاند کے ساتھ چمکتے ہوئے آہستہ آہستہ ڈوبنے لگے ہیں۔ تو ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے کوئی نئی نویلی دلہن افشاں چھڑا رہی ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ج) ذیل کے اشعار پڑھ کر دیئے گئے سوالات کے جواب دیجئے۔

دیکھ کر وہ عارضِ رنگین ہے یوں دل باغ باغ
جیسے ہوں نظارہ گل سے عنادل باغ باغ

صورت غنچہ کھلی جاتی ہیں باچھیں کس قدر
کیا خوشی ہے ' کس کو مارا' کیوں ہے قاتل باغ باغ

کیا کہوں اے ہم نشیں اس بزم رنگین کی بہار
زیب محفل تھا وہ گل رو اہل محفل باغ باغ

سوالات:

1۔ بلبلیں کیوں خوش تھیں؟
2۔ پہلے شعر میں شاعر نے کس سے کس کو تشبیہ دی ہے
3۔ ''صورت غنچہ کھلی جاتی ہے ہیں باچھیں'' کیا مفہوم ہے؟
4۔ قاتل کون ہے؟
5۔ محفل کی زینت کون تھا؟

II. اظہار مافی الضمیر ۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے مختصر جواب دیجئے۔

1۔ جوش ملیح آبادی کے کلام کی کیا خصوصیات ہیں بیان کیجئے؟
2۔ ان کے چند مجموعہ کلام کے نام لکھئے؟
3۔ ''نسیم فردوس کی سہیلی گلوں کو جھولا جھلا رہی ہے'' اس مصرعہ میں شاعر کیا بتانا چاہتا ہے؟
4۔ ''طیور بزم سحر کے اضطراب'' کا مطلب سمجھایئے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ب) طویل جوابی سوالات:

1۔ نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

2۔ حسب ذیل اشعار کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھئے۔

روش روش نغمہ طرب ہے چمن چمن جشن رنگ و بو ہے
طیور شاخوں پہ ہیں غزل خواں کلی کلی گنگنا رہی ہے
ستارۂ صبح کی رسیلی چھپکتی آنکھوں میں ہیں فسانے
نگار مہتاب کی نشیلی نگاہ جادو جگا رہی ہے

(ج) تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے۔

1۔ سردیوں میں شام کا منظر کیسا ہوتا ہے۔اپنے الفاظ میں لکھیے۔

2۔ ''شام کے منظر'' کی تصویر اُتاریئے اور رنگ بھریئے۔

3۔ ''عالمی یوم ماحولیات'' جو 5 / جون کو منایا جاتا ہے۔اگر اس موقع پر آپ کو تقریر کرنی پڑے تو آپ اپنی تقریر میں کیا کہیں گے؟

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) نظم سے مرکب الفاظ چن کر لکھئے۔

مثال : عروس فطرت

_____ _____ _____

_____ _____ _____

_____ _____ _____

(ب) ذیل کے جملوں میں سے خط کشیدہ الفاظ کے مترادف موجود ہیں ان مترادفات کے استعمال سے جملہ بنایئے۔

☆ صبح دم پرندوں کے طرب انگیزی روح کے بام و در کھول دیتی ہے (طرب)

☆ رمضان کے مہینے میں ہلال عید کا بے صبری سے انتظار رہتا ہے (ہلال)

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

☆ ہمالہ کی فلک بوس چوٹیاں ہمیں قدرت خداوندی کی یاد دلاتی ہیں (فلک)

☆ جبین حق، ناحق کے آگے کبھی نہیں جھکتی (جبین)

☆ بارش کے موسم میں بادلوں کی سبک روی دیکھنے لائق ہوتی ہے (سبک)

(ج) ذیل کے الفاظ کو موزوں خالی جگہوں میں پُر کیجئے۔

طیور ۔ شلوکا ۔ اُفق ۔ مہتاب

1۔ شام کے وقت _____ پر سورج ڈوب رہا ہے۔

2۔ لڑکا کیا ہے چندے آفتاب چندے _____۔

3۔ میں نے عید کے لیے نیا _____ اور شلوار خریدا ہے۔

4۔ شام کے وقت _____ اپنے گھونسلوں کو واپس آتے ہیں۔

(د) شاعر نے نظم میں کس سے کس کو تشبیہ دی ہے

شبنم _____ کو _____ کیل سے

_____ کو _____ سے

_____ کو _____ سے

_____ کو _____ سے

قواعد

☆ ذیل میں چند اہم اشعار کی تقطیع نمونہ کے طور پر دی جارہی ہے اور اس کا وزن بتایا جارہا ہے۔

بحر متقارب

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

مرادیں غریبوں کی برلانے والا

وہ نبیوں	م رحمت	لقب پا	نے والا
فعولن	فعولن	فعولن	فعولن
مرادیں	غریبوں	کی برلا	نے والا
فعولن	فعولن	فعولن	فعولن

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

بحر متقارب

بنا کر فقیروں کا ہم بھیس غالب
تماشائے اہل کرم دیکھتے ہیں

بنا کر	فقیروں	کہ ہم بھیے	س غالب
فعولن	فعولن	فعولن	فعولن
تماشا	ئے اہل ے	کرم دے	کھتے ہیں
فعولن	فعولن	فعولن	فعولن

متدارک

زندگی موتیوں کی ڈھلکتی لڑی
زندگی برگ گل کا بیاں دوستو

زندگی	موتیوں	کی ڈھلک	تی لڑی
فاعلن	فاعلن	فاعلن	فاعلن
زندگی	برگ گل	کا بیاں	دوستو
فاعلن	فاعلن	فاعلن	فاعلن

بحرھزج

نہ تھا کچھ تو خدا تھا' کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

نہ تھا کچھ تو	خدا تھا کچھ	نہ ہوتا تو	خدا ہوتا
مفاعلین	مفاعلین	مفاعلین	مفاعلین
ڈبویا مجھ	کو ہونے نے	نہ ہوتا میں	تو کیا ہوتا
مفاعلین	مفاعلین	مفاعلین	مفاعلین

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

بحر کامل

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں

کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبینِ نیاز میں

کبھی اے حقی	قت منتظر	نظر آ لبا	س مجاز میں
متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن
کہ ہزار وسج	دے تڑپ رہے	ہیں مری جبیں	ن نیاز میں
متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن	متفاعلن

منصوبہ کام

صبح کے وقت کی خوبصورتی کو بیان کرتے ہوئے مختلف شعرا نے نظمیں لکھی ہیں۔ان نظموں کو جمع کیجئے اور البیلی صبح سے تقابل کرتے ہوئے ان میں پائے جانیوالے فرق کو بیان کیجئے۔اور کمرہ جماعت میں مباحثہ کیجئے۔

قول

صبح کے وقت کا سونا رزق کو روکتا ہے۔(مفہوم حدیث)

6

وطن کی خدمت کے ڈھنگ

ڈاکٹر ذاکر حسین

پڑھئے، سوچیے اور جواب دیجیے۔

جنگ بدر کے قیدیوں کے تعلق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم سے مشورہ فرمایا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ رائے دی کہ ''ناخواندہ افراد سے فدیہ لیکر چھوڑ دیا جائے اور جو لوگ پڑھنا لکھنا جانتے ہیں ان سے فدیہ لینے کے بجائے ہماری قوم کے ناخواندہ افراد کی تعلیم پر مامور کردیا جائے''۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ بہت پسند آیا۔

(مفہوم حدیث)

سوالات:

1۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بات پر مشورہ فرمایا؟

2۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس مشورہ کو پسند فرمایا اور کیوں؟

3۔ مندرجہ بالا عبارت سے کس بات کی اہمیت اجاگر ہورہی ہے؟ اور کیوں؟

مقصد/مدعا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب نے فارغین کو وطن کی خدمت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ اس ملک کو تعلیم یافتہ افراد کی سخت ضرورت ہے، تعلیم یافتہ افراد قوم و ملت کے لیے اثاثہ ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ آپ تمام فارغین ملک و قوم کے لیے اپنے آپ کو وقف کردیں جس سے ملک ترقی کی راہ پر گامزن رہے گا۔ ہمارے ملک کی بڑائی ہماری خوبیوں اور صلاحیتوں کے بہتر استعمال پر منحصر ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

ذیل کا مضمون ڈاکٹر ذاکر حسین صاحب سابق صدر جمہوریہ کے تقریر کا حصہ ہے جو آپ نے کاشی ودیا پیٹھ کے جلسہ تقسیم اسناد میں کی تھی۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچئے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

مصنف کا تعارف

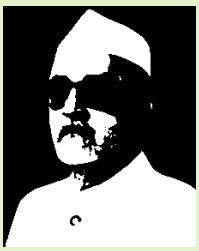

ڈاکٹر ذاکر حسین 1897ء محلّہ بیگم بازار حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی وطن قائم گنج تھا انکے والد وکالت کے سلسلہ میں حیدرآباد آئے اور یہیں کے ہوکر رہ گئے۔ ذاکر صاحب کی ابتدائی تعلیم حیدرآباد میں ہوئی۔ اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ سے میٹرک اور علی گڑھ سے بی۔اے اور ایم۔اے کیا۔ پھر وہیں لکچرر مقرر ہوئے۔ ترک موالات کی تحریک سے متاثر ہوکر علی گڑھ کو خیرآباد کہہ کر دلی چلے آئے۔ اور جامعہ ملیہ سے وابستہ ہوگئے۔ اعلیٰ تعلیم کے لیے جرمنی چلے گئے واپسی کے بعد پھر جامعہ ملیہ کے شیخ الجامعہ مقرر ہوئے۔ 1948 میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ 1957 میں بہار کے گورنر 1969 نائب صدر اور 1967 میں صدر جمہوریہ ہند کے جلیل القدر عہدے پر فائز ہوئے انہیں بھارت رتن کے اعلیٰ ترین قومی اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ 3/مئی 1969 کو خالق حقیقی سے جا ملے۔

ذاکر صاحب کو بچوں سے خاص لگاؤ تھا۔ انہوں نے بچوں کے لیے جو کہانیاں، ڈرامے اور مضامین لکھے ہیں ان میں انسانیت کے آداب سکھائے ہیں انکی کہانیاں ابوخاں کی بکری'' اور چودہ اور کہانیاں'' کے عنوان سے شائع ہوئیں۔ جن میں آزادی حب الوطنی انسانیت کا درد اور اردو تہذیب کی سحر کاری ہے۔ انسانی کردار اور جانوروں کے قصے بھی ہیں ان کی تحریروں میں انکی شخصیت جھلکتی نظر آتی ہے۔ ان کے اسلوب میں آرائش وزیبائش کا کہیں نام نہیں۔ حسن اور سادگی انکی تحریر کی خصوصیت ہے۔

ذاکر صاحب میں تحریر کے ساتھ ساتھ تقریر کی خداداد صلاحیت بدرجہ اتم موجود تھی صداقت اور خلوص کے ساتھ اثر انگیزی وسحر کاری ان کا طرہ امتیاز تھا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

''کاشی ودھیا پیٹھ کے متعلم ہوکر کبھی اپنے قوم کی راہوں میں رکاوٹ نہ بننا۔ جوشخص اپنی غرض کے لیے اتنا اندھا ہوجائے اپنے دیس اور قوم کو نقصان پہنچانے سے بھی نہ چوکے وہ آدمی نہیں جانور ہے اور قومی ملکیتوں کو برباد کرنے والا ڈاکو ہے۔ ہر ملک تمہاری ہمتوں کے امتحان' تمہاری قوتوں کے استعمال اور تمہاری محبت کی آزمائش کی جگہ ہے۔ ہمارے دیس کو ہماری گردنوں سے ابلتے خون کے دھارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمارے ماتھے کے پسینے کا بارہ ماسی بہنے والا دریا درکار ہے۔ ساری ہندی نوجوان اگر اپنی ساری زندگی اسی ایک دھن میں کاٹ دیں تب شاید یہ ناؤ پار لگے۔ کان کھول کر سنو ہندوستان کی بڑائی ہماری خوبیوں پر منحصر ہے۔'' اس طرح ڈاکٹر ذاکر حسین نے کاشی ودھیا پیٹھ سے فارغ التحصیل طلباء سے مخاطب ہوکر خطاب کیا۔ آیئے ہم اس سبق کے ذریعہ اس کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرینگے۔

I

عزیزو! تم علم کو اس شہر کاشی سے یہاں کے اس مشہور ودھیا پیٹھ میں اچھے اچھے اور لائق استادوں سے تعلیم پاکر اب دنیا میں قدم رکھتے ہو۔ مجھے معلوم نہیں کہ اس دنیا میں جو ودھیا پیٹھ سے بہت زیادہ سخت اور بے رحم جگہ ہے تم کیا کرنا چاہتے ہو ہوسکتا ہے کہ تمہارا حوصلہ ہو کہ تجارت اور کاروبار' بیوپار یا نوکری سے بہت سی دھن دولت کماؤ اور چین سے اپنی اور اپنے خاندان کی زندگی گزارنے کا سامان کرو اگر ایسا ہے تو خدا تمہارے ارادوں میں برکت دے۔ مگر مجھے تم سے کچھ بہت کہنا نہیں ہے تم اپنی کامیابی کے لیے خود راہیں تلاش کرلوگے۔ اگر ٹھیک راستے پر پڑے تو زیادہ تر اپنا فائدہ کروگے۔ اگر غلط راستہ پر پڑے تو سزا بھگتو گے۔ دوسروں کا کچھ بہت نقصان نہ ہوگا۔ لیکن چاہے تم دھن دولت کی فکر ہی میں لگ جاؤ تو کم سے کم کاشی ودھیا پیٹھ کے متعلم ہوکر کبھی اپنی قوم کی راہوں میں رکاوٹ نہ بننا۔ اپنی کامیابی کے لیے بہترے لوگ قوم کا نقصان کرنے سے بھی نہیں چوکتے۔ تم اس کا دھیان رکھنا کہ کامیابی کے لیے یہ ضروری نہیں کہ اپنے فرائض کو ترک کرکے اور اپنی خواہشوں کو پیروں تلے روند کر ہی اس تک پہنچا جائے۔ جوشخص اپنی غرض کے لیے اتنا اندھا ہوجائے اپنے دیس اور قوم کو نقصان پہنچانے سے بھی نہ چوکے وہ آدمی نہیں جانور ہے اور قومی ملکیتوں کو برباد کرنے والا پکا ڈاکو ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سوچیے اور بولیے

1۔ مصنف نے ودھیا پیٹھ کو سخت اور بے رحم جگہ کیوں کہا؟

2۔ جو شخص تعلیم یافتہ ہونے کے باوجود زندگی میں صرف کمانے پر اکتفا کرتے ہیں ڈاکر صاحب ان سے بات کرنے سے کیوں گریز کرنا چاہتے ہیں؟

3۔ کاشی ودھیا پیٹھ کا کیا پیغام ہے؟

4۔ مصنف نے کن افراد کو ڈاکو کہا ہے اور کیوں؟

II

ودھیا پیٹھ میں پڑھے ہوئے ہونے کی وجہ سے تم اپنی زندگی دیس کی سیوا میں لگانا چاہتے ہو تو مجھے تم سے بہت کچھ کہنا ہے۔

عزیزو! تم جس دیس میں یہاں سے نکل کر جا رہے ہو وہ بڑا بدنصیب ملک ہے وہ جاہلوں کا ملک ہے بے رحمیوں کا ملک ہے۔ بے انصافیوں کا ملک ہے۔ غافل پجاریوں کا ملک ہے۔ بھائی بھائی میں نفرت کا ملک ہے۔ بیماریوں کا ملک ہے۔ سستی موت کا ملک ہے۔ افلاس و ناداری کا ملک ہے۔۔۔ بھوک اور پیاس اور مصیبت کا ملک ہے غرض بڑا کمبخت ملک ہے لیکن کیا کیجئے تمہارا اور ہمارا ملک ہے۔ اسی میں جینا ہے اور اسی میں مرنا ہے۔ اس لیے یہ ملک تمہاری ہمتوں کے امتحان، تمہاری قوتوں کے استعمال اور تمہاری محبت کی آزمائش کی جگہ ہے۔

ممکن ہے کہ اپنے چاروں طرف اتنی تباہی۔ اتنی مصیبت اتنا ظلم دیکھ کر تم بے صبری میں چاہو کہ جیسے بہت سے نوجوان چاہنے لگتے ہیں اس میں بسنے والے سماج ہی کو ختم کر دو اور برباد کر ڈالو۔ اس لیے کہ اس میں سدھار کی کوئی صورت نہیں۔ تمہیں اختیار ہے مگر اپنے ایک بھائی کی رائے سن لینے میں کیا نقصان ہے۔ سو میرا خیال ہے کہ تباہی سے ہمارا کام کچھ سہل نہیں ہوگا۔ تباہی تو پہلے ہی سے کافی موجود ہے۔ قومی زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں پہلے سے تباہی کا دور دورہ نہیں ہے۔ لیکن ہماری بے شمار بیماریوں اور ان گنت مصیبتوں میں سے ایسی بہت کم ہیں کہ ہم یکا یک گرما کر تھوڑی سی دیر میں انہیں ختم کر ڈالیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں بگاڑنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ بنانا ہے۔ ہمارے دیس کو ہماری گردنوں سے ابلتے خون کے دھارے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ ہمارے ماتھے کے پسینے کا بارہ ماسی بہنے والا دریا درکار ہے۔ ضرورت ہے کام کی سچے خاموش کام کی! ہمارا مستقبل کسان کی ٹوٹی ہوئی جھونپڑی، کاری گر کی دھوئیں سے کالی چھت اور دیہاتی مدرسے کے پھوس کے چھپر تلے بن اور بگڑ سکتا ہے ان جگہوں کا کام صبر چاہتا ہے اور استقلال۔ اس میں تھکن بھی زیادہ ہے اور قدر بھی کم ہوتی ہے جلدی نتیجہ بھی نہیں نکلتا۔ وہاں کوئی دیر تک صبر کر سکے تو ضرور پھل میٹھا ملتا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سوچیے اور بولیے

1۔ ہمارے ملک کی بدنصیبی کی وجہ کیا ہے؟

2۔ بےصبری کی وجہ سے کونسے نقصانات اٹھانے پڑتے ہیں؟

3۔ ملک کی خدمت کس طریقہ کار سے کرنا بہتر ہے؟

III

عزیزو! اس نئے ہندوستان کے بنانے کے کام میں تم سے جہاں تک بن پڑے ہاتھ بٹانا۔ مگر یاد رہے اگر مزاج میں بے صبری ہے تو تم اس کام کو اچھی طرح نہیں کر سکتے۔ یہ بڑا دیر طلب کام ہے۔ اگر طبیعت میں جلد بازی ہے تو بھی تم کام بگاڑ دو گے کہ یہ بڑا پتہ مارنے کا کام ہے اگر چہ کہ تمہیں بہت سا کام کرنے کی عادت ہے اور اس کے بعد ڈھیلے پڑ جاتے ہو تو بھی شاید یہ کٹھن کام تم سے نہ بن پڑے گا۔ اس لیے کہ اس میں عرصہ تک ایک سی محنت اور توجہ درکار ہے۔ اگر نا کامی سے مایوس ہو جاتے ہو تو اس کام کو نہ چھونا کہ اس میں نا کامیاں ضروری ہیں۔ بہت نا کامیاں اور بار بار نا کامیاں۔ یہ کام وہی کر سکتا ہے جسے ہر نا کامی اور زیادہ محنت کرنے پر ابھارتی ہو۔ اس دیس کی سیوا میں قدم قدم پر خود دیس کے لوگ تمہاری مخالفت کریں گے۔ وہ لوگ مخالفت کریں گے جنہیں ہر تبدیلی سے نقصان ہوتا ہے۔ وہ جو اس وقت چین سے ہیں ڈرتے ہیں کہ شاید حالات بدلے تو وہ اس طرح دوسروں کی محنت کے پھلوں سے اپنی جھولیاں بھرنے نہ پائیں گے لیکن یاد رکھو یہ سب تھک جانے والے ہیں ان سب کا دم پھول جائیگا۔ تم تازہ دم ہو۔ جوان ہو تمہارے کام میں اگر شبہ اور بے اعتمادی ہوگی تو اس کام میں بڑی دشواریاں پیش آئیں گی۔ گندے ہاتھ اور میلے دل لے کر بھی تم اس کام کو انجام تک نہ پہنچا سکو گے کہ یہ مقدس اور پاک کام ہے نفرت اور بدگمانی بھی اس کام میں کچھ اچھے ساتھی ثابت نہ ہوں گے۔

مختصر یہ کہ تمہارے سامنے اپنے جوہر دکھانے کا عجیب و غریب موقع ہے۔ بڑی زبردست اخلاقی قوت کی ضرورت ہے جیسے معمار ہوں گے ویسی ہی عمارت ہوگی۔ کام چوں کہ بڑا ہے سارے ہندی نوجوان اگر اپنی ساری زندگی اسی ایک دھن میں کاٹ دیں تب شاید یہ ناؤ پار لگے۔ اس کے لیے اپنے آپ کو اچھا آدمی بنانا اور اپنے دل کو کینہ کپٹ سے خالی کرنا لازمی ہے قربانیوں کے لیے تیار رہنے کی ضرورت ہے اپنے ارادہ کو مضبوط کرنے اور اپنے نفس کی خواہشوں پر قابو پانے کی ضرورت ہے۔

عزیزو! کان کھول کر سنو ہندوستان کی بڑائی ہماری خوبیوں پر منحصر ہے۔

سوچیے اور بولیے

1۔ کسی بھی کام کے انجام دہی کے لیے کس چیز کا پایا جانا ضروری ہے؟

2۔ مسلسل نا کامیاں انسان کو کس بات پر ابھارتی ہیں؟

3۔ اس ملک کی ترقی کا انحصار کس بات پر ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

الف۔ذاتی فائدے کے لیے عام طور پر ہم سے کس قسم کی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں؟

ب۔ خواہشات کی تکمیل کے لیے پیروں تلے روندنے سے کیا مراد ہے؟

ج۔ گندے ہاتھ اور میلے دل لے کر بھی تم اس کام کو انجام تک نہ پہنچا سکو گے' یہ مقدس اور پاک کام ہے' سے کیا مراد ہے؟

د۔ ذیل کے جملوں کو سبق میں نشاندہی کیجئے اور ان کی وضاحت کیجئے۔

1۔ ہمارے دیس کو ہماری گردنوں سے ابلتے خون کے دھارے کی ضرورت نہیں ہے۔

2۔ یہ ملک تمہاری ہمتوں کے امتحان تمہاری قوتوں کے استعمال اور تمہاری محبت کی آزمائش کی جگہ ہے۔

3۔ ہندوستان کی بڑائی ہماری خوبیوں پر منحصر ہے۔

ھ۔ ذیل کے محاوروں کے مطلب بولیئے۔

1۔ پیروں تلے روندنا 2۔ صبر کا پھل میٹھا ہونا

3۔ ہاتھ بٹانا 4۔ تازہ دم ہونا

و) عبارت پڑھ کر دیئے گئے سوالوں کے جواب دیجئے۔

معاش ہر آدمی کی ایک لازمی ضرورت ہے ہر آدمی کو بہر حال اپنے لیے کمانا ہے یہ ایک ایسی ذمہ داری ہے جس سے کسی حال مفر نہیں مگر کمانا آدمی کی ضرورت ہے نہ کہ آدمی کا مقصد۔آدمی کو چاہیئے کہ کمانے کو صرف ضرورت کا درجہ دے اور جہاں تک زندگی کے مقاصد کا معاملہ ہے وہ اعلیٰ ترین اقدار کے حصول کو اپنا مقصد حیات بنائے۔

موجودہ معاشرہ میں یہ فرق بے حد مشکل ہو گیا ہے صنعتی انقلاب کے بعد پیدا ہونے والے حالات نے دنیا کو اتنا پر کشش بنا دیا ہے کہ لوگ اسی طرح ٹوٹ رہے ہیں جس طرح شمع کے اوپر ''پروانے''۔

کاش آج کے انسان کو یہ بتایا جا سکے کہ تمہاری اس روش کا انجام بھی یقینی طور پر وہی ہے جو شمع پر ٹوٹنے والے پروانے کا ہوتا ہے یعنی ''وقتی راحت'' ''ابدی تباہی''۔

1. ضرورت اور مقصد میں کیا فرق ہے بتایئے۔
2. موجود معاشرہ کی روش کیا ہے؟
3. مقصد حیات کیا ہونا چاہیئے؟
4. کس کا انجام ''وقتی راحت'' ہے اور کس کا ''ابدی تباہی''؟

II. اظہار مافی الضمیر۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے مختصر جواب لکھئے۔

1۔ اپنا فائدہ حاصل کرنا کس بات پر منحصر ہے۔
2۔ مصنف نے کس بات کا اختیار آپ کو دیا ہے؟
3۔ مصنف کے نزدیک کون سا کام آسان ہے اور کون سا مشکل؟
4۔ کون سے کام صبر و استقلال چاہتے ہیں؟
5۔ دشواریاں کب پیش آتیں ہیں؟

(ب) ذیل کے سوالوں کے جواب تفصیل سے لکھئے۔

1۔ یہ ملک کن حالات سے دوچار ہے؟
2۔ دیس کو کیسے لوگوں کی ضرورت ہے اور کیوں؟

(ج) ذیل کے بارے میں تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے۔

1۔ اچھا شہری کے عنوان سے ایک مضمون لکھئے۔
2۔ دیس کی خدمت کے لیے آپ کونسا پیشہ اختیار کریں گے اور کیوں؟ وضاحت کرتے ہوئے لکھئے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) ان الفاظ کے واحد کتاب سے تلاش کر کے لکھئے۔

متعلمین ۔ افکار ۔ اغلاط ۔ ممالک ۔ اغراض

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ب) ان افعال کے فاعل سبق سے تلاش کر کے لکھئے۔

غفلت ۔ تعلیم ۔ تعمیر

(ج) ذیل کے الفاظ کے معنی جملوں کے لحاظ سے قوسین میں لکھئے۔

ترک ۔ افلاس ۔ بارہ ماسی ۔ پتہ مارنا

1۔ دریائے گوداوری وکرشنا جنوبی ہند کے بارہ ماسی دریائیں ہیں۔ ( )

2۔ چودہ سال کی عمر سے پہلے تعلیم ترک کر دینا قانونی جرم ہے۔ ( )

3۔ عوام کی اکثریت تعلیم سے نابلد ہونے کی وجہ سے افلاس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ ( )

4۔ پتہ مار کر تعلیم حاصل کرنے سے ہی زندگی خوشگوار ہوتی ہے۔ ( )

قواعد

الف۔ ان دونوں الفاظ پر غور کیجیے۔

☆ صبح وشام

☆ زمین وآسمان

اوپر کے دونوں الفاظ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

ایسے الفاظ جو ''و'' عطف کے ساتھ اپنی ضد کے ساتھ استعمال ہو ''متضاد الفاظ'' کہلاتے ہیں۔

مشق-I ان الفاظ کے متضاد الفاظ لکھیے۔

1۔ نشیب و..... 6۔ .....واندھیرا

2۔ ابتداء و..... 7۔ .....واعلیٰ

3۔ اول و..... 8۔ .....وزیست

4۔ عرش و..... 9۔ .....وارزاں

5۔ شکست و..... 10۔ .....وراحت

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

مشق-II جدول میں ایک دوسرے کی اضداد تلاش کر کے لکھیے۔

پوشیدہ	شب	ہجر	دیر	حق	گدا	بقا	سفید	اعلیٰ	قدیم	حرام
تذلیل	گراں	سیاہ	آغاز	بد	حیات	شکست	نفع	انجام	خاص	حلال
نشیب	وصال	عرض	ارزاں	باطل	موت	طول	حرم	نقصان	عام	روز
آشکار	فتح	ادنیٰ	جدید	شاہ	نیک	کثیر	جلوت	جزا	اصغر	مختصر
	خلوت	خیانت	اکبر	سزا	امانت	جامع	فنا	قلیل	تکریم	فراز

ب۔ مترادف (ہم معنی)

چاند ..... کو قمر، ماہ اور مہتاب بھی کہتے ہیں۔

سورج ..... کو شمس، مہر اور آفتاب بھی کہتے ہیں۔

آسمان ..... کو فلک، گگن اور آکاش بھی کہتے ہیں۔

کسی ایک ہی چیز کو الگ الگ ناموں سے پکارا جائے تو ایسے الگ الگ نام ایک دوسرے کے مترادف یا ہم معنی کہلاتے ہیں۔

مشق-I: ذیل کے مترادف لکھیے

1۔ عقلمند ..... 2۔ فردوس .....

3۔ بہشت ..... 4۔ خاک .....

5۔ ہوا ..... 6۔ جنگل .....

7۔ روشنی ..... 8۔ سمندر .....

9۔ ہوا ..... 10۔ لباس .....

مشق II۔ جدول میں سے الفاظ اور ان کے مترادفات تلاش کر کے لکھیے۔

نجم	فرشتہ	چکر	روشنی	چمک	زمین	دل	قبر	مٹی	مرض	قیام گاہ
کاشانہ	قلب	کشتی	رخسار	ملک	گردش	ضیاء	تابانی	ملاح	جنگل	زندگی
حیات	گور	ارض	مئے	پرندہ	بہشت	خاک	گال	طائر	اوس	معلم
استاد	ناخدا	بت	دشت	شبنم	سفینہ	صنم	شراب	جنت	بیماری	اختر

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

☆ اخبارات ورسائل سے اپنی پسندیدہ کسی ایک شخصیت کا انٹرویو تلاش کیجیے اسے کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنایئے اور اس کے تراشے محفوظ رکھیے۔

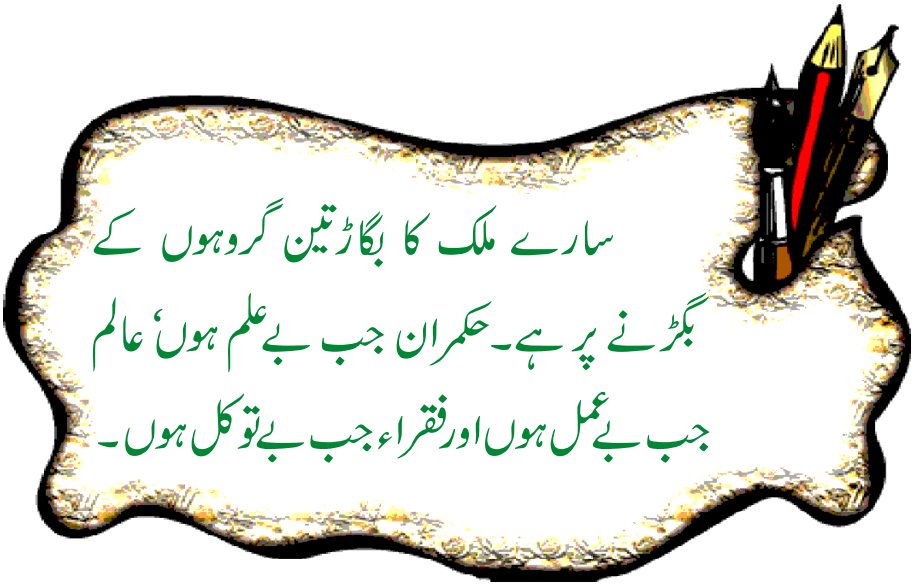

7

غزل

مرزا نوشہ اسداللہ خاں غالبؔ

I۔ پڑھیئے سوچیے اور جواب دیجئے۔

سبق ایسا پڑھا دیا تو نے
دل سے سب کچھ بھلا دیا تو نے
لاکھ دینے کا ایک دینا ہے
دل بے مدعا دیا تو نے

سوالات:

1۔ ان اشعار میں شاعر کس سے مخاطب ہے؟
2۔ شاعر کس سبق کی بات کر رہا ہے؟
3۔ دل بے مدعا کا کیا مطلب ہے؟
4۔ انسان کے دل کی خواہشات کا کیا عالم ہوتا ہے؟

مدعا/مقصد:

غزل اردو کی مقبول ترین صنف ہے۔ اسے اردو شاعری کی آبرو بھی کہا گیا ہے۔ غزل ایک ایسی صنف ہے جس میں اس کائنات کا ہر موضوع انسان کے حوالے سے باندھا جاتا ہے۔ غالب کی غزل پڑھنے سے طالب علم کو آسان زبان میں فلسفیانہ مضامین بیان کرنے کا طرز طریقہ معلوم ہوگا۔ غزل کے شعر میں سوالیہ موضوع کس طرح باندھا جاتا ہے اس کا علم ہوگا۔ اسی کے ساتھ غزل میں تشبیہ اور استعارہ کا استعمال اور استفہامیہ انداز میں بیان کے بارے میں طالب علم واقف و باخبر ہوگا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ غزل ''دیوان غالب'' سے لی گئی ہے۔

طلباء کے لیے ہدایات:

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

صنف کی تعریف

غزل کے لغوی معنی ''عورتوں سے باتیں کرنا'' ہے۔۔لیکن دور جدید کے شعرا نے صنف غزل میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور فلسفیانہ خیالات کو بھی پیش کیا ہے۔غزل کے پہلے شعر کو ''مطلع'' کہتے ہیں۔جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جاتی ہے۔اگر غزل کے دوسرے شعر کے دونوں مصرعوں میں بھی قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جائے تو ''حسن مطلع'' کہلاتا ہے۔غزل کا آخری شعر ''مقطع'' کہلاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے۔غزل کا ہر شعر معنی و مفہوم کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے۔نظم کی طرح ایک شعر دوسرے شعر سے مربوط نہیں رہتا۔لیکن جب شاعر اپنی بات ایک شعر میں نہیں کہہ پاتا تو اسے اپنی بات مکمل کرنے کے لیے دوسرے اور تیسرے شعر کی بھی ضرورت پیش آتی ہے ان اشعار میں مضمون مکمل ہوجاتا ہے غزل کے ایسے اشعار ''قطعہ بند'' کہلاتے ہیں۔قطعہ بند اشعار کے لیے عام طور پر غزل کے مصرعوں کے درمیان ''ق'' بطور اشارہ لکھا جاتا ہے۔شعر کا آخری لفظ جس کی تکرار تمام اشعار کے دوسرے مصرعے میں کی جاتی ہے اس کو ردیف کہتے ہیں۔ردیف سے پہلے آنے والے ہم وزن الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔

شاعر کا تعارف

مرزا اسداللہ خاں غالبؔ 1796ء میں اکبرآباد (آگرہ) میں پیدا ہوئے۔ابھی غالبؔ چھوٹے ہی تھے کہ ان کے والد عبداللہ بیگ ایک جنگ میں مارے گئے چچا نے ان کی پرورش کی۔تیرہ سال کی عمر میں ان کی شادی ہوگئی۔غالبؔ نہایت اعلیٰ ذہن کے مالک تھے۔مزاجاً خوددار اور بذلہ سنج تھے۔انہوں نے شاعری میں ایک نئے طرز کی بنیاد ڈالی۔خیالات کی تازگی، موضوعات کی رنگارنگی، فکر کی بلندی اور الفاظ کی معنی خیزی ان کے کلام کی نمایاں خصوصیت ہے۔ان کے اشعار میں معنی کی کثرت ہے۔

ذوق کے انتقال کے بعد بہادر شاہ ظفرؔ کے استاذ مقرر ہوئے ان کو ''نجم الدولہ، دبیر الملک، نظام جنگ'' کے خطابات ملے۔تیموریہ خاندان کی تاریخ نویسی پر بہادر شاہ نے پنشن مقرر کی تھی۔وہ اردو کے عظیم شاعر تھے ان کے خطوط اردو ادب میں غیر معمولی امتیاز رکھتے ہیں۔ان کا انتقال 1869ء میں دہلی میں ہوا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

اردو کے غزل گو شعراء میں غالب ایک بلند مقام رکھتے ہیں۔ غالب کی شاعری کے پرستار جتنے اردو داں لوگ ہیں۔ کم و بیش غیر اردو داں طبقہ بھی ہے۔ بلکہ یہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا کہ غیر اردو داں طبقہ کے لیے اردو اور غالب ایک ہی سکے کے دو رُخ ہیں۔ اسی لیے غالب نے کہا تھا۔

ہیں اور بھی دنیا میں سخن ور بہت اچھے
کہتے ہیں کہ غالب کا ہے انداز بیاں اور

تو آیئے! غالب کی ایک غزل کا مطالعہ کرتے ہیں جو سادگی سے معمور اور چاشنی سے بھرپور ہے۔

(I)

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟ آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟
ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟
میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں کاش! پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟
جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟
سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے ' ہوا کیا ہے؟

سوچیے۔ بولیے

1۔ شاعر نے دل کو ناداں کیوں کہا ہے؟

2۔ مشتاق کے کیا معنی ہیں؟ تعلیم کے ذریعے آپ کس بات کے مشتاق ہیں؟

3۔ کاش لفظ کا استعمال آپ کب اور کہاں کرتے ہیں؟ مثالیں دیجیے۔

4۔ منہ میں زبان رکھنا سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(II)

ہم کو ان سے وفا کی ہے اُمید　　جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

''ہاں بھلا کر ' ترا بھلا ہوگا''　　اور درویش کی صدا کیا ہے؟

جان تم پر نثار کرتا ہوں　　میں نہیں جانتا ، دعا کیا ہے

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ

مفت ہاتھ آئے ' تو بُرا کیا ہے

سوچیے ۔ بولیے

1۔ کیا شاعر کی امید بر آئے گی؟ اپنے جواب کے لیے وجہ بتلائیے۔

2۔ درویش کسے کہتے ہیں؟

3۔ دعا کا کیا مطلب ہے اور اسکی کیا اہمیت ہے؟

4۔ آجکل تجارت کرنے والے اکثر لوگ اپنا سامان فروخت کرنے کے لیے ''ایک خریدنے پر ایک مفت'' جیسے اشتہار لگاتے ہیں'' اسکے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

تشریح

دل ناداں تجھے ہوا کیا ہے؟　　آخر اس درد کی دوا کیا ہے؟

مطلب: شاعر' دل ناداں کی حالت سے پورے طور سے واقف ہے اسی لیے استفہام کے پردے میں اسے ملامت کر رہا ہے اور کہتا ہے کہ اے عاشق دل تو بڑا نادان ہے اور ثبوت تیری نادانی کا یہ ہے کہ تو اس بے وفا' ظالم سفاک اور بے رحم سے امید وفا رکھتا ہے جو لفظ وفا سے سراسر ناواقف ہے۔ تیرے درد کی دوا اس دنیا میں تو کہیں مل نہیں سکتی!

ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار　　یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟

مطلب: شاعر کہتا ہے کہ ابھی عشق کے کوچے میں قدم رکھا ہے اور معشوق و عاشق میں جو ناز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں ان سے ناواقف ہے۔ اس لیے باوجود اپنے مشتاق ہونے کے معشوق کے بیزار ہونے پر تعجب کرتا ہے۔

میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں　　کاش! پوچھو کہ مدعا کیا ہے؟

مطلب: عاشق' محبوب سے کہتا ہے کہ آپ غیروں سے میرا حال دریافت کر رہے ہیں! میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں' مجھے بھی قدرت نے طاقت گویائی عطا کی ہے۔ کاش کسی دن آپ خود مجھ سے میرا مدعا دریافت کریں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود ق پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

سبزہ و گل کہاں سے آئے ہیں؟ ابر کیا چیز ہے ' ہوا کیا ہے؟

مطلب: یہ ہنگامہ جو کائنات میں نظر آتا ہے اس امر کا متقاضی ہے کہ اشیائے مختلفہ کے وجود کو تسلیم کیا جائے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ خدا کے سوا اور کوئی شئی دراصل موجود نہیں ہے۔ یہ سبزہ وگل' ابر وہوا کا وجود اللہ ہی کی وجہ ہے۔

ہم کو ان سے وفا کی ہے اُمید جو نہیں جانتے وفا کیا ہے؟

مطلب: ہماری سادہ لوحی تو دیکھو! ہم اس شخص سے وفا کی امید رکھتے ہیں جو وفا کے نام سے بھی آشنا نہیں ہے۔

''ہاں بھلا کر ' ترا بھلا ہوگا'' اور درویش کی صدا کیا ہے؟

مطلب: ناصحانہ رنگ میں معشوق سے لطف وکرم کی التجا کی ہے کہ اے محبوب اگر تو ہم فقیروں پر نگاہ کرم کرے گا تو خالق کائنات تجھ پر کرم کرے گا۔

جان تم پر نثار کرتا ہوں میں نہیں جانتا ، دعا کیا ہے؟

مطلب: میں دوسروں کی طرح محض دعا دینا کافی نہیں سمجھتا اس لیے اپنی جان تم پر نثار کرتا ہوں یعنی اپنی طرف سے عملی ثبوت پیش کرنا چاہتا ہوں۔

میں نے مانا کہ کچھ نہیں غالبؔ مفت ہاتھ آئے ' تو بُرا کیا ہے؟

مطلب: ہم نے مانا کہ آپ کی نگاہ میں غالبؔ کی کوئی قیمت نہیں ہے۔ لیکن اگر مفت میں ایک غلام آپ کو ملتا ہو تو اس میں کیا برائی ہے؟

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود

پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے

(الف) اس شعر میں شاعر کیا کہنا چاہتا ہے۔

(ب) شاعر کو اپنے دل سے کس بات کی شکایت ہے؟

(ج) غزل میں کونسا شعر شاعر کی حیرانی کو ظاہر کرتا ہے؟ اور اسکی حیرانی کی وجہ کیا ہے؟

(د) دوستی اور وفاداری میں کیا تعلق ہوتا ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ھ) ذیل کے اشعار پڑھیئے اور نیچے دی گئی عبارت کی خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجئے۔

کام ہمت سے جواں مرد اگر لیتا ہے — سانپ کو مار کے گنجینۂ زر لیتا ہے
ناگوارا کو جو کرتا ہے گوارا انسان — زہر پی کر مزۂ شیر و شکر لیتا ہے
گنج پنہاں ہے تصرف میں بنی آدم کے — کان سے لعل، یہ دریا سے گہر لیتا ہے
عقل کر دیتی ہے انسان کی جہالت زائل — موت سے جان چھپانے کو سپر لیتا ہے
عزتِ نالہ و فریاد نہ کھوائے آتش — آشنا کوئی نہیں۔ کون خبر لیتا ہے

اگر انسان _____ سے کام لے تو تمام مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی منزل پا سکتا ہے۔ اگر وہ ناگوار باتوں کو _____ کر لے تو زہر پینے پر بھی اسے _____ کا مزہ آ سکتا ہے۔ _____ بنی آدم کے _____ میں ہے اگر وہ ہمت و محنت سے کام لے تو دریا کی گہرائی سے _____ جیسی قیمتی شئے مل سکتی ہے اور عقل کا استعمال کرتے ہوئے وہ موت سے جان چھپانے کے لیے _____ کا سہارا لیتا ہے۔

II. اظہار مافی الضمیر ۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) دیئے گئے سوالوں کے مختصر جواب لکھئے۔

1۔ مرزا غالبؔ کے کلام کی نمایاں خصوصیات بیان کیجیے۔
2۔ خدا کی قدرت کو ظاہر کرنے کے لیے شاعر نے کن باتوں کی مثال دی ہے؟
3۔ کسی کے ساتھ بھلا کرنے پر بھلائی ہی ملے گی۔ کیا آپ اس سے متفق ہیں تبصرہ کیجئے۔
4۔ شاعر اپنے جنون کا اظہار کیسے کر رہا ہے؟

(ب) ذیل کے سوالوں کے جواب تفصیل سے دیجیے۔

1۔ دنیا میں افراد کے درمیان، طبقات کے درمیان اور قوموں کے درمیان ہنگامے اور اختلافات ہمیشہ نظر آتے ہیں؟ انکے مثبت اور منفی پہلوؤں پر روشنی ڈالیے؟
2۔ اظہار خیال کی آزادی سے کیا مراد ہے؟ اگر فرد کو یہ آزادی میسر نہ ہو تو کیا ہوگا؟ اور بتلایئے کہ اس آزادی پر پابندیاں کس حد تک درست ہیں؟

(ج) تخلیقی یا توصیفی انداز میں لکھیے

1۔ ''میں بھی منھ میں زبان رکھتا ہوں'' اس عنوان پر کہانی لکھئے۔
2۔ ''مفت ہاتھ آئے تو برا کیا ہے'' اس عنوان پر ایک مضمون لکھیے۔
3۔ جانثار اور وفادار لوگ کسی بھی ملک و قوم کا اثاثہ ہوتے ہیں۔ چند مثالیں دیتے ہوئے انکی ستائش کیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

الف: غزل میں استعمال ہونے والے محاوروں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان کو جملوں میں استعمال کریں۔

ب: دیئے گئے خط کشیدہ الفاظ کے اضداد لکھیے' لفظ اور ضد کو استعمال کرتے ہوئے جملے بنایئے۔

1۔ دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے 2۔ ہم کو اُن سے وفا کی ہے اُمید 3۔ جو نہیں جانتے وفا کیا ہے

4۔ ہاں بھلا کر' ترا بھلا ہوگا 5۔ میں نہیں جانتا' دُعا کیا ہے

ج: خالی جگہوں کو مناسب الفاظ سے پُر کیجیے۔

(ہنگاموں ' ماجرا ' نادانی ' مدعا ' جانثاری)

1۔ مجھے تم سے اس قدر _____ کی توقع نہیں تھی۔

2۔ سیاسی تحریکوں کی وجہ سے سارا تعلیمی سال _____ کی نذر ہوگیا۔

3۔ سڑک پر بھیڑ جمع دیکھ کر میں بھی آگے بڑھا کہ آخر دیکھوں کہ کیا _____ ہے۔

4۔ صحابہ اکرمؓ قربانی اور _____ کا نمونہ تھے۔

5۔ چہرہ شناس لوگ بن کہے _____ جان لیتے ہیں۔

قواعد

علم بیان

خوب سے خوب تر کی تلاش انسانی فطرت ہے۔ چنانچہ خوبصورت اور اچھی چیز کو بھی انسان طرح طرح سے آراستہ کر کے اس کے حسن کو مزید چار چاند لگانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور اس میں حسن و خوبی پیدا کر کے اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

علم بیان: شعری محاسن کو اجاگر کرنا اس سے لطف اندوز ہونا "علم بیان" ہے۔

اس کی چار قسمیں ہیں۔

1۔ تشبیہ 2۔ استعارہ 3۔ مجاز مرسل 4۔ کنایہ

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

1۔ اس شعر پر غور کیجئے۔

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں

اس شعر میں جگنو کو شمع کے مثل قرار دیا جا رہا ہے۔

نازکی اُنکے لب کی کیا کہیے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

اس شعر میں لب کی نازکی کو گلاب کی پنکھڑی کے مثل قرار دیا جا رہا ہے۔

ایک شئے کو دوسری شئے کے مثل قرار دینا ''تشبیہ'' کہلاتا ہے۔

اس شعر میں لب مشبہ ہے اور گلاب کی پنکھڑی مشبہ بہ ہے۔ اور 'کی' 'سی' حروف تشبیہ ہے اور نازکی وجہ تشبیہ ہے۔ اور پورا شعر جس مقصد کے لیے بیان کیا جا رہا ہے وہ غرض تشبیہ ہے۔

ارکان تشبیہ پانچ ہیں

1۔ مشبہ 2۔ مشبہ بہ 3۔ حرف تشبیہ 4۔ وجہ شبہ 5۔ غرض تشبیہ

2۔ اس شعر پر غور کیجئے۔

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے آیا کبھی گہن میں

اس شعر میں چاند سے مراد جگنو ہے جو مستعار لیا گیا ہے نہ کہ حقیقی چاند

استعارہ: لفظ کو اسکے اصلی معنی کے علاوہ کسی دوسرے معنی میں استعمال کرنا ''استعارہ'' کہلاتا ہے۔

مشق: ان اشعار میں تشبیہ استعارہ کی نشاندہی کیجیے۔

وہ جنگل میں رہتا تھا مانند شیر — چلے آئے تھے پاس اس کے کبیر
ہستی اپنی حباب کی سی ہے — یہ نمائش سراب کی سی ہے
خنجر تھا الٰہی یا زباں تھی — خنجر سے زیادہ رواں تھی

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

اپنی پسندیدہ غزلوں کو اکٹھا کریں اور اپنے دوستوں سے ان کے بارے میں تبادلہ خیال کیجئے۔

8

دوسرا موسم

کشمیری لال ذاکر

پڑھیے سوچیے اور بولیے

کسی گاؤں میں ایک شکاری رہا کرتا تھا۔ ایک دن جنگل میں اُسے کوئی شکار نہ ملا۔ شام ڈھلے وہ خالی ہاتھ گھر لوٹ رہا تھا کہ اس نے دیکھا کہ سامنے جھاڑیوں میں ایک چھوٹا ہرن کا بچہ لیٹا ہوا ہے۔ وہ آہستہ سے آگے بڑھا اور اسے دبوچ کر خوشی خوشی اپنے گھر کی طرف چلنے لگا۔ سوچتا رہا کہ چلو آج اس ہرن کے بچے کو بیچ کر ہی پیٹ بھر لیں۔ بہت دور جنگل سے نکل آنے کے بعد گاؤں سے قریب اس نے پلٹ کر پیچھے دیکھا کہ تو دیکھتے ہی رہ گیا اس لیے کہ اس کے پیچھے ہرن کے بچے کی ماں بھی چلی آئی ہے۔ اپنے بچے کے لیے۔ شکاری کو ترس آ گیا بھوکا ہونے کے باوجود اس نے ہرن کے بچے کو چھوڑ دیا۔ ہرن کا بچہ کلیلیں بھرتا ماں سے جا کر لپٹ گیا۔ شکاری کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اسے اپنی ماں یاد آ گئی تھی۔

سوالات:

1۔ ہرن کے بچے نے شکاری کو کیا سبق سکھایا۔

2۔ ہرن شکاری کے پیچھے پیچھے کیوں چلی آئی۔

3۔ دین اسلام میں ماں باپ کے بارے میں کیا کہا گیا ہے؟

مقصد:

دَورِ جدید نے جہاں انسان کی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے نئی نئی ایجادات ہوئی ہیں وہیں اس دور کے انسان نے رشتوں کی عظمتوں اور اس کے وقار کی دھجیاں بھی اُڑائی ہیں۔ ماں جیسی عظیم ہستی کے ساتھ خود اپنی اولاد کا رویہ، اس کی سنگینی، بے مروتی ہمیں ایک ایسے جنگل میں لے جاتی ہے جہاں منہ پھاڑے بھیڑیے رات کے خوف ناک ماحول میں گویا ایسی آوازیں نکال رہے ہیں جن کو سن کر آدمی تو آدمی شیطان بھی خوف کھا جائے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ سبق کشمیری لال ذاکر کے مجموعہ تجھے ہم ولی سمجھتے سے لیا گیا ہے۔

صنف کا تعاوف

افسانہ اُردو نثر کی ایک مشہور صنف ہے۔ اردو افسانہ نگاروں میں یوں تو بہت سے نام گنوائے جاسکتے ہیں' چند ایک نام جن کے بغیر افسانہ خالی خالی ہی سمجھا جائے گا۔ وہ نام ہیں۔ پریم چند' کرشن چندر' راجندر سنگھ بیدی' قرۃ العین حیدر' جیلانی بانو' سلام بن رزاق وغیرہ

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

مصنف کا تعارف

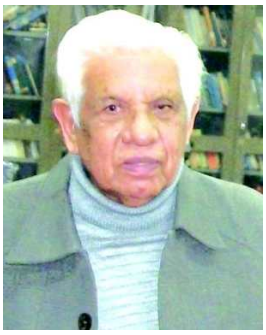

کشمیری لال ذاکر صفحہ اول کے ادیب اور افسانہ نگار ہیں۔ کشمیری لال 7 / اپریل 1919ء کو پاکستان کے ضلع گجرات کے بیگا بنیان گاؤں میں پیدا ہوئے۔ کشمیری لال ذاکر اردو افسانہ نگاری کے منورترین دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس سنہری دور کو کرشن چندر' منٹو اور بیدی کی تخلیقات سے جو روشنی اور توانائی حاصل ہوئی اس کی گواہ اردو ادب کی تاریخ ہے۔ اس خاص دور میں کسی دوسرے افسانہ نگار کا افسانہ کے ذہین قارئین کو اپنی طرف متوجہ کر لینا مشکل تھا مگر کشمیری لال ذاکر نے یہ مشکل اپنی تخلیقی جوہر کی مدد سے آسان بنالی۔ اس نے متوسط اور زیرین طبقات سے تعلق رکھنے والے کرداروں کو حد درجہ سچائی اور حقیقت پسندی سے پیش کیا ہے۔ ان کی نفسیات کا مطالعہ کمال گہرائی سے کیا ہے۔ کشمیری لال ذاکر کا اسلوب اظہار دل آویز' اس کی زبان سلیس اور اسکا انداز بیان ایسا رواں ہے جیسے افسانہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ اس کی دوستانہ گفتگو ہو رہی ہے اور یہ کسی افسانہ نگار کا معمولی کارنامہ نہیں ہے۔

کشمیری لال زائد از 125 کتابوں کے مصنف ہیں جس میں ناول' مختصر کہانیاں' ڈرامے' سفرنامے وغیرہ شامل ہیں۔

ابتدائیہ

ماں ایک عظیم ہستی ہے۔جس کے قدموں تلے جنت ہے۔ماں اپنی اولاد کی پرورش اپنا چین وسکون اور راتوں کی نیندیں گنوا کر کرتی ہے لیکن جب وہ بوڑھی ہوجاتی ہیں تو وہی ماں اپنی اولاد کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔اس سبق میں مصنف نے ایک ایسی ہی بوڑھی ماں کے بارے میں بتانے کوشش کی ہے جس کو اسکا بیٹا ایک اولڈ ایج ہوم کے باہر چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔آیئے ہم اس سبق کے ذریعے اس سے متعلق تفصیل سے جانینگے۔

I

آج صبح ٹی وی کی ایک خبر سے مجھے بڑا گہرا صدمہ ہوا۔

خبر کی تفصیل اس طرح سے ہے۔

لیلا دیوی کو جس کی عمر 80 سال ہے۔اُس کے پانچ بیٹے کل شام' اولڈ پیپلز ہوم کے باہر چھوڑ کر فوراً بھاگ گئے۔ہوم کا گیٹ

بند تھا۔کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی ایک بوڑھی اور بے سہارا عورت کو سورج غروب ہونے سے کچھ ہی دیر پہلے' یہاں ڈال کر فرار ہوگیا تھا۔

صبح سویرے اس خبر نے مجھے ایک دم مایوس کردیا۔خبر کے بعد کچھ لوگوں نے اپنی اپنی رائے کا اظہار بھی کیا تھا۔میں خاموشی سے ایک ایک رائے کو غور سے سن رہی تھی۔

پہلی رائے : بیٹوں نے یہ بڑی ذلیل حرکت کی ہے۔

دوسری رائے : یہ تو گھور کل یگ کی نشانی ہے۔

تیسری رائے : جنہوں نے یہ پاپ کیا ہے ان کے بچے بھی ان سے یہی سلوک کریں گے۔

میری نظریں تو ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں لیکن میرا ذہن مجھے تیس برس پیچھے لے گیا تھا۔

میرے پتا جنار دھن پرشاد بہت دنوں سے بیمار چل رہے تھے۔علاج برابر ہو رہا تھا۔لیکن کوئی افاقہ نہیں تھا۔میرا بڑا بھائی

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

پرمود چار سال پہلے امریکہ چلا گیا تھا۔ وہاں وہ کسی امریکی کمپنی میں ایک اچھی ملازمت پر لگ گیا تھا۔ میری ماں نے اس کے لیے ایک لڑکی دیکھی تھی ۔لڑکی ڈاکٹر تھی اور سُندر بھی تھی۔ اُس کا نام گوری تھا۔ میری بھی اس سے دوستی ہوگئی تھی۔ اس کے گھر والوں کو بھی منظور تھا کہ وہ پرمود کو اپنا داماد بنالیں۔ پرمود اپنی کمپنی سے ایک مہینے کی چھٹی پر آ رہا تھا۔ میں اور گوری اسے ایرپورٹ پر لینے بھی گئی تھیں۔ تھوڑی ہی دیر میں ہم دونوں آپس میں گھل مل گئی تھیں۔ میں بھی اس فیصلے پر بہت خوش تھی۔

تھوڑے ہی دنوں میں پرمود اور گوری کا رشتہ پکا ہوگیا۔ پرمود واپس امریکہ چلا گیا یہ طے ہوا کہ شادی چھ مہینوں کے بعد ہوگی۔ تب تک پتا جی کی صحت بھی ٹھیک ہوجائے گی ڈاکٹر گوری بھی اُن کی دیکھ بھال میں شامل ہوگئی۔ ادھر میری بھی کالج میں نوکری لگ گئی۔

پتا جی کا علاج تو ہم نے بڑی لگن سے کرایا۔ علاج پر روپیہ پیسہ بھی بہت لگا۔ لیکن پتا جی کی صحت بگڑتی ہی گئی۔ ایک دن ہمارے پتا شری جنار دھن پرشاد پرلوک سدھار گئے۔

سوچیے ۔ بولیے

☆ کس خبر نے اسے ایک دم مایوس کر دیا۔

☆ یہ تو گھور کل یُگ کی نشانی ہے۔ اس جملے کی وضاحت کیجیے۔

☆ ایک بہت ہی گرم ہوا کا تیز ریلہ ہمارے گھر کو اپنی چپیٹ میں لے کر گزر گیا۔ وہ ریلہ کیا تھا۔

ایک بہت گرم ہوا کا تیز ریلہ ہمارے گھر کو اپنی چپیٹ میں لے کر گزر گیا۔۔۔''

(II)

میری نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی ہیں۔ لیکن میں دیکھ کچھ اور رہی ہوں۔

کالج میں میری نوکری کا ایک سال پورا ہوگیا ہے۔ میں اس خوشی میں اپنی ماں کے لیے ایک ساڑھی لائی ہوں' میری ماں گلابی رنگ کی ساڑھی پہن کر میرے سامنے آئی ہے تو میں نے خوشی سے تالیاں بجانی شروع کر دی ہیں۔

میری نظریں ایک بار پھر ٹی وی کی سکرین پر جم گئی ہیں۔

بیک گراونڈ سے کسی کی آواز آ رہی ہے۔ چہرہ نظر نہیں آ رہا۔ ٹی۔ وی والوں کا یہ اپنا دستور ہے۔ ''بچپن' جوانی' بڑھاپا' یہ تو انسانی زندگی کا موسم ہے۔ ان موسموں کو تو جھیلنا ہی پڑتا ہے۔ چاہے ہم انہیں رو کر جھیلیں چاہے مسکرا کر۔''

اور اب گرم ہوا کا ایک اور تیز ریلہ مجھے جھلسا کر گھر کے آنگن سے گزر گیا ہے میری ماں رُکمنی دیوی کا انتقال ہوگیا ہے۔ رات کو اسے دل کا دورہ پڑا اور میری ماں نیند ہی میں چل بسیں۔ ڈرائینگ روم میں اس کی ارتھی پڑی ہے۔ حالانکہ رواج کے مطابق بیوہ عورت کو موت کے بعد رنگ دار کپڑے نہیں پہنائے جاتے' لیکن میں نے اپنی ماں کو اُسی گلابی ساڑھی سے سجایا ہے جو اسے پسند تھی۔ میری ماں رُکمنی دیوی، موت کے بعد بھی اتنی ہی سُندر لگ رہی تھی۔

پھر عجیب بات یہ ہوئی کہ میرے دماغ میں تصویر تو تھی میری ماں رُکمنی دیوی کی اور ٹی وی کی سکرین پر بار بار دکھائی جا رہی تھی

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

تصویر اُس بزرگ عورت کی، جسے اُس کے بیٹے شام کے ہلکے ہلکے اندھیرے میں اولڈ پیپلز ہوم کے بند گیٹ کے باہر چھوڑ گئے تھے۔

ٹی وی کی اناؤنسر بار بار کہہ رہی تھی۔

''اگر کوئی شخص اس بزرگ عورت کو پہچانتا ہو، تو اسے اولڈ پیپلز ہوم آ کر لے جائے۔ اس وقت وہ ہوم کے اندر محفوظ ہے اور ہوم کا اسٹاف اُس کی دیکھ بھال کر رہا ہے۔''

اب میری نظریں اُس تصویر کو بار بار دیکھ رہی ہیں۔ لیکن میں نے اس مہلا کو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا۔ اس لیے میں اُسے نہیں پہنچان سکتی۔

ٹی وی کی اناؤنسر اب پھر بول رہی ہے۔

''اگر بیٹی اپنے بوڑھے ماں باپ کی دیکھ بھال کر سکتی ہے تو شادی کے بعد، جب وہ کسی گھر کی بہو بن جاتی ہے، اپنے شوہر کے ماں باپ کی دیکھ بھال کیوں نہیں کر سکتی؟ وہ بھی تو اس کے ماں باپ ہی تو ہیں؟''

یہ سوال اناؤنسر ٹی وی دیکھنے والوں سے بار بار کئے جا رہی ہے۔ لیکن کوئی بھی اس سوال کا جواب نہیں دے رہا۔

میں نے ٹیلی فون پر دُوردرشن کا نمبر لگایا ہے۔

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ جس بزرگ مہلا کی تصویر دُوردرشن پر بار بار دکھائی جاری ہے، اُسے اس کے بیٹے کس اولڈ پیپلز ہوم کے گیٹ کے باہر چھوڑ گئے ہیں؟''

میں یہ سوال بار بار کر رہی ہوں۔

کچھ دیر کے بعد جواب ملا ہے۔

''ہم اُس اولڈ پیپلز ہوم کا ایڈرس تلاش کر رہے ہیں۔ آپ اپنے ٹیلی فون کا نمبر چھوڑ دیں۔ جوں ہی ہمیں ایڈرس ملتا ہے آپ کو بتا دیا جائے گا۔''

رات بہت دیر میں مجھے اُس اولڈ پیپلز ہوم کا ایڈرس معلوم ہوا۔

میں نے کالج سے اگلے روز کی چھٹی لے لی ہے۔

اب میں اولڈ پیپلز ہوم کے گیٹ کے اندر آ گئی ہوں۔ اُس کے مینجر سے پوچھ رہی ہوں۔

''کیا میں اس بزرگ مہلا سے مل سکتی ہوں۔ جس کی دو دن سے آپ دیکھ بھال کر رہے ہیں۔''

''آیئے میرے ساتھ۔''

سوچیے۔ بولیے

1۔ اُس عورت نے کچھ اور ٹی وی سکرین پر کیا دیکھا۔ بیان کیجئے۔

2۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا یہ تو انسانی زندگی کے موسم ہیں۔ کیسے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

میں مینجر کے ساتھ ہوم کی عمارت کے برآمدے سے گزرتے ہوئے اُس کمرے میں آ گئی ہوں جس میں تین دوسری بزرگ عورتوں کے ساتھ وہ بزرگ مہلا کونے میں ایک پلنگ پر اکڑوں پڑی ہے۔

(III)

''ماتا جی آپ سے کوئی ملنے آئی ہیں؟''میں نے کہا۔

''مجھے کوئی ملنے نہیں آ سکتا۔''

''ماں جی میں آپ ہی سے ملنے آئی ہوں۔''

''کیوں؟'' بزرگ عورت نے اکڑوں لیٹے لیٹے ہی سوال کیا۔

''میں آپ کو اپنے ساتھ لے جانے آئی ہوں۔؟''

''کہاں؟''

''اپنے گھر ماں جی''

''کہاں ہے تمہارا گھر؟''اس نے بڑی تلخی سے پوچھا۔

''اسی شہر میں ہے؟''

''مجھ سے گھر کا کام کراؤ گی''؟اس کی آواز میں ویسی ہی تلخی تھی۔

''نہیں ماں جی۔آپ کی خدمت کروں گی۔''

میرے اس جواب پر وہ بزرگ عورت اتنی زور سے ہنسی کہ اس کمرے میں اپنی اپنی چارپائیوں پر لیٹی تینوں عورتیں اُٹھ کر بیٹھ گئیں۔وہ سب ایک دم سہم گئی تھیں۔

اور اب وہ بزرگ عورت جس کا نام لیلا دیوی ہے، میرے گھر میں ہے۔میں نے پہلے اسے چائے پلائی ہے۔پھر ناشتہ کرایا ہے اور ابھی کچھ دیر پہلے اسے نہانے کو نیم گرم پانی دیا ہے اور پھر میں نے اپنی ماں رُکمنی دیوی کی ساڑھیوں میں سے ایک ساڑھی اُسے پہنائی ہے۔اس کے بالوں میں کنگھی کر کے اسے ڈرائینگ روم میں رکھے صوفے پر بٹھایا ہے۔وہ شاید کئی دنوں کے بعد پہلی بار مسکرائی ہے اور مجھ سے بولی ہے۔

''تم کیوں مجھے اس یتیم گھر سے اٹھا کر اپنے گھر لے آئی ہو، میرے حال پر ترس آیا ہے تمہیں؟''

''نہیں ماں جی۔اپنی کمی کو پورا کرنے کے لیے۔''

''کیا کمی ہے تمہیں۔؟''

''میری ماں نہیں ہے۔'' یہ کہتے ہوئے میں نے صوفے پر بیٹھ کر اس بزرگ عورت کو جس کا نام اولڈ پیپلز ہوم میں لیلا دیوی درج کیا گیا ہے، کس کر گلے سے لگا لیا ہے۔

میں صوفے پر بیٹھی لیلا دیوی کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیے سوچ رہی ہوں۔

شریمتی رُکمنی دیوی' میری پہلی ماں، جو مجھے تیس سال پہلے اچانک چھوڑ گئی تھی، میری زندگی کے ہرے بھرے باغ کا پہلا خوش گوار موسم تھا اور شریمتی لیلا دیوی، جسے میں نے تیس سال کے بعد، اچانک آج ہی دوسری ماں کے روپ میں قبول کیا ہے، میری زندگی کے خزاں بھرے باغ کا دوسرا موسم ہے۔

سوچیے۔بولیے

1۔ مجھے کوئی ملنے نہیں آ سکتا۔ایسا اُس بوڑھی عورت نے کیوں کہا؟

2۔ مجھ سے گھر کا کام کراؤ گی۔کس نے کس سے کہا۔اس کا مطلب کیا ہے؟

3۔ نہیں ماں جی۔اپنی کمی کو پورا کرنے کے لیے'' وہ کونسی کمی ہے۔

4۔ دوسرا موسم سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہارِ خیال کرنا

الف۔ اس سبق کا عنوان ''دوسرا موسم'' ہے۔کیا یہ مناسب ہے؟ کیوں؟اس کی وضاحت مناسب وجوہات کے ذریعے کیجیے۔

ب۔ سبق پڑھیے اس بوڑھی عورت کے متعلق بیان کیے گئے جملے کون کونسے ہیں ان کی نشاندہی کیجیے پڑھیے۔

ج۔ سبق کے حسب ذیل پیراگراف پڑھیے۔کونسے پیراگراف میں کس بات کا تذکرہ کیا گیا ہے اس پیراگراف کے کلیدی الفاظ لکھیے۔

پیراگراف	تذکرہ	کلیدی الفاظ
● لیلا دیوی جس کی عمر 80 سال-------- ---------------فرار ہو گیا تھا۔		
● میرے پتا جنار دھن پرساد--------- ------میں بھی اس فیصلہ پر بہت خوش تھی		
● اور اب گرم ہوا کا-------------- ------------اتنی سُندر لگ رہی تھی		
● اور اب وہ بزرگ عورت کا نام------- -----------مسکراتی اور مجھ سے بولی		
● شریمتی رُکمنی دیوی-------------- ----------باغ کا دوسرا موسم ہے۔		

د۔ حسب ذیل جملے پڑھیے کس نے' کس سے' کس تناظر میں کہے؟

1) کیا میں اس بزرگ مہیلا سے مل سکتی ہوں؟

2) ماتا جی آپ سے کوئی ملنے آئی ہیں؟

3) میں اپنے ساتھ لے جانے آئی ہوں؟

4) مجھ سے گھر کا کام کراؤ گی؟

5) کیا کمی ہے تمہیں؟

ھ۔ پیراگراف پڑھ کر سوالوں کے جواب دیجیے۔

گرمی ہو یا جاڑا۔ دھوپ ہو یا سایہ وہ دن رات برابر کام کرتا رہا لیکن اسے کبھی خیال نہ آیا کہ میں بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی لیے اسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ اسے کسی سے بیر تھا نہ جلا پا اور وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے محبت کرتا وہ غریبوں کی مدد کرتا' وقت پر کام آتا' آدمیوں جانوروں' پودوں کی خدمت کرتا لیکن اسے کبھی یہ احساس نہ ہوا کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ نیکی اس وقت تک نیکی ہے جب تک آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ جہاں اس نے یہ سمجھنا شروع کیا۔ نیکی نیکی نہیں رہتی۔ جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے بڑا آدمی کسے کہتے ہیں ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے اس صلاحیت کو درجہ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی

الف) مذکورہ پیراگراف کا مقصد لکھئے۔

ب) مذکورہ بالا پیراگراف کے کلیدی الفاظ ڈھونڈ کر لکھیے۔

ج) 'درجہ کمال' کے کیا معنی ہیں؟

د) مذکورہ پیراگراف کے لیے ایک مناسب عنوان تجویز کیجیے۔

ھ) 'نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی' اس کی وضاحت کیجیے۔

و۔ سبق کی بنیاد پر حسب ذیل سوالوں کے جواب لکھئے۔

الف) ٹی وی پر کونسی خبر نشر ہوئی اسکی تفصیل کیا تھی؟

ب) اولڈ ہوم کے باہر جس بڑھیا کو چھوڑ کر چلے گئے تھے اس کا کیا ہوا؟

ج) ٹی وی پر یہ خبر دیکھنے والی عورت کے ذہن میں کونسی باتیں آ رہی تھیں؟

د) اولڈ ہوم میں نوجوان عورت اور بوڑھیا کے درمیان کیا بات چیت ہوئی؟

II. اظہار مافی الضمیر۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

الف۔ حسب ذیل سوالوں کے جواب 4 تا 5 جملوں میں سوچ کر لکھئے۔

1) افسانہ دوسرا موسم پڑھ کر آپ نے کیا اخذ کیا؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

2۔ ایک بہت گرم ہوا کا تیز ریلہ گھر کو اپنی چپیٹ میں لے کر گذر گیا۔اس جملے سے متعلق آپ اپنی رائے لکھئے۔

3۔ اگر بیٹی اپنے بوڑھے ماں باپ کی دیکھ بھال کرسکتی ہے تو شادی کے بعد جب وہ کسی گھر کی بہو بن جاتی ہے اپنے شوہر کے ماں باپ کی دیکھ بھال کیوں نہیں کرسکتی۔کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں؟ کیوں؟

4۔ اس بوڑھی عورت کے ساتھ اس کے بیٹوں کا سلوک کیسا ہونا چاہیے تھا؟

ب۔ حسب ذیل سوالوں کے جواب 10 تا 12 جملوں میں سوچ کر لکھئے۔

1۔ اس افسانہ میں جملہ کتنے کردار ہیں؟ آپ کو کونسا کردار پسند آیا اور کیوں؟

2۔ اس افسانہ میں ایک خاموش آواز ہے۔جو ہمارے دل و دماغ کو جھنجھوڑتی ہے وہ کیا ہے؟

ج۔ حسب ذیل امور کے بارے میں تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھئے۔

1۔ ایک ضعیف اور معذور ماں کے پانچ بیٹے ہیں جو اپنی ماں کو کسی قسم کی تکلیف نہیں ہونے دیتے۔بحیثیت ٹی وی اناؤنسر آپ کو یہ خبر ملتی ہے تو آپ اس واقعہ کو ٹیلی ویژن پر کس طرح پیش کروگے؟

2۔ اس جوان عورت کی ستائش کرتے ہوئے اخبار میں اشاعت کے لیے ایک مضمون لکھئے جو اولڈ ہوم سے ایک بوڑھی عورت کو لاکر اس کی خدمت کرتی ہے جس کا اس سے کوئی رشتہ نہیں ہے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

الف۔ ذیل میں دیئے گئے الفاظ کی جوڑیوں کو استعمال کرتے ہوئے جملے لکھئے۔

زندگی ۔ خزاں

یتیم ۔ ترس

آواز ۔ تلخی

لگن ۔ محنت

عجیب ۔ محفوظ

ب۔ حسب ذیل جملوں میں کشیدہ الفاظ کے معنی لکھئے۔

والدین کی نافرمانی کرنے سے انہیں _____ صدمہ _____ پہنچتا ہے۔

دوا کے استعمال سے مرض میں ___بتدریج افاقہ___ ہوتا ہے۔

بارش کا ریلہ ___ تمام بستی کو بہالے گیا۔

بدکلامی سے رشتوں میں ___تلخیاں___ پیدا ہوتی ہیں۔

ج۔ سبق میں استعمال ہوئے انگریزی الفاظ کی فہرست تیار کیجیے۔اورانہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

قواعد

تکرارلفظی

الف۔ ان جملوں پرغور کیجیے۔

احمد خوشی خوشی چلا گیا

گھر گھر دیپ جلے ہیں۔

ان دونوں جملوں میں ''خوشی'' اور ''گھر'' کا لفظ دو دو بار استعمال ہوا ہے۔

کسی بات پر زور دینا ہو تو الفاظ کی تکرار کیجاتی ہے۔ایسی ترکیب کو تکرارلفظی کہتے ہیں

ب۔ ان دونوں جملوں پرغور کیجیے۔

☆ آج انسان کو ہر قدم پر مشکلات کا سامنا ہے۔

☆ آج انسان کو قدم قدم پر مشکلات کا سامنا ہے۔

دونوں جملوں پرغور کریں گے تو یقیناً دوسرا جملہ معنی اور مفہوم کے اعتبار سے معنی خیز ہے۔

مشق ا۔ دیئے گئے تکرارلفظی سے دو دو جملے لکھیے۔

اپنا اپنا۔ بڑی بڑی۔ چلتے چلتے۔ ساتھ ساتھ۔ الگ الگ۔ قسم قسم۔ کون کون۔ کبھی کبھی۔ عش عش۔ بات بات۔ بار بار

مشق ا ا۔ ان جملوں کو مثال کے مطابق تکرارلفظی میں تبدیل کیجیے۔

مثال: شاداں پڑھ رہی تھی اب سوگئی۔

جملہ: شاداں پڑھتے پڑھتے سوگئی۔

1۔ طیبہ اسکول کی گھنٹی کی آواز سن کر جلدی بھاگ کر اسکول پہنچی

2۔ راشد جارہا تھا رک گیا۔

3۔ صحرا میں لوگ پانی کی بوند کے لیے ترستے ہیں۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

4۔ جب بھی چاند نکلا تب آپکی یاد آئی۔

5۔ تم بھی ہمارے ساتھ چلو۔

6۔ اکبر کی باتیں سن کر مرے کان پک گئے۔

مشق III۔ ان اشعار میں تکرار لفظی کی نشاندہی کیجیے۔

آتے آتے آئے گا ان کو خیال
جاتے جاتے بے خیالی جائے گی

.....

پتہ پتہ بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

لسانی سرگرمیاں/منصوبائی کام

☆ ''ماں'' عنوان پر نظمیں، اشعار، کہانیاں جمع کر کے ایک مختصر سا کتابچہ ترتیب دیجیے۔

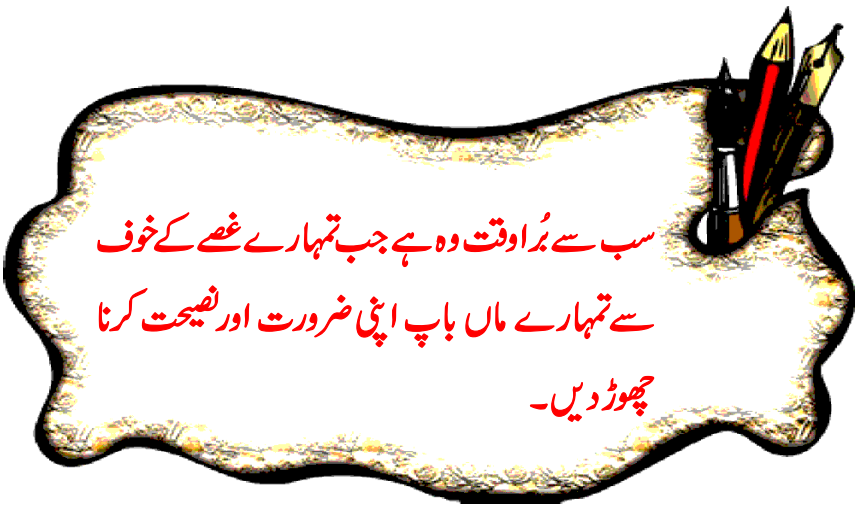

9

عورت

کیفی اعظمی

I۔ پڑھیے سوچیے اور بولیے

وجود زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

سوالات:

1۔ مندرجہ بالا شعر کس کے متعلق ہے؟

2۔ مندرجہ بالا شعر کو اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

3۔ اس طرح کے مزید اشعار آپ کو یاد ہیں تو سنائیے۔

مقصد:

نظم ''عورت'' کیفی اعظمی کی لکھی ہوئی ہے۔ صنفِ نازک یعنی عورت کے تعلق سے سماج کے مختلف طبقات نے عورت کے وجود کو الگ الگ طریقوں سے پیش کیا ہے۔ زمانہ قدیم سے مردوں کو مضبوط' توانا' اور حاکم مانا جاتا ہے۔ مرد مسلط (حاوی) سماج میں عورتوں کو سماجی طور پر صنفی امتیاز سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ یوں تو شعراء نے عورت کے متعلق ڈھیر ساری غزلیں اور نظمیں لکھ ڈالیں لیکن ان میں بہت کم ادیبوں اور شاعروں نے ان کے مسائل اور حقوق کی طرف اپنی توجہ مبذول کی ہے۔ اس نظم میں کیفی اعظمی نے اس عورت کی طرف اشارہ کیا ہے جو سماج میں کسمپرسی کی زندگی گزار رہی ہے اسی لیے شاعر نے بہترین انداز میں اس کے رتبے و مقام کو دکھلایا ہے تاکہ اسکی اہمیت کا اندازہ ہو سکے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ نظم کلیات کیفی اعظمی سے لی گئی ہے

صنف کی تعریف

نظم کے لغوی معنی دھاگے میں موتی پرونا ہے۔اصطلاح شعر میں کسی ایک موضوع پر اشعار کو سلسلہ وار منظّم کرنے کا نام ''نظم'' ہے۔نظم کے تمام اشعار ایک دوسرے سے دھاگے میں موتی کی طرح منظّم و مربوط ہوتے ہیں اسی لیے اسکو نظم کہتے ہیں۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں انکے نیچے خط کھینچئے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

شاعر کا تعارف

ممتاز ترقی پسند شاعر کیفی اعظمی 14 / جنوری 1919 کو اُتر پردیش کے ضلع اعظم گڑھ واقع ایک چھوٹے سے گاؤں مجواں میں پیدا ہوئے۔ان کے والد سید فتح حسین رضوی تھے۔کیفی اعظمی کی تعلیم گھر پر ہی ہوئی۔شاعری کا ذوق انہیں بچپن ہی سے تھا۔انہوں نے لکھنو اور الٰہ آباد یونیورسٹی سے کچھ امتحانات جیسے: دبیر ماہر، دبیر کامل، عالم، اعلیٰ قابل منشی اور منشی کامل کامیاب کیے اور اسناد حاصل کیں۔انکی نظموں اور غزلوں کے یہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔

1۔ جھنکار 2۔ آخری شب 3۔ آوارہ سجدے 4۔ ابلیس کی مجلس شوریٰ 5۔ سرمایہ

کیفی اعظمی کی شاعری میں انقلابی آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔وہ نئی صبح کے نقیب ہیں۔انہیں سماجی تبدیلیوں کا احساس ہے۔اور وہ ظلم و ناانصافی کے خلاف آواز اونچی کرتے ہیں کیفی کی شاعری میں کلاسیکی رچاؤ کے ساتھ نئے رنگ و آہنگ کا بھی پرتو ملتا ہے۔ان کی شاعری میں تنہائی کے کرب سے زیادہ سماجی کرب کا پتہ چلتا ہے۔وہ ادب کی صحت مند قدروں کے پاسبان ہیں۔انہیں کئی ایوارڈوں سے نوازا گیا جیسے پدم شری ایوارڈ، مجموعہ کلام آوارہ سجدے کے لیے ساہتیا اکیڈیمی ایوارڈ، بہترین نغمہ سات ہندوستانی کے لیے فلم فیر ایوارڈ، بہترین مکالموں (گرم ہوا) کے لیے فلم فیر ایوارڈ کے علاوہ دیگر کئی ایوارڈس انہیں حاصل ہوئے۔

ان کا انتقال 10 / مئی 2002 بہ عمر 83 سال ہوا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

عہد ماضی ہو کہ حاضر مرد نے عورت کو وہ مقام نہیں دیا جس کی وہ مستحق رہی ہے۔عورت کے تئیں مرد کی اسی ناانصافی کو شاعر نے ایک نئی جہت دی ہے۔عورت کے حصار عقلیت واستعداد عمل کی صلاحیتوں کو شاعر نے اسے کبھی افلاطون کہا ہے تو کبھی ارسطو اور کبھی زہرا پروین سے تشبیہ دی ہے دیکھا جائے تو عورت مرد کی طرح اپنے دائرے اختیار میں ایک ایسی انمول ہستی ہے جس کے بغیر دنیا کی کوئی بھی ترقی تنزل پزیر ہو جاتی ہے۔چنانچہ کہا گیا ہے ''مرد کی ترقی کے پیچھے عورت کا ہاتھ ہوتا ہے'' دین اسلام نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ عورت یعنی ماں کے پیروں تلے جنت ہے دبی کچلی سماج کے بندھنوں میں جکڑی عورت آج آزادی نسواں کے زینے طئے کرتی جاری ہے۔آزادی سے مراد یہ ہے کہ عورت ماں بہن بیوی کے طور طریقوں کو سمجھنے انہیں بروئے کار لائے سماج میں اپنی حیثیت منوانے میں آج عورت یکتائے زمانہ کی حیثیت کس طرح اختیار کر چکی ہے۔آیئے اس نظم کے ذریعے جانیں گے۔

I

اٹھ مری جان ! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے
قلب ماحول میں لرزاں شررِ جنگ ہیں آج
حوصلے وقت کے اور زیست کے یک رنگ ہیں آج
آبگینوں میں تپاں ولولۂ سنگ ہیں آج
حسن اور عشق ہم آواز وہم آہنگ ہیں آج
جس میں جلتا ہوں اسی آگ میں جلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

تیرے قدموں میں ہے فردوس تمدن کی بہار
تیری نظروں پہ ہے تہذیب و ترقی کا مدار
تیری آغوش ہے گہوارہ نفس و کردار
تابہ کے گرد ترے وہم و تعین کا حصار
کوند کر مجلس خلوت سے نکلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

سوچیے۔بولیے

1۔ آپ کے گھر میں کون کون رہتے ہیں اور وہ کیا کام انجام دیتے ہیں؟
2۔ شاعر عورت اور مرد کو ہم آواز اور ہم آہنگ کیوں کہتا ہے؟
3۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ مردوں اور عورتوں کے کام الگ الگ ہیں؟ کیوں؟
4۔ عورت کی عظمت کو اجاگر کرنے کے لیے شاعر نے فردوس تمدن سے تشبیہ دی ہے۔کیوں؟
5۔ عورت سماج کے کون کونسے بندھنوں میں بندھی ہوئی ہے؟
6۔ تہذیب کی ابتدا ماں کی آغوش سے ہوتی ہے۔کیسے اور کیوں؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

II

تو کہ بے جان کھلونوں سے بہل جاتی ہے
تپتی سانسوں کی حرارت سے پگھل جاتی ہے
پاؤں جس راہ میں رکھتی ہے پھسل جاتی ہے
بنکے سیماب ہر اک ظرف میں ڈھل جاتی ہے
زیست کے آہنی سانچے میں بھی ڈھلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

گوشہ گوشہ میں سلگتی ہے چتا تیرے لیے
فرض کا بھیس بدلتی ہے قضا تیرے لیے
قہر ہے تیری ہر اک نرم ادا تیرے لیے
زہر ہی زہر ہے دنیا کی ہوا تیرے لیے
رُت بدل ڈال اگر پھولنا پھلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان ! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

سوچیے ۔ بولیے

1۔ عورت سماجی اعتبار سے کمزور سمجھی جاتی ہے کیوں؟
2۔ عورت کی زندگی کے مختلف پہلو کیا ہوتے ہیں بیان کیجیے؟
3۔ آپ کے خیال میں عورتیں کون کونسے کام کرنا چاہیے اور کونسے نہیں۔ کیوں؟
4۔ ''فرض کا بھیس بدلنا'' سے کیا مراد ہے؟
5۔ عورت کی ترقی کے لیے کیا اقدامات لیے جانے چاہیے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

III

قدر اب تک تری تاریخ نے جانی ہی نہیں
تجھ میں شعلے بھی ہیں بس اشک فشانی ہی نہیں
تو حقیقت بھی ہے دلچسپ کہانی ہی نہیں
تیری ہستی بھی ہے اک چیز جوانی ہی نہیں

اپنی تاریخ کا عنوان بدلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان ! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

توڑ کر رسم کا بت بندِ قدامت سے نکل
ضعفِ عشرت سے نکل وہمِ نزاکت سے نکل
نفس کے کھینچے ہوئے حلقۂ عظمت سے نکل
قید بن جائے محبت تو محبت سے نکل

راہ کی خار ہی کیا گل بھی کچلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان ! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

سوچیے ۔ بولیے

1۔ شاعر کہتا ہے کہ دنیا اب تک عورت کی قدر نہیں کر رہی ہے۔ کیا آپ اس بات سے متفق ہیں؟ کیسے۔
2۔ ''رسم کو توڑنا'' کن موقعوں پر استعمال کیا جاتا ہے؟
3۔ شاعر عورت کو کس بات کی ترغیب دلا رہا ہے؟
4۔ کامیابی حاصل کرنا ہو تو کون کونسی منزلیں طئے کرنا پڑے گا؟
5۔ ''محبت قید بن جائے'' اس کا مطلب کیا ہے؟

IV

توڑ یہ عزم شکن دغدغۂ پند بھی توڑ
تیری خاطر ہے جو زنجیر وہ سوگند بھی توڑ
طوق یہ بھی ہے ''زمرد کا گلوبند'' بھی توڑ
توڑ پیمانۂ مردانِ خرد مند بھی توڑ

بنکے طوفان چھلکنا ہے ابلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان ! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

تو فلاطون و ارسطو ہے تو زہرا پرویں
تیرے قبضہ میں ہے گردوں تری ٹھوکر میں زمیں
ہاں اٹھا جلد اٹھا پائے مقدر سے جبیں
میں بھی رکنے کا نہیں وقت بھی رکنے کا نہیں

لڑکھڑائے گی کہاں تک کہ سنبھلنا ہے تجھے
اٹھ مری جان ! مرے ساتھ ہی چلنا ہے تجھے

سوچیے ۔ بولیے

1۔ مندرجہ بالا دو بند کس بات کی طرف اشارہ کرتے ہیں؟
2۔ ''زمرد کا گلوبند'' سے کیا مراد ہے؟
3۔ شاعر عورت کو ''طوفان'' سے کیوں تشبیہ دے رہا ہے؟
4۔ ہندوستان کی چند ایسی خواتین کے نام بتایئے جنہوں نے نمایاں خدمات انجام دیں۔
5۔ آپ افلاطون اور ارسطو کے بارے میں کیا جانتے ہیں بتایئے۔
6۔ شاعر عورت کو کن بندھنوں سے آزاد ہو کر طوفان بننے کو کہہ رہا ہے؟
7۔ شاعر عورت کی کونسی خوبیوں کو گنواتے/ بتاتے ہوئے سنبھلنے کو کہہ رہا ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

خلاصہ

شاعر نے اس نظم میں ایک کمزور، تقدیر پر بھروسہ کرنے، اپنے آپ کو مقدر کی نذر کرنے والی ایسی ایک عورت کا تصور پیش کیا ہے جو سماج میں اپنے وجود کی گمشدگی کا رونا روتی رہی ہے اور ایسی ہی عورت کے دل میں شاعر نے ولولوں کے وہ طوفان اُٹھائے ہیں کہ مردوں کے خودساختہ جبر و استداد کے محل مٹی کے تودوں کی طرح ڈھیر ہوتے نظر آتے ہیں۔

مرد بالادست سماج (Male dominated society) میں عورت حوصلہ شکن مرحلوں سے ہوکر گزر رہی ہے، اس کے باوجود وہ اپنے اندر بے شمار صلاحیتیں رکھتی ہے۔ ہمارا سماج اسکی مجبوریوں کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے اسکی ہر طرح حوصلہ شکنی کرتا رہا ہے۔ اس نظم میں ان ہی باتوں کو شاعر نے بڑے ہی دلگداز انداز میں بیان کیا ہے۔

نظم کے پہلے بند میں شاعر نے آج کے ہمارے سماج کی جہاں تصویر کھینچی ہے وہیں اس نے بتایا ہے کہ ہمارے ماحول میں مرد و زن دونوں برابری کا حق رکھتے ہیں سبھی کے حوصلے یک رنگ یعنی ایک جیسے ہیں اور ایسے ماحول میں عورت کو بھی شاعر کے ساتھ یعنی مردوں کے دوش بہ دوش برابری کرنی چاہیے۔

عورت کی عظمت اور اسکی رفعتوں کے اظہار کے لیے شاعر نے اسے ''فردوس تمدن کی بہار'' کہا ہے یعنی عورت ہی ہمارے تمدن و تہذیب کو برقرار رکھ سکتی ہے اور ہمارے سماج کو جنت نشاں بنا سکتی ہے۔ ''تابہ'' یعنی توا جس پر روٹی پکتی ہے۔ تابہ کے گرد ترے وہم تعین کا حصار سے شاعر کی مراد یہ ہے کہ عورت کی دنیا صرف بارورچی خانہ تک محدود سمجھی جاتی ہے۔

شاعر نے عورت کی بے بسی و مجبوری کو اپنے فرائض کا حصار'' بتایا ہے جسکی وجہ سے دنیا عورت کے لیے زہر جیسی بن گئی ہے لیکن شاعر نے کہا ہے کہ وہ وقت کو بدل ڈالے یعنی حالات کو پلٹ دے اور آگے بڑھے۔

شاعر نے عورت کو نصیحت کے انداز میں مخاطب ہوکر کہہ رہا ہے کہ ہمارے سماج میں عورت کے لیے لایعنی رسم و رواج جو قدامت پسندی کا لبادہ اُوڑھے ہوئے ہیں وہ عورت کے اندر احساس محرومی کو اُجاگر کرتے ہیں اس لیے عورت کو چاہیے کہ وہ زمانے کے اچھے برے کو سمجھتے ہوئے اپنی حیثیت کو منوائے۔

شاعر نے عورت کو آج کی اس دنیا میں جینے کے لیے اس کے اندر بغاوت کے جذبات بھی جگائے ہیں اور کہا ہے کہ عورت کو چاہیے کہ وہ خوف و ہراس کے چنگل سے باہر نکلے اور زمرد کا گلوبند یعنی سماجی پابندیوں کی قید سے آزاد ہوجائے اور پیمانہ فرد'' یعنی وہ مرد جو عورت کو گھر کے اندر دیکھنا چاہتے ہیں تو گھر کے باہر کی دنیا کو دیکھے اور اس طرح اپنی زندگی کو گہربار کرے۔

شاعر نے عورت کی ہمت افزائی کے لیے اسے افلاطون و ارسطو جیسے نامور زمانہ ساز ہستیوں سے اُونچا بتایا ہے اور کہا ہے کہ وہ پائے مقدر سے اپنی جبیں کو اُٹھائے یعنی اپنی بے بسی پر نہ روئے۔ اس لیے کہ وقت کسی کے لیے نہیں رُکتا اور وقت کے ساتھ چلنے والے ہی اپنی منزل مقصود کو پالیتے ہیں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

نظم عورت ترقی پسند جمالیات' فکر وفن سے مرصع و مزین ہے نہ صرف یہ بلکہ یہ نظم زن مجاز رجحانات (Woman empowerment) سے مملو ہے۔

نظم میں تراکیب' تشبیہات' استعارات' محاوروں اور علامات کے استعمال نے اسے خوب سے خوب تر بنادیا ہے

یہ زندگی کا المیہ ہی ہے کہ مردوں نے عورت کو ایک خوبصورت پھول سے زیادہ نہیں سمجھا جب کہ شاعر نے بتایا ہے کہ عورت صرف رونے دھونے کا نام نہیں ہے بلکہ اس کے اندر جذبات واحساسات کے شعلے بھی لپکتے ہیں اور عورت کوئی کہانی نہیں ہے کہ جس کو پڑھ کر یا سن کر لطف اندوز ہو جائیں یا پھر یہ بھی نہیں کہ عورت صرف جوانی کا ایک خواب ہے بلکہ عورت کو تاریخ کے اوراق میں دیکھا جائے تو وہ ہمت وحوصلہ' صبر واستقامت ایثار وقربانی جیسی بلندیوں پر نظر آئے گی۔ اور یہ عورت کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تاریخ کو بدل ڈالے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کے سوالات کے جواب دیجیے۔

1۔ نظم کو ترنم کے ساتھ سنایئے۔ اشعار کا مطلب بیان کیجیے۔

2۔ شاعر نے اس نظم میں عورت کی ترقی میں پیش آنے والی کون کونسی رکاوٹوں کا ذکر کیا ہے؟

(ب) پڑھیے سمجھ کر بولیے

1۔ نظم کے پہلے بند میں شاعر ماحول کی عکاسی کس طرح کر رہا ہے؟

2۔ نظم پڑھیے اور اس بند کو تلاش کر کے لکھئے جس میں شاعر عورت کو پابندیوں کو زنجیر توڑنے کی ترغیب دیتا ہے۔

3۔ اس نظم کے شاعر کون ہیں۔ آپ ان کے بارے میں کیا جانتے ہیں؟

4۔ شاعر منزل کی تلاش اور جستجو کے لیے عورت کو کس طرح حوصلہ دیتا ہے؟

5۔ نظم کے آخری بند میں شاعر کا اشارہ کس طرف ہے؟

6۔ ''تو حقیقت بھی ہے دلچسپ کہانی ہی نہیں'' اس مصرعہ سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ج) درج ذیل میں چند جملے دیے گئے ہیں ان سے متعلقہ اشعار نظم سے ڈھونڈ کر لکھئے۔

1۔ عورت کی وجہ سے ہی سماج میں تبدیلی ممکن ہے؟

2۔ ماں کے قدموں تلے جنت ہے؟

3۔ کوشش کرنے سے ہی منزل تک پہنچ سکتے ہیں؟

4۔ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔

(د) ذیل کا پیراگراف پڑھیے دیئے گئے سوالوں کے جواب لکھیے۔

میری عمر اب چالیس سال سے اوپر ہے اور میں تین بیٹوں کی ماں ہوں۔ میری بیٹی کوئی نہیں ہے۔ میں نے زندگی بھر کام کیا ہے۔ بچپن سے لے کر اب تک جب کہ میں خود ایک بھری پُری گرہستی ہوں۔ میری زندگی کا دائرہ بہت محدود ہے۔ بہت گھومی پھری بھی نہیں ہوں۔ گنتی کے یہی پانچ سات چھوٹے شہر دیکھے ہیں۔ بدیس کی بات تو چھوڑو میں نے اپنے ملک کے بمبئی، مدراس، کلکتہ جیسے بڑے بڑے شہروں کے نام بھی صرف اخباروں میں پڑھے ہیں۔ انہیں قریب سے جا کر نہیں دیکھا۔ دہلی میں صرف ایک ہی بار گئی تھی۔ وہ بھی شروع شروع میں جب میری شادی ہوئی تھی۔ مجھے معلوم نہیں کہ بڑے بڑے شہروں میں لوگ کیسے جیتے ہیں خاص طور سے عورتیں میری ہی طرح جیتی ہوں گی بیچاری ان کی تقدیریں بھی تو اسی نے لکھی ہوں گی جس نے ہم سب کی تقدیریں لکھی ہیں۔

1۔ یہ پیراگراف کس سے متعلق ہے؟

2۔ عورت کیا کہتی ہے؟

3۔ کام کرنے والی عورت ہونے کے باوجود وہ زیادہ شہروں کو نہ دیکھ سکی کیوں؟

4۔ عورت اپنے متعلق کیا سوچ رہی ہے؟

5۔ کیا تقدیر کو کوسنا اچھا ہے؟ وضاحت کیجیے۔

II. اظہار مافی الضمیر۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 10 یا 12 جملوں میں لکھئے۔

1۔ اردو ادب میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کا بھی اہم کردار ہے۔ کوئی خاتون ادیب یا شاعرہ کا تعارف کرواتے ہوئے ان پر ایک مضمون لکھئے

2۔ نظم میں موجود جوش اور ولولہ پیدا کرنے والی باتوں سے متعلق اپنے الفاظ میں ایک مضمون لکھئے

(ب) تخلیقی طور پر لکھئے

1۔ خواتین کو بااختیار بنانے کے لیے کون کونسے پروگراموں کو روبہ عمل لایا جاسکتا ہے۔ چند تجاویز پیش کیجیے

2۔ ''لڑکی رحمت ہے نہ کہ زحمت'' اس عنوان پر سماجی بیداری کے لیے ایک پوسٹر تیار کیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ج) توصیفی انداز میں لکھئے

1۔ بعض ملازمت پیشہ خواتین اپنے فرائض بخوبی انجام دیتے ہوئے گھریلو ذمہ داریوں کی بھی بحسن خوبی تکمیل کرتی ہیں۔ آپ کے علاقے میں اگر کوئی ایسی خاتون موجود ہو تو اس کی توصیف کرتے ہوئے ایک پیراگراف لکھئے۔

یا

آپ کو معلوم کوئی خاتون کسی بھی شعبہ میں گراں قدر خدمات انجام دی ہو۔ اس کی توصیف کرتے ہوئے اپنے دوست کے نام ایک خط لکھئے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) درج ذیل الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ زیست 2۔ آغوش 3۔ آبگینہ 4۔ حصار 5۔ سوگند

6۔ ظرف 7۔ پیمانہ 8۔ جہد 9۔ حوصلہ 10۔ لہو

(ب) ان الفاظ کی وضاحت کیجیے۔

1۔ فردوس تمدن کی بہار: _____

2۔ آزادروش پر مچلنا : _____

3۔ زمرد کا گلوبند توڑنا : _____

4۔ رُت بدل ڈالنا : _____

5۔ طوفان بن کے چھلکنا: _____

(ج) درج ذیل الفاظ کے ہم معنی الفاظ نظم کے کونسے مصرعہ میں ہیں ڈھونڈ کر لکھئے

1۔ لڑکھڑانا : _____ 2۔ مقرر کرنا _____

3۔ گھیرا : _____ 4۔ بجلی چمکنا _____

(د) نظم میں کئی مرکب الفاظ استعمال کئے گئے۔ انہیں ڈھونڈ کر ان کے معنی تلاش کیجیے۔

_____ : _____ _____ : _____

_____ : _____ _____ : _____

_____ : _____ _____ : _____

_____ : _____ _____ : _____

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

قواعد

الف۔ اس شعر پر غور کیجئے۔

جب ہاتھ اسکی نبض پر رکھا طبیب نے　　محسوس یہ کیا کہ بدن میں لگی ہے آگ

اس شعر میں آگ سے مراد بدن کی حرارت ہے نہ کہ حقیقی آگ اور حقیقی معنی مراد لیا بھی نہیں جا سکتا۔

مجاز مرسل: جب کسی لفظ کے حقیقی معنی کو ترک کر کے صرف مجازی معنی میں استعمال کیا جائے۔ تو ''مجاز مرسل'' کہلاتا ہے

ب۔ اس شعر پر غور کیجئے۔

کہنا کہ دیارِ غربت میں اک غمزدہ روتا رہتا ہے　　دن رات تمہاری فرقت میں منہ اشکوں سے دھوتا رہتا ہے

گلہائے محن کو آنسو کے تاروں میں پروتا رہتا ہے　　اے ابرواں جا سوئے وطن جا سوئے وطن

اس بند میں ''اشکوں سے منھ دھونا اور آنسوؤں کے تار پرونا'' کنایہ ہے۔

کنایہ: کلام میں حقیقی معنی چھوڑ کر مرادی معنی لینا ''کنایہ'' کہلاتا ہے۔ اور حقیقی معنی بھی مراد لیا جا سکتا ہے۔

مشق:

ان اشعار میں مجاز مرسل اور کنایہ کی نشاندہی کیجئے۔

طالع سے کسے تھی ایسی امید　　نکلا ہے کدھر سے آج خورشید

میری آبرو ترے ہاتھ ہے　　مری زندگانی ترے ہاتھ ہے

گر کہے کوئی یا علی حیدر　　بھاگے کانوں میں انگلیاں رکھ کر

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

1۔ ''عورت'' پر لکھی گئی دیگر شعراء کی نظموں کو جمع کیجیے اور انہیں کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنائیے۔

2۔ کھیل کے میدان میں مشہور خواتین سے متعلق تفصیلات جمع کیجیے اور انہیں کمرہ جماعت میں آویزاں کیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

10

ترغیب

ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام

پڑھیے۔سوچیے۔بولیے

شاہین ایک ذہین لڑکی ہے۔اس کی دلی خواہش ہے کہ وہ ایک سائنسداں بنے۔ وہ کائنات کی ہر شئے سے متعلق تحقیقی نقط نظر رکھتی ہے تعلیمی و سائنسی نمائشوں میں اس نے کئی انعامات بھی حاصل کیے۔ وہ سائنسدانوں سے متعلق کتب کا مطالعہ کرتی ہے۔اپنے شکوک و شبہات کے ازالے کے لیے اساتذہ اور اپنے بڑوں سے مشورہ کرتی ہے۔ایک دن ان کے گاؤں میں سائنسی سیمنار میں شرکت کی غرض سے ایک سائنسدان کی آمد ہوتی ہے وہ ان سے ملاقات کرتی ہے۔

سوالات:

1۔ شاہین نے سائنسداں سے کیا پوچھا ہوگا؟

2۔ سائنسداں نے شاہین سے کیا کہا ہوگا؟

3۔ شاہین سائنسداں بننا چاہتی ہے۔آپ کیا بننا چاہیں گے؟اس کے لیے آپ کیا کریں گے؟

4۔ ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوکر، تحقیقی اداروں کو جلا بخشتے ہوئے بھارت رتن کا خطاب حاصل کرنے والے سائنسداں کون ہیں؟

مقصد:

ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوکر شہرت کی چوٹیوں کو سر کرنے والی ایک عظیم شخصیت کی زندگی طلباء میں مقاصد کے حصول کے لیے تحریک کا باعث بن سکے۔یہی اس سبق کا مقصد ہے

یہ سبق ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی ارون تیواری سے ملکر لکھی گئی کتاب آپ بیتی'' کا اقتباس ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ سبق سابق صدر جمہوریہ ہند ڈاکٹر اے۔پی۔جے عبدالکلام کی خودنوشت سوانح حیات ''پرواز'' سے ماخوذ ہے۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

صنف کی تعریف

کوئی بھی شخص اپنی زندگی کے حالات کو کتابی شکل دیتا ہے تو اسے ''آپ بیتی'' کہتے ہیں۔اس کو خودنوشت بھی کہا جاتا ہے۔اس میں زندگی کے حالات کی عکاسی کی جاتی ہے۔اس سے مصنف کے تجربات ہی نہیں بلکہ اس دور کے سماجی، معاشی اور سیاسی حالات سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔اس کے ذریعے دوسروں کو ترغیب ملتی ہے۔

مصنف کا تعارف

اے پی جے عبدالکلام کے نام سے پہچانے جانے والے ابوالفقیر زین العابدین عبدالکلام 15 اکٹوبر 1931ء کو ریاست تامل ناڈو میں رامیشورم کے قریب میں واقع دھنش کوٹی میں پیدا ہوئے۔ متوسط گھرانے سے تعلق رکھنے کے باوجود عزم مصمم، نظم و ضبط، علم کی جستجو کے ساتھ بحیثیت انجینئر سائنسداں اور صدر جمہوریہ انہوں نے ملک کے لیے گرانقدر خدمات انجام دیں۔''اگنیسیڈ مائنڈس''، ''دی ونگس آف فائر''، ''آپ بیتی''، وغیرہ ان کی تصانیف ہیں۔سائنسی شعبہ میں بیش بہا خدمات کے پیش نظر انہیں حکومت ہند نے پدم بھوشن، پدم وبھوشن کے ساتھ ساتھ ملک کے سب سے اعلیٰ ترین اعزاز ''بھارت رتن'' سے بھی نوازا۔اس کے علاوہ کئی ایک قومی اور بین الاقوامی جامعات نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں بھی عطا کیں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

''میرے راستے میں رکاوٹیں، مایوسیاں اور پریشانیاں آئیں لیکن میرے والد کے الفاظ نے اس وقت کی مبہم صورت حال میں مجھے بڑا سہارا دیا۔'' عالم وہ ہے جو دوسروں کو جانتا ہے، لیکن جو خود کو پہنچانتا ہے وہ دانا کہلاتا ہے۔ وہ علم کس کام کا جو حکمت و دانائی سے عاری ہو۔'' یہ الفاظ اے۔ پی۔ جے عبدالکلام کے ہیں جنہوں نے غربت کی انتہائی نچلی سطح سے سفر کرتے ہوئے خود کو عظمت کی بلندیوں تک پہنچایا۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ انہوں نے عزم و استقلال کے ساتھ یہ سفر کیسے طئے کیا اور اس راہ میں حائل دشواریوں کو کیسے عبور کیا؟۔۔۔۔۔۔

(I)

شوارٹس ہائی اسکول، رام ناتھ پورم میں جوں ہی میرے قدم جمے میرے اندر کا پندرہ سالہ جوشیلا نوجوان اُبھر کر سامنے آ گیا۔ میرے استاد آیا دورائی سولومن ایک ایسے مشتاق مگر ناپختہ ذہن کے لیے ایک مثالی رہنما تھے جو اپنے سامنے کے امکانات اور متبادل صورتوں کے بارے میں ہنوز مذبذب ہو۔ ان کے طلبہ کلاس میں ان کے شفقت آمیز رویے اور وسیع الذہنی سے بہت زیادہ خوش رہتے۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ایک اچھا طالب علم اپنے برے استاد سے جتنا زیادہ سیکھ سکتا ہے ایک کمزور طالب علم اپنے ماہر استاد سے بھی اتنا حاصل نہیں کرسکتا۔ رام ناتھ پورم میں میرے قیام کے دوران ان سے میرے تعلقات ایک استاد اور شاگرد سے کہیں زیادہ بڑھ گئے تھے۔ میں ان کی صحبت میں رہ کر یہ سیکھا کہ ایک انسان اپنی زندگی میں رونما ہونے والے واقعات پر کس طرح غیر معمولی اثر ڈال سکتا ہے۔ آیا دورائی سولومن کہا کرتے کہ ''زندگی میں کامیابی حاصل کرنے اور بہتر نتائج برآمد کرنے کے لیے ضروری ہے کہ تم تین قومی عناصر.....خواہش، یقین اور توقع کو سمجھو اور ان پر غالب آجاؤ''۔ آیا دورائی سولومن نے جو بعد میں پادری ہوگئے تھے مجھے بتایا کہ ہر وہ بات جو میں چاہتا ہوں ہوسکتی ہے اگر اس کے لیے میرے اندر شدید خواہش ہو اور اسکے بارے میں قطعی یقین بھی ہو تو وہ ضرور ہوکر رہتی ہے۔ میری زندگی ہی سے ایک مثال لے لو۔ بچپن ہی سے آسمان کے اسرار رموز اور پرندوں کی پرواز میرے لیے کشش رکھتی تھی۔ میں اکثر سارسوں اور سمندری بگلوں کو اونچا اُڑتا دیکھتا تو میرا جی چاہتا میں بھی اسی طرح اُڑا کروں۔ ہر چند کہ میں ایک سیدھا سادہ لڑکا تھا مگر مجھے اس بات پر کامل یقین تھا کہ میں بھی ایک دن اسی طرح آسمانوں میں پرواز کروں گا۔ رامیشورم سے اُڑنے والا واقعتاً میں ہی وہ پہلا بچہ تھا۔

آیا دورائی سولومن ایک عظیم استاد تھے۔ انہوں نے تمام بچوں میں ان کی اپنی قدر و قیمت کا احساس پیدا کردیا تھا۔ سولومن نے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

میری عزت نفس کو ایک بلند مقام تک پہنچا دیا اور مجھے یہ باور کرا دیا کہ ایسے والدین کا لڑکا بھی جو تعلیم کے فوائد سے محروم رہے ہوں وہ جو کچھ بننا چاہے اس کی خواہش کر سکتا ہے۔ وہ کہا کرتے ''اگر اعتماد ہو تو تم اپنی قسمت بدل سکتے ہو''۔

شوارٹس میں میری تعلیم پوری ہوتے ہی مجھ جیسے لڑکے میں اتنی خود اعتمادی پیدا ہو گئی تھی کہ اپنی کامیابی کے لیے میں نے مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ لہٰذا مزید تعلیم حاصل کرنے کا فیصلہ لینے میں مجھے دوبارہ سوچنے کی ضرورت نہیں پڑی۔ ان دنوں ہمارے لیے پیشہ وارانہ تعلیم کے امکانات کی واقفیت کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ اعلیٰ تعلیم کا مفہوم صرف کالج جانا ہوتا۔ قریب ترین کالج ترو چھیراپلی میں تھا۔ ان دنوں اسے ٹری چی نوپولی لکھا جاتا اور اختصار کے طور پر ٹری چی کہا جاتا تھا۔ انٹرمیڈیٹ امتحان کی تیاری کے لیے میں 1950ء میں سینٹ جوزف کالج ٹری چی پہنچا۔ امتحان کے گریڈ کے اعتبار سے میں کوئی ذہین طالب علم نہ تھا۔

جب کبھی میں شوارٹس سے رامیشورم جاتا میرا بڑا بھائی مصطفیٰ کمال جس کے ریلوے اسٹیشن روڈ پر کرانے کی دوکان تھی، مجھے اپنی مدد کے لیے بلاتا اور دوکان کو میرے سپرد کر کے کئی کئی گھنٹوں کے لیے غائب ہو جاتا۔ میں تیل، پیاز، چاول اور دوسری چیزیں بیچتا۔ میں نے بہت تیزی سے بکنے والی چیزوں میں سگریٹ اور بیڑی کو پایا۔ مجھے حیرت ہوا کرتی کہ غریب لوگوں کو کس بات نے مجبور کیا کہ وہ اپنی گاڑھی کمائی دھوئیں میں اُڑائیں۔ جب مصطفیٰ کے کام سے مجھے چھٹی ملتی تو میرا چھوٹا بھائی قاسم محمد اپنا کھوکھا میرے حوالے کر دیتا جہاں میں سیپ اور گھونگھوں سے بنے نوادر فروخت کیا کرتا۔

سینٹ جوزف میں ہمارے اساتذہ کانچی پورم اچاریہ کے صحیح پیرو تھے۔ جنہوں نے لوگوں میں یہ احساس بیدار کر دیا تھا کہ ''بخشش کے عمل سے لطف اٹھاؤ''۔ ریاضی کے ہمارے استاد پروفیسر تھوتھا گھری آینگر اور پروفیسر سوریا نارائن شاستری کی، جو کیمپس میں ساتھ ساتھ ٹہلا کرتے تھے، شگفتہ یاد آج بھی میرا حوصلہ بڑھاتی ہے۔

سینٹ جوزف میں جب میرا آخری سال تھا تو مجھے انگریزی ادب کا شوق ہوا۔ میں نے ادب عالیہ کا مطالعہ شروع کیا۔ ٹالسٹائے، اسکاٹ اور ہارڈی اپنے بدیسی ماحول کے باوجود خاص کر میرے پسندیدہ مصنفین تھے۔ بعد ازاں میں فلسفے کی کچھ کتابوں کی طرف متوجہ ہوا۔ اس زمانے کے آس پاس طبیعات میں میری دلچسپی بہت زیادہ بڑھ گئی۔

مجھے حیرت ہے کہ کچھ لوگ سائنس کو ایسی چیز کیوں سمجھنا چاہتے ہیں جو خدا سے دور لے جاتی ہے۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ سائنس کا راستہ ہمیشہ دل سے گذرتا ہے۔ میرے لیے سائنس ہمیشہ ہی روحانی بالیدگی اور خود شناسی کا راستہ رہی ہے۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ ایک اچھا طالب علم اپنے برے استاد سے جتنا زیادہ سیکھ سکتا ہے ایک کمزور طالب علم اپنے ماہر استاد سے بھی اتنا حاصل نہیں کر سکتا۔ کیسے؟

2۔ عزت نفس کو بلند مقام تک پہنچانا سے کیا مراد ہے؟

3۔ ''روحانی بالیدگی اور خود شناسی کا راستہ'' سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(II)

جب میں نے سینٹ جوزف کالج میں بی۔ایس۔سی۔ڈگری کورس میں داخلہ لیا تو اس وقت میں اعلیٰ تعلیم کے لیے کسی دوسرے اختیاری مضمون سے واقف تھا نہ مجھے اس کا علم تھا کہ ایک سائنس کے طالب علم کے لیے کیا کیا پیشہ وارانہ مواقع دستیاب ہیں۔ بی۔ایس۔سی کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد ہی مجھے محسوس ہوا کہ طبیعات میرا موضوع نہیں۔ مجھے انجینئرنگ لینا چاہیے تھی تاکہ میرے خواب شرمندہ تعبیر ہوسکیں۔ بہت پہلے انٹرمیڈیٹ کورس پورا کرتے ہی مجھے انجینئرنگ میں داخلہ لے لینا چاہیے تھا۔ میں نے خود کو سمجھایا کہ کبھی نہ ہونے سے اچھا ہے دیر ہی میں سہی مگر ہوتو جائے۔ میں اپنا راستہ بدلتے ہوئے MIT مدراس میں جو اس زمانے میں شمالی ہند میں تکنیکی تعلیم کے تاج کا ہیرا کہلاتا تھا۔ داخلے کے لیے درخواست گزاری۔

میرا نام منتخب امیدواروں کی فہرست میں شامل تھا۔ مگر اس اعلیٰ درجے کی شہرت رکھنے والے ادارے میں داخلہ بہت مہنگا سودا تھا۔ تقریباً ایک ہزار روپے کی ضرورت تھی اور میرے والد اتنی بڑی رقم فراہم نہیں کرسکتے تھے۔ ایسے آڑے وقت میں میری بہن زہرہ نے اپنی سونے کی چوڑیاں اور زنجیر گروی رکھ کر میری پشت پناہی کی۔ مجھے اس کے اس ارادے نے بہت متاثر کیا کہ وہ مجھے ایک تعلیم یافتہ انسان دیکھنا چاہتی تھی اور میری صلاحیتوں پر اس کے اعتماد کا مجھ پر مزید اثر ہوا۔

MIT میں سب زیادہ جس چیز نے مجھے اپنا گرویدہ بنایا وہ دو خارج شدہ طیاروں کا منظر تھا جو وہاں اُڑن مشینوں کے مختلف ذیلی نظاموں کو سمجھانے کے لیے رکھے گیے تھے۔ میں نے ان میں اپنے اندر عجیب سی کشش محسوس کی۔ میں ان کے پاس پہروں بیٹھا رہتا جب کہ دوسرے طلبہ واپس اپنے ہوسٹل چلے جاتے اور میں پرندے کی طرح آکاش میں آزادنہ اُڑنے کی انسان کی خواہش کی تعریف کیا کرتا۔ پہلے سال کی تعلیم پوری کرنے کے بعد جب مجھے مخصوص شاخ کے بارے میں فیصلہ کرنا تھا تو میں نے تقریباً برجستہ فضائی انجینئرنگ کا انتخاب کیا۔ اب میرے ذہن میں مقصد بہت واضح ہوگیا تھا کہ مستقبل میں مجھے ہوائی جہاز اُڑانا ہے۔ مجھے اس بات پر کامل یقین تھا حالاں کہ میرے یہاں اپنی بات منوانے کی صلاحیت کا فقدان تھا اور میں اس سے بخوبی واقف بھی تھا۔ غالباً یہ میرے حقیر پس منظر کی دین تھا۔ اس زمانے میں مختلف لوگوں کے ساتھ میں نے افہام وتفہیم کی مخصوص کوششیں کیں۔ میرے راستے میں رکاوٹیں، مایوسیاں اور پریشانیاں آئیں لیکن میرے والد کے حوصلہ افزا الفاظ نے اس وقت کی مبہم صورت حال میں مجھے بڑا سہارا دیا۔ ''عالم وہ ہے جو دوسروں کو جانتا ہے لیکن جو خود کو پہنچانتا ہے وہ دانا کہلاتا ہے۔ وہ علم کس کام کا جو حکمت ودانائی سے عاری ہو''۔

MIT میں میری تعلیم کے دوران تین استادوں نے میری فکر کی تشکیل کی۔ ان تینوں کی مشترکہ کوششوں نے ایک بنیاد رکھی جس پر بعد میں میرے پیشہ وارانہ کیریر کی تعمیر ہوئی۔ یہ تین استاد تھے پروفیسر اسپانڈر، پروفیسر کے اے وی پنڈالائی اور پروفیسر نراسنگھ راؤ۔ ان میں ہر ایک منفرد شخصیت کا مالک تھا۔ لیکن ان تینوں میں قوت متحرکہ مشترک تھی یعنی وہ صلاحیت جو اپنے طلبہ کی علمی پیاس کو محض ذہانت اور انتھک لگن سے بجھاتی تھی۔

علم طیارہ سازی نہ صرف دلچسپ موضوع ہے بلکہ اس میں آزادی کا اعلان بھی مضمر ہے۔ آزادی اور افراد کے درمیان حرکت اور

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

جنبش کے درمیان پھسلن اور بہاؤ کے درمیان جو عظیم فرق ہے وہ اس سائنس کے رموز کا سرچشمہ ہے۔ میرے استادوں نے ان حقائق کو مجھ پر واضح کیا۔ انہوں نے باریک بینی کے ساتھ اپنی تدریس کے ذریعے علم طیارہ سازی کے لیے میرے اندر جوش وخروش پیدا کر دیا۔

معلومات کے زبردست امتزاج نے آہستہ آہستہ میرے ذہن میں جگہ بنانی شروع کر دی۔ ہوائی جہازوں کے ساختیاتی خدوخال نے نئے معنی اختیار کرنا شروع کر دیئے۔

میں ہوائی جہاز کو حرکت دینے اس کا ڈھانچا' کنٹرول اور آلاتی عمل کا نقشہ بنانے کے کام کو تقسیم کیا۔ ایک دن ڈیزائن کے استاد پروفیسر سری نیواسن نے جو اس وقت MIT کے ڈائرکٹر تھے میری پیش رفت کا جائزہ لیا اور اسے بیحد ناقص اور مایوس کن بتایا۔ آخر کار میں نے اس کام کو پورا کرنے کے لیے ایک مہینے کی مہلت طلب کی۔ پروفیسر نے میری طرف کچھ دیر غور سے دیکھا اور کہا ''اے نوجوان سنو' آج جمعہ کی سہ پہر ہے۔ میں تمہیں تین دن کا وقت دیتا ہوں۔ اگر پیر کی صبح تک مجھے ہیئت کا خاکہ نہ ملا تو تمہارا وظیفہ ختم کر دیا جائے گا''۔ میں ششدر رہ گیا۔ وظیفہ تو میری زندگی کی ڈور تھا۔ اگر وظیفہ بند ہو گیا تو میں بالکل بے سہارا ہو جاؤں گا۔ میرے سامنے اب اس کے سوا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ میں رات بھر ڈرائینگ بورڈ پر جما رہا' کھانا بھی نہیں کھایا۔ دوسرے دن صرف ایک گھنٹے کا وقفہ لیا تا کہ کچھ کھا پی لوں اور تازہ دم ہو جاؤں۔ اتوار کی صبح

میرا کام پورا ہوا چاہتا تھا کہ اچانک مجھے اپنے کمرے میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا۔ پروفیسر سری نیواسن کچھ فاصلے سے مجھے دیکھ رہے تھے۔ وہ سیدھے جم خانے سے آ رہے تھے اور ابھی اپنے ٹینس کے لباس میں ہی تھے کہ میری پیش رفت دیکھنے کے لیے رُک گئے تھے۔ میرے کام کا معائنہ کرنے کے بعد مجھے شفقت سے گلے لگا لیا اور پیٹھ ٹھونک کر مجھے شاباشی دی۔ انہوں نے کہا ''میں جانتا تھا کہ معینہ مدت میں اس کام کی تکمیل کے لیے جو قطعی ناممکن تھی تم سے کہہ کر میں نے تمہیں مصیبت میں ڈال دیا تھا۔ مجھے ہرگز امید نہ تھی کہ تم اسے اتنی اچھی طرح پورا کر سکو گے''۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ خواب شرمندہ تعبیر کب اور کیسے ہو سکتے ہیں؟

2۔ افہام وتفہیم کی مخصوص کوششیں سے کیا مراد ہے؟

3۔ ''رموز کا سرچشمہ'' سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(III)

پروجیکٹ کے باقی وقت کے دوران میں نے ایک انشائیے کے مقابلے میں حصہ لیا جسے MIT تامل سنگم (لٹریری سوسائٹی) نے منعقد کیا تھا۔ میں نے ایک مضمون ''ہمیں اپنا ہوائی جہاز خود بنانا چاہیے'' کے عنوان سے تامل زبان میں لکھا۔ یہ بہت پسند کیا گیا اور مقابلے میں جیت میری ہوئی۔ مشہور تامل ہفتہ وار'' آنند وکاتن کے مدیر دیوان نے مجھے پہلا انعام سے سرفراز کیا۔

MIT میں میری سب سے زیادہ اثر انگیز یادداشت پروفیسر اسپانڈر سے متعلق ہے۔ رسم الوداع کے موقع پر ہم لوگ گروپ فوٹو گراف کے لیے تصویر کھنچوا رہے تھے۔ تمام فارغ التحصیل طلبہ تین قطاروں میں کھڑے تھے۔ اور پروفیسر حضرات آگے بیٹھے ہوئے تھے۔ یکا یک پروفیسر اسپانڈر کھڑے ہوئے اور میری طرف دیکھا۔ میں تیسری قطار میں کھڑا تھا۔ انہوں نے کہا ''ادھر آؤ اور میرے ساتھ آگے بیٹھو''۔ میں پروفیسر اسپانڈر کی اس دعوت پر حیران رہ گیا۔ ''تم میرے بہترین شاگرد ہو تمہاری سخت محنت ہی مستقبل میں تمہارے اساتذہ کا نام روشن کرنے میں تمہاری مدد کرے گی''۔ ان کی اس تعریف سے میں گھبرا گیا مگر ان کی قدر شناسی نے مجھے عزت بخشی اور میں پروفیسر اسپانڈر کے ساتھ تصویر کھنچوانے کے لیے بیٹھ گیا۔ ''اللہ ہی تمہارا آسرا' سہارا اور ہادی ہے۔ وہی تمہیں مستقبل کے سفر میں روشنی دکھائے گا'' یوں اس دروں بین عبقری انسان نے مجھے خدا حافظ کہا۔

MIT سے تربیت کے لیے میں ہندوستان ایرونوٹکس لمیٹیڈ (HAL) بنگلور گیا۔ وہاں ٹیم کے ایک فرد کی حیثیت سے میں نے انجن کی اور ہالنگ کی۔ ہوائی جہاز کے انجن اوور ہالنگ کا یہ تجربہ بہت سبق آموز تھا۔ جب کوئی اصول کلاس روم میں پڑھا جاتا ہے اور اس کی تصدیق عملی تجربے سے ہوتی ہے تو ایک عجیب سے ہیجان کا احساس ہوتا ہے۔ یہ کیفیت بالکل ایسی ہوتی ہے جیسے اجنبیوں کی بھیڑ میں اچانک کسی پرانے دوست سے ملاقات ہو جائے۔ میں نے HAL میں پسٹن اور ٹربائن دونوں طرح کے انجنوں کی اوور ہالنگ کا کام کیا تھا۔ 'مابعد احتراق' کے معاون اصول میں کارفرما گیس حرکیات اور انتشار کے طریق عمل کے مبہم تصورات میرے ذہن میں واضح تر ہو گئے۔

جب میں HAL سے ایرونوٹک انجینئر گریجویٹ ہو کر نکلا تو میرے سامنے روزگار کے دو متبادل مواقع تھے اور دونوں ہی میرے اُڑنے کے دیرینہ خواب کے بہت قریب تھے۔ ایک روزگار ایئر فورس میں تھا جب کہ دوسرا وزارت دفاع کے ٹیکنیکل ڈیولپمنٹ اینڈ پروڈکشن کے ڈائرکٹریٹ (DTD & P (Air میں تھا۔ میں نے دونوں کے لیے درخواستیں گزاریں۔ دونوں جگہوں سے مجھے تقریباً ایک ساتھ انٹرویو کے لیے بلایا گیا۔ ایئر فورس میں بھرتی کے ذمہ داروں نے مجھے دہرہ دون پہنچنے کے لیے کہا اور DTD & P (Air) نے دہلی کے لیے۔ Coromandel Coast کے ایک لڑکے نے شمال کی طرف جانے کے لیے ٹرین پکڑی۔ میری منزل دو ہزار کلومیٹر سے زیادہ دور تھی۔ پہلی بار اپنے ملک کی وسعت سے میرا سابقہ پڑنے والا تھا۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ ''دروں بین عبقری انسان'' کسے کہتے ہیں؟

2۔ دیرینہ خواب سے کیا مراد ہے؟ کیا آپ کے کوئی دیرینہ خواب ہیں؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

الف۔سبق کا نام ''ترغیب'' سنتے ہی آپ کو کیسا محسوس ہو؟

ب۔ عبدالکلام کے طالب علمی کے دور میں موجود طریقہ تعلیم سے متعلق آپ کے دوستوں سے گفتگو کیجیے۔

ج۔ درج ذیل جملے سبق کے کونسے پیراگراف میں ہیں نشاندہی کیجیے۔سبق میں ان جملوں کو خط کشید کیجیے۔

1۔عبدالکلام نے فلسفہ کی کتابیں پڑھیں۔

2۔ کامیابی کے لیے تین اہم اصول ہیں۔

3۔ بہن کی امداد۔

4۔ پروفیسر کے ساتھ بیٹھ کر تصویر کھینچانا۔

د۔ ذیل کا پیراگراف پڑھیے اور صحیح غلط کی نشاندہی کیجیے۔

پسن چندر پال ہندوستان کی تحریک آزادی کے قائدین میں سے ایک ہیں موجودہ بنگلہ دیش کے سائی چیل کے مقام پر پیدا ہوئے۔تحریک عدم تعاون کے لیے آواز بلند کی۔ ملک کی آزادی اور ترقی کے لیے نمایاں کردار ادا کیا۔شاعروں' پنڈتوں' فلسفیوں' مبلغوں' رہنماؤں اور عام لوگوں کو دعوت دی۔اس طرح ملک کی خدمت کے لیے مختلف افراد الگ الگ شعبوں کا انتخاب کر کے عوام کے دلوں میں ہمیشہ کے لیے گھر کرلیا۔

1۔ پسن چندر پال تحریک آزادی کے رہنما تھے۔

2۔ پسن چندر پال تحریک عدم تعاون کے مخالف تھے۔

3۔ پسن چندر پال شاعروں' پنڈتوں کو تحریک آزادی میں حصہ لینے کی دعوت دی۔

4۔ پسن چندر پال آزادی کی تحریک میں دلچسپی رکھتے تھے۔

5۔ پسن چندر پال فوجی قائد ہیں۔جنہوں نے لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنائی۔

II. اظہار مافی الضمیر۔تخلیقی صلاحیت کا اظہار

الف۔ حسب ذیل سوالوں کے جواب چار یا پانچ جملوں میں سوچ کر لکھئے۔

1۔ ''دوسروں کو سمجھنے والا عقلمند ہوتا ہے'' اس سے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

2۔ خواہش، اعتماد اور امید رکھنا ان تینوں پر کیوں قابو رکھنا چاہیئے؟

3۔ اپنے طلباء کی علم کی تشنگی اپنی دانشمندی اور عزم مصمم کے ذریعہ بجھاتے رہیں۔ یہ باتیں کس سے متعلق ہیں۔ اس کے متعلق آپ کی رائے کیا ہے؟

4۔ پروفیسر سرینواسن کی جانب سے تفویض کئے گئے کام کی تکمیل میں اگر آپ عبدالکلام کی جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟

ب۔ حسب ذیل سوالوں کے جواب سوچ کر دس تا بارہ جملوں میں لکھئے۔

1۔ عبدالکلام اپنے مقصد کے حصول میں کس طرح کامیاب ہوئے۔ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

2۔ عبدالکلام کی تعلیم کس طرح جاری رہی۔ اپنے الفاظ میں لکھئے۔

د۔ حسب ذیل موضوعات پر تخلیقی انداز/توصیفی انداز میں لکھئے

1۔ سبق کا تیسرا پیراگراف پڑھیے۔ اس میں عبدالکلام نے اپنی خواہش کا اظہار کیا ہے؟ اسی طرح آپ بھی اپنی خواہش کا اظہار ایک مختصر نظم کی شکل میں کیجیے۔

یا

اس سبق سے تحریک حاصل کرتے ہوئے اگر آپ ہی عبدالکلام ہوتے تو آج کے طالب علموں سے کیا کہتے؟ تقریر کیجیے۔

یک بابی ڈرامہ کیجیے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

الف۔ حسب ذیل جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے معنی لکھ کر انہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ وہ کامیابی کی راہ پر گامزن رہا۔

2۔ عبدالکلام کا ایقان تھا کہ وہ ضرور کامیاب ہوں گے

3۔ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا میرا ہدف تھا

4۔ کامیابی کی اطلاع پا کر زاہد جذبات سے مغلوب ہوگیا

5۔ دانشوروں کی معیت میں آدمی بہت کچھ سیکھتا ہے۔

ب۔ سبق میں تکنیکی اصطلاحات کا استعمال ہوا ہے۔ سبق پڑھیے اور ان اصطلاحات کی فہرست تیار کیجیے۔

ج۔ حسب ذیل الفاظ کے مترادفات لکھئے۔

دانشمندی ، وسیع النظری ، رغبت ، تقدیر ، شناسا ، ناخواندہ ، اعزاز ، حیرت ، اعتماد ، متبادل

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

قواعد

ترکیب توصیفی

الف۔ ان الفاظ کو پڑھیے اور اسکے معنی پر غور کیجیے۔

الفاظ	معنی
گل سرخ	سرخ گلاب
قصہ پارینہ	پُرانا قصہ

ان الفاظ میں معنی کے لحاظ سے پہلا لفظ آخری اور آخری لفظ پہلا بن گیا ہے۔ مگر کا کے کی کا استعمال نہیں ہوا۔

جب کوئی لفظ ہمزہ اضافت یا کسرہ اضافت کے ساتھ استعمال ہو مگر کا کے کی کے معنی پیدا نہ ہو تو ایسے مرکب کو ترکیب توصیفی کہا جاتا ہے۔

ب۔ ان الفاظ پر غور کیجیے۔

سرد موسم ۔ سفید گھوڑا ۔ کالا کوا ۔ نیلا آسمان

ان مثالوں میں تمام اسموں کی صفت بیان کی جا رہی ہو۔

وہ مرکب الفاظ جو صفت اور موصوف سے مل کر بنتے ہیں ''مرکب توصیفی'' کہلاتا ہے۔

مشق I۔ ان میں سے ترکیب توصیفی اور مرکب توصیفی کو الگ کیجیے۔

کوہ بلند	
مخلص استاد	
لال قلعہ	
برادر خورد	
در یتیم	

مشق II۔ خالی جگہوں کو مناسب صفات سے پُر کیجیے۔

1۔..... پانی 2۔.....شان 3۔.....گنبد 4۔.....زمین

5۔..... زمین 6۔.....مزاج 7۔.....انسان 8۔.....موسم

مشق III۔ خالی جگہوں کو مناسب موصوف سے پُر کیجیے۔

1۔خوش..... 2۔شرین..... 3۔گرم..... 4۔قابل.....

5۔سرد..... 6۔سبز..... 7۔نرم..... 8۔وسیع.....

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ترکیب اضافی

الف۔ اس شعر پڑھیے۔

دردِ دل پاسِ وفا جذبۂ ایمان ہوتا ہے
آدمیت ہے یہی اور یہی انسان ہونا

ب۔ شعر کے ان الفاظ پر غور کیجیے۔

دردِدل جذبۂ ایمان پاسِ وفا

ان میں سے ہر پہلے لفظ کے نیچے ایک زیر لگائی گئی ہے۔ اسی زیر کی وجہ سے دو الفاظ ایک دوسرے سے جڑ گئے ہیں۔
اس جوڑنے والی زیر کو ''کسرہ اضافت'' کہتے ہیں۔

جذبۂ ایمان:

جب کوئی لفظ ہمزہ کے ذریعہ دوسرے لفظ سے جُڑ جائے تو اسے ''ہمزہ اضافت'' کہتے ہیں۔
کسرہ یا ہمزہ سے جڑے ہوئے الفاظ کو ''ترکیب اضافی'' کہتے ہیں۔

ج۔ اب ان الفاظ کے معنی پر غور کیجیے۔

☆ دردِدل = دل کا درد ☆ پاسِ وفا = وفا کا پاس (لحاظ) ☆ جذبۂ ایمان = ایمان کا جذبہ

☆ معنی کے لحاظ سے آخری تلفظ پہلا اور پہلا لفظ آخری بن گیا۔

☆ زیر (کسرہ اضافت، ہمزہ اضافت) کا سے بدل گیا۔

د۔ اب ان جملوں پر غور کیجیے۔

☆ ناصر دل کے درد کا شکار ہے۔

☆ ناصر درد دل کا شکار ہے۔

☆ علم کے حصول کے لیے مدرسہ آ رہا ہوں۔

☆ حصول علم کے لیے مدرسہ آ رہا ہوں۔

ترکیب اضافی سے جملے یا شعر کا مرتبہ بڑھ جاتا ہے اور بات میں نفاست آجاتی ہے۔

مشق ا۔ ان تراکیب اضافی کو کھول کر لکھیے۔

1۔ گردشِ فلک 2۔ روزِ قیامت 3۔ راہِ حق 4۔ رازِ الفت 5۔ شریکِ حیات
6۔ آبِ حیات 7۔ دستِ وفا 8۔ بعدازاں 9۔ ترانۂ ہندی 10۔ بسترِ مرگ

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

مشق II۔ ان الفاظ کو ترکیب اضافی میں تبدیل کیجیے۔

1۔ مشرق کا شاعر	2۔ حق کی راہ	3۔ خدا کی اطاعت	4۔ زم زم کا پانی
5۔ تعظیم کے قابل	6۔ حق کا پیغام	7۔ ندامت کا احساس	8۔ پھول کی خوشبو

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

- آپ کے پسندیدہ سائنس دان کے بارے میں مضمون لکھئے۔ کہ انہوں نے کس طرح تحریک حاصل کی۔ اور ان کی ایجادات کیا ہیں؟

یا

- سائنسدانوں سے متعلق اخبارات میں شائع مضامین حاصل کیجیے اور انہیں محفوظ کیجیے۔

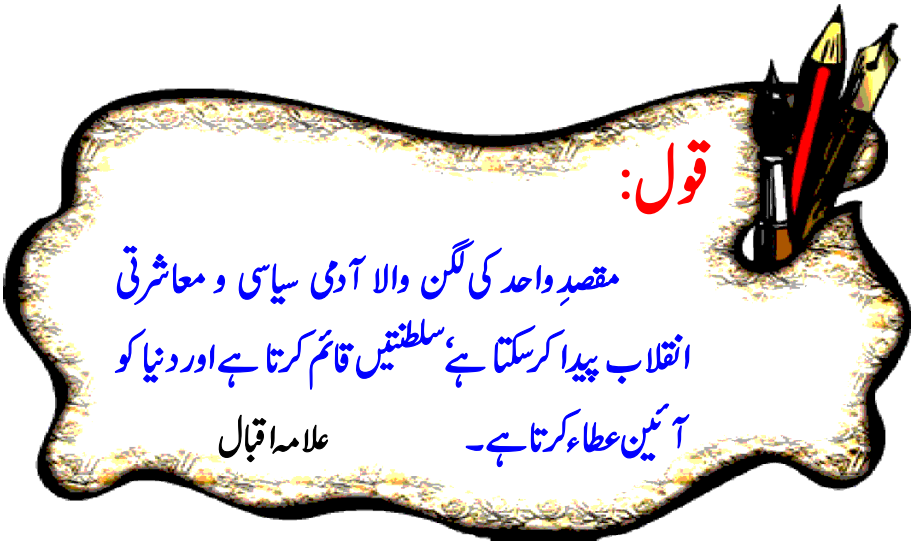

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

11

غزل

پروفیسر مغنی تبسم

I۔ پڑھیئے سوچیے اور جواب دیجئے۔

مرے اللہ جینے کا ہنر دے — مجھے تو سوز دل سوز جگر دے
محبت سے تیری معمور وہ ہو — مجھے گرچہ حیات مختصر دے
دعائیں ہوں مری مقبول ساری — زبان میں تو مری ایسا اثر دے
مقدس ذکر میں تیرے جو گزارے — مجھے وہ روز وشب شام وسحر دے

سوالات:

1۔ ان اشعار کو پڑھ کر آپ کو کیسا محسوس ہوا؟
2۔ ہماری دعائیں کب قبول ہوتی ہیں؟
3۔ ہمیں زندگی کیسے گزارنا چاہیئے؟

مقصد یا مدعا

یہ غزل مغنی تبسم کی لکھی ہوئی ہے جو ایک غزلِ مسلسل ہے جس میں کسی ایک ہی عنوان یا خیال کو بار بار اشعار میں دہرایا جاتا ہے۔ مغنی تبسم کی یہ غزل مسلسل کے دائرے میں آتی ہے۔ اس غزل کے سبھی اشعار اپنے ناکردہ گناہ کی تلافی اور اللہ تعالیٰ سے رحم و کرم کی اُمید رکھنا ہے۔ اسکی بڑائی اور صفات کو بیان کر کے اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلنے اور ہدایات پانے کی کوشش کرنا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے گناہ گار بندوں کی رہبری کس طرح کرتا ہے دکھلاتا ہے اللہ کے سامنے ہمیں اپنے گناہوں کی توبہ کرنا اور اللہ سے مدد مانگنا چاہیئے۔ آیئے ہم اب اسی سلسلہ میں ایک غزل پڑھیں گے۔

ماخذ

یہ غزل پروفیسر مغنی تبسم کے مجموعہ کلام سے لی گئی ہے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان الفاظ کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

صنف کی تعریف

غزل کے لغوی معنی ''عورتوں سے باتیں کرنا'' ہے۔۔لیکن دور جدید کے شعرا نے صنف غزل میں سیاسی، سماجی، مذہبی اور فلسفیانہ خیالات کو بھی پیش کیا ہے۔غزل کے پہلے شعر کو ''مطلع'' کہتے ہیں۔جس کے دونوں مصرعوں میں قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جاتی ہے۔اگر غزل کے دوسرے شعر کے دونوں مصرعوں میں بھی قافیہ اور ردیف کی پابندی کی جائے تو ''حسن مطلع'' کہلاتا ہے۔غزل کا آخری شعر ''مقطع'' کہلاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلص پیش کرتا ہے۔غزل کا ہر شعر معنی و مفہوم کے لحاظ سے مکمل ہوتا ہے۔نظم کی طرح ایک شعر دوسرے شعر سے مربوط نہیں رہتا۔لیکن جب شاعر اپنی بات ایک شعر میں نہیں کہہ پاتا تو اسے اپنی بات مکمل کرنے کے لیے دوسرے اور تیسرے شعر کی بھی ضرورت پیش آتی ہے ان اشعار میں مضمون مکمل ہو جاتا ہے غزل کے ایسے اشعار ''قطعہ بند'' کہلاتے ہیں۔قطعہ بند اشعار کے لیے عام طور پر غزل کے مصرعوں کے درمیان ''ق'' بطور اشارہ لکھا جاتا ہے۔شعر کا آخری لفظ جس کی تکرار تمام اشعار کے دوسرے مصرعے میں کی جاتی ہے اس کو ردیف کہتے ہیں۔ردیف سے پہلے آنے والے ہم وزن الفاظ کو قافیہ کہتے ہیں۔

شاعر کا تعارف

حیدرآباد کی بلند قامت و ادبی معتبر شخصیت ''پروفیسر مغنی تبسم'' کا شمار اُردو دنیا کے نامور دانشوروں میں ہوتا ہے۔ وہ ایک سنجیدہ، باوقار اور ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے۔اردو کی ادبی دنیا میں ان کا نام بہت احترام سے لیا جاتا ہے۔ان کی تاریخ پیدائش 03 جون 1930 ہے۔

مغنی تبسم ابتداء میں ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے اور بعد میں جدیدیت کے علمبردار بن گئے۔عثمانیہ یونیورسٹی میں بحیثیت پروفیسر اور صدر شعبہ اردو گرانقدر خدمات انجام دینے کے بعد ریٹائر ہوئے۔آپ کے سینکڑوں شاگرد ہیں جو بڑے بڑے عہدوں پر ہندوستان اور بیرون ممالک میں فائز ہیں۔آپ کا تحقیقی مقالہ ''فانی شخصیت اور فن'' جو پی ایچ ڈی کے لیے لکھا ایک بے مثال نمونہ سمجھا جاتا ہے۔دیگر تصانیف میں تنقید کے موضوع پر ''بازیافت' آواز اور آدمی' لفظوں سے آگے'' ہیں۔شاعری میں ''نوائے تلخ' پہلی کرن کا بوجھ' مٹی مٹی میرا دل'' ترتیب میں ''فانی کی نادر تحریریں' فکر اقبال' نذر فانی بدایونی'' ترجمہ:۔کہانی اور اسکا فن' شادی کی پہلی سالگرہ۔

مغنی تبسم کئی ایوارڈس سے سرفراز کیے گئے۔غالب ایوارڈ' عالمی فروغ اردو ایوارڈ قابل ذکر ہیں۔آپ کی ادبی خدمات کا دائرہ نہایت وسیع ہے جن کی سرحدوں تک پہنچنا ناممکن ہے۔بقول نواب شاہ عالم خاں ان کی شخصیت کا احاطہ کرنا جوئے شیر لانے کے مصداق ہے۔مغنی تبسم آخری وقت تک ادارہ ادبیات اردو حیدرآباد کی ترقی و ترویج کے لیے منہمک رہے اور اس ادارے کا ترجمان ماہنامہ ''سب رس'' کے مدیر رہے۔آپ نے اپنے قریبی دوست اخلاق محمد خان شہریار کے ساتھ ملکر اردو کا سہ ماہی رسالہ ''شعر و حکمت'' نکالا۔اس رسالے کے آپ مدیر تھے۔پروفیسر مغنی تبسم اپنی خوش لباسی' کم سخنی اور خوش گفتاری کے لیے مشہور تھے۔اردو دنیا کی قد آور شخصیت' محسن اردو پروفیسر مغنی تبسم 15/فروری 2012ء کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

انسان لاکھ کوششوں کے باوجود اپنی زندگی میں گمراہیوں اور گناہوں کا شکار ہو ہی جاتا ہے۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن کریم میں ان گمراہیوں اور گناہوں سے بچنے کے راستے دکھلائے ہیں اور تاکید بھی فرمائی ہے۔اسی تناظر میں لکھی گئی مغنی تبسم کی غزل کے بارے میں ہم مزید جانیں گے۔

I

سفر دیا ہے تو منزل کا بھی پتہ دے گا
مرا خدا مجھے رستہ کوئی دکھادے گا
قدم قدم پہ دکھائے گا آیتیں اپنی
ہر ایک موڑ پہ منظر مجھے نیا دے گا
لپیٹ دے گا مجھے ظلمتوں کی چادر میں
پھر اک چراغ مری راہ میں جلادے گا

سوچیے۔بولیے

1۔ شاعر نے ہمیں مسلسل حرکت کرتے رہنے کو کہا ہے۔ کیوں؟
2۔ اللہ صراط مستقیم پر چلنے کے لیے ہماری رہنمائی کیسے کرتا ہے؟
3۔ آپ گمراہی سے بچنے کے لیے کیا کریں گے؟
4۔ کہتے ہیں کہ اللہ ستر ماؤں کی محبت رکھتا ہے۔کیسے؟
5۔ ''مایوسی کفر ہے'' کیوں اور کیسے؟

II

بڑھا کے دل میں کسی انتظار کی لذت
نظر کے واسطے تاروں کا سلسلہ دے گا
رکھے گا مجھ کو سدا جبر کی پناہوں میں
جو خواب دیکھنے لگ جاؤں تو جگادے گا

سوچیے۔بولیے

1۔ اللہ خیر کا بدلہ خیر اور شر کا بدلہ شر سے دے گا کیسے کیوں؟
2۔ انسان کب اور کیسے فرشتوں سے زیادہ افضلیت پاتا ہے؟
3۔ انسان کی وہ کونسی ادائیں ہیں جو اللہ کو زیادہ پسند ہیں؟
4۔ آپ اللہ کو راضی کرنے کے لیے کیا کریں گے؟
5۔ ہم دنیا میں کن کن آزمائشوں سے ہو کر گزرتے ہیں؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

تشریح

سفر دیا ہے تو منزل کا بھی پتہ دے گا　　مراخدا مجھے رستہ کوئی دکھادے گا

شاعر اپنے خدا سے نا اُمید نہیں ہے اس لیے کہ اللہ نے جب انسان کو زندگی دی ہے تو اسکو گذارنے کا سلیقہ بھی سکھلایا ہے۔اور زندگی کا اختتام بھی کیسا ہو بتادیا ہے شاعر نے ''مراخدا'' کے استعمال سے شعر میں جان ڈال دی ہے۔یوں تو خدا سب ہی کا ہے لیکن جب آدمی پریشانیوں میں گھر جاتا ہے تو بے ساختہ ''میرے اللہ'' ہی پکارتا ہے۔گویا اللہ صرف اُس کا ہی ہے۔شاعر نے خدا کے تئیں اپنی وارفتگی، دیوانگی اور بے ساختگی کے اظہار میں ''میرے اللہ'' کا خوب استعمال کیا ہے۔

قدم قدم پہ دکھائے گا آیتیں اپنی　　ہر ایک موڑ پہ منظر مجھے نیا دے گا

شاعر نے اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی ایک بہت خوبصورت صفت کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی وہ سیدھا راستہ دکھلانے والا بھی ہے۔اسی لیے ہم دعا میں ''اے اللہ ہمیں سیدھا راستہ دکھلا'' کہتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنی آیتوں کے ذریعہ ہماری زندگی کی اُن گتھیوں کو سلجھاتا ہے جس کا سمجھنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔اس شعر میں لفظ ''منظر'' خوب استعمال ہوا ہے۔جس کے معنی وہ نئی باتیں جسے انسان نہیں جانتا۔

لپیٹ دے گا مجھے ظلمتوں کی چادر میں　　پھر اک چراغ مری راہ میں جلادے گا

انسانی فطرت میں گناہوں کا تصور ہمیشہ ہی رہا ہے اور جب انسان دانائی میں کئے گئے اپنے گناہوں کے سمندر کو دیکھتا ہے تو مایوس ہوجاتا ہے۔لیکن اللہ اس کے باوجود اپنے بندوں کے لیے اُمید کے چراغ جلاتا ہے۔یعنی بندہ تو توبہ کا چراغ جلادیتا ہے تو اللہ اسکی تمام ظلمتوں کو دور کردیتا ہے۔

بڑھا کے دل میں کسی انتظار کی لذت　　نظر کے واسطے تاروں کا سلسلہ دے گا

اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک کاموں کے عوض جنت میں اس کا بدلہ دینے کا وعدہ کیا ہے اور یہی انتظار کی وہ لذت ہے جس سے ہمارے پیش نظر ہمارے نیک کاموں کا یک سلسلہ سامنے آجاتا ہے۔اور ہم پُر امید اللہ سے آس لگائے رہتے ہیں۔

رکھے گا مجھ کو سدا جبر کی پناہوں میں　　جوخواب دیکھنے لگ جاؤں تو جگادے گا

اللہ تعالیٰ ہمیشہ مجھے اپنے جبر یعنی عذاب کے خوف سے ڈراتا رہتا ہے اس کے باوجود جب بھی میں گناہوں کی طرف راغب ہوجاتا ہوں تو وہ اپنی رحمتوں اور اپنے فضل سے مجھے سیدھے راستے پر ڈال دیتا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب دیجئے۔

1۔ غزل کو ترنم کے ساتھ سُنایئے۔اشعار کا مطلب بیان کیجئے۔

2۔ غزل میں دیئے گئے ان جملوں پر بحث کیجئے۔

1۔ منزل کا پتہ دینا 2۔ آیتیں دکھانا 3۔ ظلمتوں کی چادر میں لپیٹنا

3۔ غزل کے کونسے اشعار آپ کو پسند آئے کیوں بولیے؟

(ب) پہلے اور آخری شعر میں موجود ہر لفظ کی تشریح کیجئے۔

(ج) سبق کے مطابق درج ذیل سوالوں کے جواب لکھئے۔

1۔ گناہوں پر نادم ہوکر توبہ کرنے سے ہمیں کیا کیا حاصل ہوتا ہے؟

2۔ ہمیں زندگی کیسی گزارنی چاہیئے؟

3۔ راہ میں چراغ جلانے کا کیا مطلب ہے؟

4۔ ہر ایک موڑ پر منظر مجھے نیا دے گا'' شاعر کا اشارہ کس جانب ہے۔

5۔ کونسی نعمتوں کے اظہار سے ہمارے دل میں انتظار کی لذت بڑھ جاتی ہے؟

6۔ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کیجئے؟

(د) غزل کے اشعار سے قوافی تلاش کر کے لکھئے۔

(ھ) غزل کے اشعار سے متعلق ذیل میں جملے دیئے گئے ہیں۔مفہوم کے مطابق انہیں تلاش کیجئے۔اور لکھئے۔

1۔ اللہ ہر لمحہ ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

2۔ جنت کی خوبیاں جان کر اس کو حاصل کرنے کی جستجو اور بڑھ جاتی ہے۔

3۔ بندہ کی ندامت اللہ کو بہت پسند آتی ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(و) ذیل کے اشعار پڑھیئے اور سوالوں کے جواب دیجیے۔

میرے دل میں ہوئی جب بھی کوئی خواہش مولا — ہوگئی تیری عنایات کی بارش مولا
تیرے خورشید کرم کی یہ ضیا باری ہے — زندگی میں ہے اُجالوں کی نمائش مولا
نکلا طوفان حوادث سے سفینہ میرا — یہ ترا فضل ہے یہ تیری نوازش مولا
ہو مرے حال پر ہر وقت ترا لطف و کرم — دور ہر دم رہے افلاک کی گردش مولا
التجا ہے ترے تنویر کی اے رب کریم — زندگی بھر نہ ہو اس سے لغزش مولا

1۔ مذکورہ بالا نظم کے لیے کوئی عنوان تجویز کیجیے۔
2۔ شاعر اللہ سے کیا دعا مانگ رہا ہے؟
3۔ افلاک کی گردش سے کیا مراد ہے؟
4۔ ''ضیا باری'' کو جملے میں استعمال کیجیے؟

(ب) بارش سے ہم آواز الفاظ ڈھونڈ کر نکالیے اور ان سے جملے بنائیے۔

مثال: خواہش ، نمائش

ے ہر طالب علم کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ وہ جماعت میں اول آئے۔

II. اظہار مافی الضمیر ۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 10 یا 12 جملوں میں لکھئے۔

1۔ اللہ کے محبوب بندے بننے کے لیے ہم میں کون کونسی خوبیاں ہونی چاہیئے۔
2۔ ایک اچھے طالب علم کی خوبیاں اپنے الفاظ میں لکھئے۔

(ب) تخلیقی طور پر لکھئے۔

☆ سماجی برائیوں کی روک تھام کے لیے عوام میں شعور پیدا کرنا ہو تو اس کے لیے ایک پمفلٹ تیار کیجئے۔

یا

☆ قرآن کی ایک آیت کا مفہوم ہے ''تم لوگوں کو نیکی کی طرف بلاؤ اور گناہوں سے روکو'' اس پر ایک تقریر تیار کیجئے۔

یا

☆ اللہ تعالیٰ کی تم کن کن نعمتوں کو جھٹلاؤ گے'' اس پر ایک پوسٹر تیار کیجئے۔

(ج) توصیفی طور پر لکھئے۔

☆ ایک نیک ایماندار انسان چاہے وہ کتنا ہی غریب کیوں نہ ہو لوگ اسکی توقیر کرتے ہیں۔ اگر کسی ایسے شخص کو آپ جانتے ہیں تو اس کے بارے میں توصیف کرتے ہوئے لکھئے۔

یا

☆ اسمائے حسنیٰ استعمال کر کے قدرت کی صناعی کی تعریف کرتے ہوئے اسکی شان میں توصیفی جملے لکھئے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) خط کشیدہ الفاظ کے معنی لکھ کر ان الفاظ سے متعلق محاورے لغت میں دیکھ کر لکھئے۔

1۔ محنت کرنے سے ہی ہم کامیابی کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں۔

2۔ زندگی کی راہ میں کچھ لوگ ملتے ہیں جنہیں ہم کبھی نہیں بھول سکتے۔

3۔ نیک لوگ جنت کی لذت حاصل کر سکتے ہیں۔

4۔ اللہ ظالم کے جبر سے محفوظ رکھے۔

(ب) ذیل کے جملوں میں خط کشیدہ الفاظ کے مترادفات غزل کے اشعار سے ڈھونڈ کر لکھئے۔

1۔ علم سے جہالت کی تاریکی کو دور کیا جا سکتا ہے۔

2۔ پہاڑ چڑھتے وقت کئی پیچ آتے ہیں۔

3۔ صبح کا نظارہ حسین ہوتا ہے۔

4۔ جنت اللہ کی طرف سے بندوں کو انعام ہے۔

5۔ اللہ رہنمائی کرنے والا ہے۔

(ج) ذیل کے الفاظ کے سبق کے مطابق اضداد لکھئے۔

اُجالا ۔ راست ۔ لینا

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

قواعد

☆ اس شعر پر غور کیجیے

تارے آنکھیں جھپک رہے تھے　　تھا بام پہ کون جلوہ گر رات

اس شعر میں شاعر نے محبوب کی خوبصورتی کو پیش کرنے میں مبالغہ آرائی سے کام لیا ہے۔

مبالغہ: کسی کی تعریف یا تذلیل میں بڑھا چڑھا کر پیش کرنا ''صنعت مبالغہ'' کہلاتا ہے۔

☆ اس شعر پر غور کیجیے۔

پیاسی جو تھی سپاہ خدا تین رات کی　　ساحل سے سر پٹکتی تھی موجیں فرات کی

شاعر فرات کی موجوں کا ساحل سے ٹکرانے کی وجہ سپاہ خدا کی پیاس بتا رہا ہے جبکہ حقیقت میں ایسا نہیں ہے۔

حسن تعلیل: شعر میں کسی ایسی بات کو وجہ قرار دینا جو حقیقت میں اس کی وجہ نہ ہو ''حسن تعلیل'' کہلاتا ہے

☆ اس شعر پر غور کیجیے۔

کمر خمیدہ نہیں بے سبب ضعیفی میں　　زمین ڈھونڈ رہا ہوں مزار کے قابل

شاعر کے کمر خمیدہ ہونے کی وجہ ضعیفی ہے مگر شاعر اس سے انجان ہو رہا ہے

تجاہل عارفانہ: کسی بات کو جانتے ہوئے بھی اس سے انجان رہنا ''تجاہل عارفانہ'' کہلاتا ہے۔

مشق: ان اشعار میں صنعتوں کی نشاندہی کیجیے۔

چمکے جو تیغ قہر کسی روز جنگ میں
ٹھہرے نہ سایہ خوف کے مارے بدن کے پاس

☆

اس کو بھولا نہ چاہیے کہنا
صبح جو جائے اور آئے شام

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

☆ آپ کے گاؤں میں ہمہ اقسام کے فن کار جیسے شاعر، مصنف، گلوکار وغیرہ پائے جاتے ہیں ان لوگوں کی تفصیلات اکٹھا کر کے لکھئے اور انہیں کمرہ جماعت میں پیش کیجئے۔

☆ کمرہ جماعت کے تمام طلباء کو دو گروہوں میں تقسیم کر کے ان کے درمیان بیت بازی کا مقابلہ منعقد کیجئے۔ تمام طلباء اس میں حصہ لیں معلم بیت بازی کے اُصول وضوابط سے طلباء کو قبل از وقت آگاہ کر دے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

12

جانور انسان سے ناراض ہیں

ڈاکٹر شبیر صدیقی

I۔ پڑھیئے سوچیئے اور بولیے۔

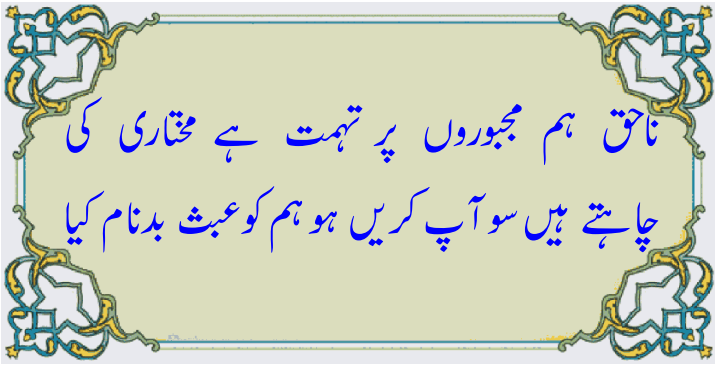

سوالات

سوال۔ شاعر اِس شعر میں کیا کہنا چاہتا ہے؟

سوال۔ ''چاہتے ہوں سو آپ کرے'' یہاں ''آپ'' سے کیا مراد ہے؟

سوال۔ اِس شعر میں مجبور لفظ کس کے لیے استعمال کیا گیا ہے؟

مدعا/مقصد

ڈاکٹر شبیر صدیقی ایک حقیقت نگار ہیں۔ وہ زمینی حقیقتوں سے جڑے ہوئے ہیں۔ ان کا مشاہدہ تیز ہے۔ وہ انسانوں کی جبلت سے واقف ہیں۔ آئے دن ہونے والے واقعات سے بھی باخبر رہتے ہیں۔ انہوں نے جانوروں کی اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔ بڑے ہی طنزیہ انداز میں انہوں نے انسانوں اور جانوروں کے تئیں خیالات کا احاطہ کیا ہے۔ عہد حاضر میں انسان جانوروں سے بے وفائی کر رہا ہے ان پر رحم وکرم نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کے بجائے جانوروں کی تزہیک کی جاتی ہے اور ان کو ناکارہ سمجھا جاتا ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ زیر نظر مضمون میں شبیر صدیقی نے بڑی کڑوی سچائیوں کو بے نقاب کیا ہے۔ اس مضمون سے انسانوں کو ایک درس ملتا ہے۔ ان کی غلط فہمیاں دور ہوتی ہیں۔ اور ان کے دلوں میں جانوروں کے تعلق صلہ رحمی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ سبق ڈاکٹر شبیر صدیقی کی تصنیف ''رنگ بدلتے لوگ'' سے لیا گیا ہے۔

صنف کا تعارف

وہ تحریری قصہ جسے ایک نشست میں پڑھ لیا جائے اس کو ''مختصر افسانہ'' کہتے ہیں۔ یہ تسلیم شدہ ہے کہ افسانہ فکشن کی سب سے مختصر شکل ہے جس میں قصہ، پلاٹ، کردار، نقطہ عروج، زماں و مکاں کے ساتھ وحدتِ تاثر کا ہونا لازمی ہے۔ کامیاب افسانے میں واقعات کی پیش کشی میں وحدت، تاثیر و اقعاتی مرکز اتحاد کے ساتھ اچھا افسانہ نہیں لکھا جا سکتا۔ اس لیے بعض نقادوں نے اس کو ''چاول پر قل'' لکھنے کا فن قرار دیا ہے۔

افسانے کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں۔

1۔ پلاٹ 2۔ کردار 3۔ مکالمہ 4۔ جذبات نگاری 5۔ منظر کشی

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان الفاظ کے نیچے خط کھینچیے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

مصنف کا تعارف

ڈاکٹر شبیر علی صدیقی کی پیدائش یکم اگست 1940 کو نشاط گنج، لکھنو میں ہوئی۔ آپ کے والد کا نام شفقت علی صدیقی ہے۔ ان کی پہلی کہانی ''ماں کی نصیحت'' قومی آواز لکھنو سے شایع ہوئی۔ اس کے بعد یہ سلسلہ قومی آواز لکھنو، نیا دور لکھنو، بانو نئی دہلی، فلمی ستارے دہلی، ہندی ماہنامے، فلمی کلیاں، فلمی دنیا، رنگ بھومی، فلم ریکھا، مکتا نئی دہلی سے تک چلتا رہا۔ ایک کہانی ملک او مان میں شایع ہوئی۔ یہ ہندی ماہنامہ ''کیریکٹر'' کے اڈیٹر بھی رہے۔ انہوں نے دوردرشن دہلی کے لیے مزاحیہ ٹی وی سیریل ''بابا معاف کرو''، ''بنٹا دھار''، ''ڈاکٹر حیران مریض پریشان'' لکھے جو ٹیلی کاسٹ ہوئے۔

ان کے تین افسانوں کے مجموعے ''دل کی بات''، ''تختی''، ''رنگ بدلتے لوگ'' اس کے علاوہ ڈراموں کا مجموعہ ''شام اودھ'' بھی شایع ہو چکا ہے ایک اور ڈراموں کا مجموعہ ''سنگ تراش'' زیر طبع ہے۔ جناب ایچ۔ کے۔ ایل بھگت، مرکزی وزیر اور جناب رام جیٹھ ملانی، سابق وزیر قانون کے ہاتھوں بسٹ اسکرپٹ رائٹر ایوارڈ حاصل ہو چکے ہیں۔

ابتدائیہ

حریف پارٹی کا سیاسی لیڈر انسانی مسائل وملکی مسائل اور روزمرہ کے پیش آنے والے مسائل دور کرنے کی تجویز ڈھونڈنے کے بجائے اپنی مخالف پارٹی کے نیتا کو جانور۔ جانوروں کی سی فطرت رکھنے اور اس کی طرح چالاک ومکار کہہ کر گالیاں دینے میں مصروف تھا۔۔۔۔۔۔

انسانی شیطان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ جس نے ہماری جانور برادری کو بے وجہ بدنام کر رکھا ہے۔۔۔۔

ہمیں انسانوں کی ذہنیت نہیں اپنانی وہ اپنے مفاد کے لیے کسی بھی بے گناہ کا خون کرسکتا ہے۔۔۔۔۔۔۔

اے انسان تو اپنی ذات کے لوگوں کے پاس جا اور میرا پیغام دے کہ وہ ہم جانوروں کا سہارا لے کر اپنے پیٹ کا سکھ نہ ڈھونڈے اور نہ ہماری ذات کے لوگوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرے۔۔۔۔ اس طرح مختلف جانور انسان کے بارے میں جنگل کے راجہ شیر سے شکایت کرتے ہیں آیئے اس سے متعلق تفصیل ہم سبق کے ذریعہ جانیں گے۔

I

یقیناً یہ بات یقین کے دائرے سے باہر ہے کہ جانور انسان سے ناراض ہیں۔ لیکن آج ہم جس دور سے گذر رہے ہیں کوئی بات ناممکن نہیں ہے یہ واقعہ ملک میں عام انتخاب سے چند روز قبل کا ہے۔ جب میں ایک حریف سیاسی پارٹی کے اجتماع سے اس کے تاثرات سن کر آرہا تھا۔ حریف پارٹی کا سیاسی لیڈر انسانی مسائل وملکی مسائل اور روزمرہ کے پیش آنے والے مسائل دور کرنے کی تجویز ڈھونڈنے کے بجائے اپنی مخالف پارٹی کے نیتا کو جانور۔ جانوروں کی سی فطرت رکھنے اور اس کی طرح چالاک ومکار کہہ کر گالیاں دینے میں مصروف تھا۔ مگر ایک انسان کو انسان کے مسائل کی کوئی فکر نہیں تھی۔ میں اس سیاسی نیتا کی تقریر سے اوب کر ایک سنسان راستے کی طرف چل دیا۔ کچھ دور چلنے کے بعد میں ایک جگہ سحر زدہ ہو کر رہ گیا۔۔۔۔۔۔!

ایک بہت بڑے میدان میں جنگل کے تمام جانور اکٹھے تھے۔ جن کے چہرے سے غصہ صاف عیاں ہو رہا تھا۔ جنگل کا بادشاہ شیر جو کہ ایک اونچے سے چبوترے پر بیٹھا اپنی غصے بھری بڑی بڑی آنکھوں کے ساتھ تمام جانوروں پر ایک اچٹتی سی نظر ڈالی پھر بارعب آواز میں بولا۔ تمام جانور ایک ایک کر کے ہمارے حضور میں حاضر ہوں اور انسان کے خلاف بتائیں کہ انہیں انسان سے کیا شکایات ہیں۔ فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔ کہ ہمیں انسان کے خلاف کیا قدم اٹھانا ہے۔ اچانک خاموشی میں ایک سرسراہٹ سی ہوئی۔ تمام جانور آواز کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ایک گرگٹ مارے غصے کے سرسراتا ہوا جنگل کے بادشاہ کے سامنے آیا اور بڑے ادب سے سر جھکا کر بولا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

حضور سب سے پہلے انسان کے خلاف میری شکایت سنی جائے میں انسان کی بدتمیزیوں سے بہت عاجز ہوں۔ شیر اپنی پر رعب آواز میں اجازت دینے کے انداز میں بولا عرض کر۔۔۔۔۔۔۔۔!

گرگٹ نے ایک بار تمام جانوروں کی طرف دیکھا پھر شیر کی طرف مخاطب ہو کر بولا۔ حضور قدرت نے ہمیں اپنے دشمن سے محفوظ رہنے کے لیے دو رنگ بخشے ہیں ایک جب میں درختوں کی ہری پتیوں میں آرام کر رہا ہوتا ہوں۔ ایسے میں جب مجھے اپنے دشمن کا احساس ہوتا ہے تو میں اپنے جسم کے اصل رنگ کو ہرے رنگ میں تبدیل کر لیتا ہوں اور ایک جب میں زمین پر چہل قدمی کر رہا ہوتا ہوں اور مجھے دشمن سے اپنی جان کا خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میں اپنے جسم کا رنگ مٹی کے رنگ میں بدل لیتا ہوں۔ لیکن انسان نے ہمیں بدنام کر رکھا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو برا ثابت کرنے کے لیے طعنہ دیتا ہے۔ یار یہ تو گرگٹ کی طرح۔۔۔۔۔۔ طرح طرح کے رنگ بدلتا ہے۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ ناراض ہونے کا کیا مطلب ہے؟ ہم ناراض کب ہوتے ہیں؟

2۔ کن باتوں پر آپ کو یقین نہیں آتا/کوئی واقعہ بیان کریں جس پر آپ کو یقین نہ آیا ہو۔

3۔ آپ سحر زدہ کب ہو جاتے ہیں؟

4۔ مجبور و عاجز ہونے پر ہم کیا کرتے ہیں؟

5۔ دشمن سے حفاظت کے لیے آپ کیا کریں گے؟

(II)

جانوروں کی بھیڑ سے ایک لومڑی شیر کے حضور میں آئی اور بعد سلام کے اس نے بھی انسان کے خلاف اپنا غصہ جتاتے ہوئے شکایت کی۔ سرکار میں آپ کی سلطنت کی سب سے غریب کمزور اور ڈرپوک جانور۔ ''لومڑی'' ہوں۔ ہر وقت اپنی جان کا خطرہ محسوس کرتی ہوئی اِدھر اُدھر چھپتی پھرتی ہوں۔ اپنی دانش مندی اور چالاک مزاجی کی وجہ سے دشمن مجھ پر جلدی قابو نہیں پا۔۔۔ پاتا میری اس فطرت کو انسان نے بدنام کر رکھا ہے۔ وہ اپنی عورتوں کو قدرت نے ہمیں جو خوبیاں عطا کی ہیں ان کے طعنے دیتا ہے۔ یہ تو لومڑی کی طرح چالاک اور مکار ہے۔ جب کہ انسان خود اپنی فطرت سے مکار اور چالاک ہے اپنے ذاتی مفاد کے لیے اپنی ہی نسل کے ساتھ جس خوبی سے مکاری سے رچتا ہے اس کے آگے ہماری چالاکی و مکاری کچھ بھی نہیں اس لیے سرکار انسان کے خلاف سخت سے سخت قدم اٹھایا جائے۔۔۔۔۔!

جنگل کا بادشاہ انتہائی فکرمند انداز میں مجمع سے مخاطب ہوا..... اور کوئی.....؟

لومڑی نے اپنی جگہ کی طرف رخ کیا کہ ایک کتا اس کی جگہ پر آ گیا۔ اور اپنی دونوں ٹانگیں موڑ کر بڑے ادب سے سلام کرتے ہوئے بولا..... حضور انسان کے خلاف میری فہرست کچھ زیادہ ہی لمبی ہے اگر حضور اجازت دیں تو بیان کروں شیر اپنی بڑی بڑی مونچھ پر ہاتھ پھیرنے کے بعد بڑا سا منہ پھیلا کر ایک لمبی سے ڈکار لیتے ہوئے بولا۔ اجازت ہے..... کتا اپنے لہجے میں درد پیدا کرتے ہوئے بولا۔ حضور انسان کے ساتھ ہمارا رشتہ بہت پرانا ہے۔ انسان کے ساتھ ہماری وفاداری اور جاں نثاری کا یہ عالم ہے کہ جب انسان اپنے مال و اسباب سے بے خبر رات کو آرام کی نیند سو رہا ہوتا ہے۔ ہم پوری رات جاگ کر اس کے جان و مال کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب یہ انسان اپنا پیٹ بھر لیتا ہے۔ تب اپنا جھوٹا ہمارے آگے ڈال دیتا ہے۔ لیکن ہم کتے صبر و شکر کے ساتھ اسے ہی کھا کر تمام عمر انسان کے ساتھ وفادار رہتے ہیں۔ لیکن یہ اتنا خودغرض اور ناشکرا ہے کہ اتنی وفاداری کے باوجود یہ ہماری قدر کرنے کے بجائے ہماری قدرتی خوبیوں و مجبوری کا مذاق اڑاتا ہے۔ شیر جو کہ بڑے غور سے کتے کی بات سن رہا تھا بڑی دلچسپی کے ساتھ بیچ میں ٹوکتے ہوئے بولا۔

کس طرح کا مذاق۔۔۔۔۔؟

کتا کچھ سہمے سے انداز میں بولا حضور قدرت نے ہمارے جسم اور نسل کے حساب سے ہمیں دم بخشی ہے کسی کو چھوٹی کسی کو بڑی کسی کو سیدھی کسی کو ٹیڑھی لیکن انسان ہماری دم کو ہی ہماری بے عزتی کی نشانی سمجھتا ہے۔ ایک انسان دوسرے انسان کو اسکی برائی کا احساس دلاتے ہوئے طعنہ دیتا ہے تو کتے کی دم کی طرح ہے جو کبھی سیدھی نہیں ہوتی۔ انسان اپنے چٹورپن سے کسی پارٹی، میرج پارٹی میں الٹا سیدھا کھا کر گلا خراب کر لیتے ہیں۔ پھر بڑی بدتمیزی کے ساتھ گھر و دفتر میں کھانستے پھرتے ہیں۔ لیکن انسان، انسان چٹورپن اور بداحتیاطی سے پرہیز کرنے کے بجائے مجھے ذلیل کرتا ہے کیا ہر وقت کتے کی طرح کھانستا رہتا ہے۔ ماں جب اپنے بچے کو سلاتے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سلاتے تھک جاتی ہے اور وہ نہیں سوتا ہے ماں بھی ہماری وفاداری وجاں نثاری کی قدر نہ کرتے ہوئے بچے کو ڈانٹ کر کہتی ہے اس کی نیند بھی کتے کی طرح ہے جو پلک جھپکتے ہی آنکھ کھل جاتی ہے۔

سوچیے۔بولیے

1۔ کتے کو ایک وفادار جانور کہا جاتا ہے۔کیوں؟

2۔ اپنی زندگی میں پیش آئے اُن واقعات کو بتلایئے جس میں آپ نے وفاداری اور جاں نثاری سے کام لیا ہو؟

III

جنگل کا بادشاہ ایک دم بیچ میں دھاڑا ٹھیک ہے تم جاؤ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔پھر جانوروں کی محفل پر نظر ڈالتے ہوئے۔۔۔۔۔۔ اور کوئی۔۔۔۔؟

تبھی الو انتہائی خاموشی کے ساتھ آیا اور اپنے بادشاہ کے حضور میں حاضر ہو کر اپنی گول گول آنکھوں سے بادشاہ کے پُر رعب شخصیت کا جائزہ لیتے ہوئے سر جھکا کر بولا۔اے جانوروں کی جان و مال کی سلامتی دینے والے بادشاہ میرا سلام قبول فرمائیں۔میں آپ کی سلطنت کا ایک ادنیٰ پرندہ ہوں جسے لوگ الو کے نام سے پکارتے ہیں۔میں اپنے بادشاہ کے جاہ وجلال سے اتنا متاثر ہوں کہ دن کے اجالے میں آپ کے روشن چہرے کے چکا چوند کے آگے میری آنکھوں کی بینائی شرمندہ رہتی ہے اور میں چھپتا پھرتا ہوں۔رات کے اندھیرے میں جب بادشاہ سلامت آرام فرما رہے ہوتے ہیں تب میں اپنا پیٹ بھرنے نکلتا ہوں اپنے بادشاہ کے اس عزت و احترام کو یہ انسان طرح طرح سے بدنام کرتے ہوئے میرا مذاق اڑاتا ہے۔انسان رات بھر جاگ کر اپنی آوارگی اور بدچلنی کا مظاہرہ کرتا ہے۔اپنی ہی نسل کے شریف ومہذب لوگوں کی شوروغل سے نیند حرام کرتا ہے آوارہ اور بدچلنوں کی طرح گلی وکوچوں میں جھگڑے کرتا پھرتا ہے اور صبح اپنی بیوی بچوں کے لیے روزی روٹی کی تلاش میں نکلنے کے بجائے دن کا سورج سر چڑھ جانے کے باوجود پڑا سوتا رہتا ہے اوپر سے یہ انسان کمینہ پن دکھاتے ہوئے ہمیں برا سمجھتا ہے اور طعنہ دیتا ہے کہ رات بھر الو کی طرح جاگتا ہے اور دن بھر سوتا ہے۔حضور یہ انسان کبھی اپنے گریباں میں منہ ڈال کر نہیں دیکھتا کہ یہ خود برائیوں کا دیوتا ہے۔دنیا کی تمام برائیاں اسی کے دماغ کی پیداوار ہیں اپنے کمینے پن پر شرمندہ ہونے کے بجائے ہماری مثال بنا کر طعنے دیتا ہے کہ الووں کی جیسی باتیں کرتا ہے۔حضور کبھی آپ کے دربار میں کسی الو نے فریاد کی ہے جو یہ انسان خواہ مخواہ ہماری تہذیب وزبان کو برا کہتا ہے۔کہتے کہتے الو کی گول گول معصوم آنکھوں میں پانی بھر آیا۔

شیر چند لمحوں کے لیے فکر میں ڈوب گیا۔پھر الو کو جانے کا حکم دیتے ہوئے بولا۔جاؤ میں کچھ سوچتا ہوں۔الو آبدیدہ نظریں جھکائے اڑ کر اپنی جگہ پر آجاتا ہے۔کہ ایک کوا اڑتا ہوا آتا ہے اور شیر کے قدموں میں بیٹھ جاتا ہے۔شیر ہمدردی بھرے لہجے میں کوے سے اپنی شکایت بیان کرنے کو کہتا ہے۔تجھے انسان سے کیا شکایت ہے عرض کر۔کوا شیر کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے ایک نظر ڈالتا

ہے پھر سہمے سہمے انداز میں بولنا شروع کرتا ہے۔سرکار اپنی جانور برادری کا میں سب سے بدصورت اور ڈرپوک پرندہ ہوں۔جس سے پرندہ برادری سے الگ تھلگ گھوڑوں' گندگیوں کے ڈھیروں پر ہی مشقت سے رزق تلاش کر کے پیٹ بھرتا ہوں۔ڈرپوک اتنا ہوں کہ ایک چھوٹا سا بچہ بھی میری طرف ہاتھ کا اشارہ کرتا ہے تو میں اپنے آگے کا کھانا چھوڑ کر بھاگ جاتا ہوں۔کیونکہ حضور جان سب کو پیاری ہوتی ہے۔سرکار میں الگ تھلگ ویران پیڑوں پر بسیرا لیتا ہوں۔اپنی بدصورتی اور احساس کمتری کی وجہ سے ہمارا کسی سے کچھ بھی لینا دینا نہیں۔پھر بھی انسان ہمیں بے وجہ بدنام کرتا ہے۔جب ایک انسان دوسرے انسان کے ساتھ دھوکا فریب اور مکاری کے فن سے اس کا مال ہڑپنا چاہتا ہے۔لیکن وہ اس کے جال میں نہیں پھنستا تو وہ اپنی حرکت پر شرم کرنے کے بجائے کھسیا کر ہمیں بیچ میں لے آتا ہے کہ یہ تو کوے کی طرح سیانہ ہے۔انسانی عورتیں جنہیں خدا نے اچھا خاصہ حسن بخشا ہے پھر بھی ناشکری کی انتہا یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو عورت برادری میں اور زیادہ خوبصورت لگنے کے لیے بیوٹی پارلر جاتی ہے۔اپنے بال نچواتی ہے۔کریم پاؤڈر کر کے اپنی قدرتی خوبصورتی کا خود ہی مذاق اڑواتی ہے۔انسانی عورت اپنی ہی ذات کی عورت کا مذاق اڑانے کے لیے ہم پر جھوٹا الزام لگاتی ہوئی طعنہ دیتی ہے کوا چلا ہنس کی چال۔۔۔سرکار ہمارا اور ہنس بھیا کا کیا مقابلہ۔خدا نے انکو اپنا رنگ وروپ دیا ہے اور مجھے اپنا ہم اسی میں مطمئن ہیں۔ہم نہ ان سے جلتے ہیں نہ ان کی چال چلتے ہیں اور نہ ہی ان کا جیسا لگنے کے لیے کسی بیوٹی پارلر کا سہارا لیتے ہیں۔پھر بھی یہ انسان ہمیں بدنام کرنے پر تلا ہوا ہے کبھی کہتا ہے یہ بالکل کوے کی طرح سیانا ہے کبھی کہتا ہے کوا چلا ہنس کی چال۔حضور ہمیں انصاف چاہیئے۔انسان کی زبان پر لگام لگایئے۔جو ہماری جان کے ساتھ ہماری عزت وآبروں کا بھی دشمن ہے۔۔۔ٹھیک ہے شیر انتہائی سنجیدگی سے کوے کو اپنی جگہ واپس جانے کا اشارہ کرتے ہوئے۔سوالیہ نظروں سے مجمع کی طرف دیکھتا ہے کوئی اور۔۔۔۔۔؟

سوچیے۔بولیے

1۔ جان ومال کی حفاظت کرنا کس کی ذمہ داری ہے؟

2۔ اگر دوسروں کی نظر میں قدر ومنزلت پانا چاہتے ہوں تو آپ کیا کریں گے؟

3۔ تعلیم حاصل کرنے کے بجائے محنت ومشقت کرنے والے بچوں کو دیکھ کر آپ کیسا محسوس کرتے ہیں۔ان کے لیے آپ کیا کرنا چاہینگے؟

4۔ الوشیر کے دربار میں بڑے ادب سے گفتگو کرتا ہے اسی طرح آپ کس کس کے ساتھ ادب واحترام سے گفتگو کرتے ہیں؟

5۔ کچھ پرندے اور جانور ماحول کی آلودگی دور کرنے میں ہماری مدد کرتے ہیں۔کیسے؟

IV

جنگل کے بادشاہ کے چہرے پر چند لمحوں تک طرح طرح کے تاثرات ابھرتے رہے کہ وہ انسان کے خلاف کیا سزا تجویز کرے۔۔؟ بادشاہ جب کسی نتیجے پر نہیں پہنچ سکا تو اس نے اپنے خاص وزیروں چیتے وتیندوے کو اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا۔سب

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سے مشورہ کر کے یہ فیصلہ لیا جائے کہ اس انسانی شیطان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ جس نے ہماری جانور برادری کو بے وجہ بدنام کر رکھا ہے۔ ابھی چیتا وتیندوا اپنے بادشاہ کے حضور میں پہنچ بھی نہ پائے تھے کہ اچانک جنگل کے جانوروں میں غصے کے ملے جلے تاثرات کے ساتھ ایک ہلچل سی مچی پکڑو مارو۔ انسان انسان کا شور سارے جنگل میں گونج اٹھا شاید کسی جانور کی نظر مجھ پر پڑ گئی تھی۔ وہ سب کے سب میری طرف بڑھنے لگے میں خوف کا مارا جان بچانے کی غرض سے پیڑ پر چڑھ گیا۔ کہ ایک دم جنگل کے بادشاہ کی دہاڑ گونجی۔ رک جاؤ۔۔۔ تمام جانور ایک مقناطیسی کشش کی طرح اپنی اپنی جگہ جم گئے۔۔۔ شیر اپنی جانور جنتا کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ کسی بھی جانور کو قانون اپنے ہاتھ میں لینے کی اجازت نہیں ہے نہ ہی کسی کو تشدد بھڑکانے اور قتل کرنے کی اجازت ہے۔ اور نہ ہی کسی نہتے پر حملہ کرنا ہمارا دھرم ہے۔۔۔ شیر ایک مذہبی پیشوا کی طرح انتہائی نرم و شیریں انداز میں اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے بولا۔ ہمیں انسانوں کی ذہنیت نہیں اپنانی وہ اپنے مفاد کے لیے کسی بھی بے گناہ کا خون کر سکتا ہے۔ یہ انسان بھی نہتا اور کمزور ہے۔ اس کا قتل ہمارے لئے گناہ عظیم ہے۔ پھر شیر کا حکم ہمارے کانوں میں گونجا۔ اے انسان تو ہمارے سامنے پیش ہو۔ تیری جان کی ہم نے امان دی۔۔۔ مارے خوف کے میرا پورا جسم کانپ رہا تھا لیکن شیر کا حکم ماننا بھی میری جان کی خیر بھی۔ میں تھر تھر کانپتا ہوا شیر کے سامنے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

شیر نے اوپر سے نیچے تک میرا جائزہ لیا میرے پورے جسم سے ڈر کی وجہ سے پسینہ چھوٹ رہا تھا۔ شیر ایک بار میری حالت دیکھ کر مسکرایا۔ پھر انتہائی نرم لہجے میں بولا اے انسان تو اپنی ذات کے لوگوں کے پاس جا اور میرا پیغام دے کہ وہ ہم جانوروں کا سہارا لے کر اپنے پیٹ کا سکھ نہ ڈھونڈے اور نہ ہماری ذات کے لوگوں کو بدنام کرنے کی کوشش کرے۔ اگر تم لوگ انسان ہو کر انسانوں کی طرح نہیں جی سکتے تو ہماری طرح جانور ہو جاؤ۔ ایک جانور دوسرے جانور کے لیے انسانوں کی طرح بے گناہوں کی ہلاکت کے لیے خود کش بم۔ ایٹم بم۔ و نیوکلیائی بم نہیں بناتا۔۔۔۔۔۔!

سوچیے۔ بولیے

1۔ کسی کام کے بارے میں فیصلہ نہیں کر پا رہے ہیں کہ کیا کریں تب آپ کس سے مشورہ کریں گے اور کیوں؟

2۔ کوئی شخص قانون اپنے ہاتھ میں لیکر انتشار پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو آپ کیا کریں گے؟

3۔ کسی سے گفتگو کرتے وقت ہمیں نرم و شیریں انداز میں گفتگو کرنا چاہیئے۔ کیوں؟

4۔ مقناطیسی کشش کے کہتے ہیں۔ آپ کس کام میں کشش محسوس کرتے ہیں؟

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

1۔ مصنف نے جانوروں کو انسانوں سے بہتر کیوں قرار دیا ہے؟

2۔ سب جانوروں میں کس کی شکایت آپ کو پسند آئی اور کیوں؟

(ب) پڑھیئے سمجھ کر بولیئے۔

1۔ ذیل کے محاوروں کو سبق میں تلاش کر کے ان کی نشاندہی کریں

1۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا　　2۔ لومڑی کی طرح چالاک

3۔ کتے کی دم کبھی سیدھی نہیں ہوتی　　4۔ کتے کی طرح کھانسنا

5۔ مونچھ پر ہاتھ پھیرنا　　6۔ کوے کی طرح سیانہ

7۔ کوا چلا ہنس کی چال

(ج) ذیل کے جملے پڑھیئے اور سبق کے پس منظر میں ان کی تشریح کیجیے۔

1۔ مجھے دشمن سے اپنی جان کو خطرہ محسوس ہوتا ہے تو میں اپنے جسم کا رنگ مٹی کے رنگ سے بدل لیتا ہوں۔

2۔ انسان کے ساتھ ہمارا رشتہ بہت پُرانا ہے۔

3۔ انسان زبان پر لگام لگالے۔

4۔ نہ ہی کسی نہتے پر حملہ کرنا ہمارا دھرم ہے۔

د۔ ذیل کے اقتباس کو پڑھیئے اور دیئے گئے سوالات کے جواب دیجیے۔

میں سمجھتا تھا کہ یہ باتیں اس سرکش جوتے کو خاموش کر دیں گے مگر اس پر کچھ اثر نہ ہوا اور بولا ''یوں تو آپ کو اختیار ہے کہ اپنے نزدیک جسے چاہے معزز خیال کریں اور جسے چاہیں ذلیل کریں۔لیکن خدائی فیصلہ آپ کی تجویز اور مرضی سے نہیں ہوسکتا خدا نے ہر چیز اور ہر شخص کو اپنے مقام پر ایک فضیلت اور خصوصیت عطا کی ہے مجھے آپ اپنے گھر میں ذلیل سمجھا کریں لیکن میں اپنی جگہ پر غور کرتا ہوں تو اپنے میں کوئی ذلت وحقارت کی بات نہیں پاتا۔میں جس سے بنا ہوں اسی سے آپ کا جسم بنا ہے۔یہی زندگی، یہی نرمی، یہی حسن، یہی خوبی جو آپ کی کھال میں ہے کبھی مجھ میں بھی تھی۔یہی غذائیں جو روز

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

آپ کا جزو بدن ہوا کرتی ہیں کبھی میرا جزو ہوا کرتی تھیں مرنے کے بعد میری حالت آپ سے اچھی ہی رہی میں تو گلنے سڑنے سے بچ کر آپ کے پاؤں کا لباس بن گیا۔ آپ کے مرنے کے بعد آپ کے جسم کے کسی حصے کو خلق اللہ کی خدمت کا کوئی موقع ملے اس کی کوئی اُمید نہیں۔

سوالات:

1۔ دنیا میں معزز کون کہلاتا ہے؟

2۔ جوتے نے کس طرح خود کو انسانوں سے افضل قرار دیا ہے؟

3۔ کیسی زندگی اور موت افضل تصور کی جائے گی؟

4۔ اس اقتباس کے لیے مناسب عنوان تجویز کریں؟

ھ۔ سبق پڑھ کر دیئے گئے سوالات کے جواب دیجئے۔

1۔ ڈاکٹر شبیر صدیقی کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2۔ جانوروں نے انسان کو دیکھ کر کس طرح کا ردعمل ظاہر کیا؟

3۔ سیاسی نیتا الکشن سے قبل کیا روش اختیار کرتے ہیں؟

4۔ شیر کے دربار میں کن کن جانوروں نے اپنی شکایات بیان کیں؟

5۔ لومڑی کی کن خوبیوں کو انسان طعنہ کے طور پر استعمال کرتا ہے؟

II. اظہار مافی الضمیر۔ تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالات کے جواب تفصیل سے لکھئے

1۔ مصنف نے شیر کی زبانی انسانوں تک کیا پیغام پہنچایا ہے؟

2۔ ''ہمیں انسانوں کی ذہنیت نہیں اپنانی وہ اپنے مفاد کے لیے کسی بھی بے گناہ کا خون کرسکتا ہے'' اس پر اظہار خیال کیجئے

(ب) تخلیقی انداز میں لکھئے

1۔ اس افسانے کو ڈرامے کی شکل میں پیش کیجئے۔

2۔ ہر انسان میں کچھ خوبیاں ہوتی ہیں آپ اپنے دوست کی خوبیاں بیان کرتے ہوئے اپنے چھوٹے بھائی کو خط لکھئے۔

3۔ جانوروں کی اہمیت پر مضمون لکھئے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

☆ ذیل میں دیئے گئے الفاظ ومحاوروں کو جملوں میں استعمال کریں۔

1۔ الو کی طرح باتیں کرنا
2۔ فکر میں ڈوب جانا
3۔ مذہبی پیشوا
4۔ گرگٹ کی طرح رنگ بدلنا
5۔ تُل جانا
6۔ پُر رعب شخصیت
7۔ طعنہ

قواعد

علم نحو

جس طرح حروف کے مجموعہ سے لفظ بنتا ہے اسی طرح لفظوں کے بامعنی مجموعہ سے جملہ بنتا ہے۔

جملہ: الفاظ کے ایسے مسلسل مجموعہ کا نام ہے جس سے بات پورے طور پر سمجھ میں آجائے

الف۔ اس جملے پر غور کیجیے۔

☆ انور بیمار ہے۔

اس جملے کے دو جز ہیں۔

پہلا جُز = انور

دوسرا جز = بیمار ہے

ان دونوں جز کو جملے کے عناصر کہتے ہیں۔اور ہر جملہ دو عناصر سے مکمل ہوتا ہے۔

جملے کے دو عناصر ہیں: 1۔ مبتدا 2۔ خبر

انور : پہلا جز ہے جو مبتدا ہے.....مبتدا ہمیشہ شروع میں ہوتا ہے۔

بیمار ہے : دوسرا جز ہے جو خبر ہے.....خبر ہمیشہ مبتدا کے بعد آتا ہے۔

نوٹ: مبتدا ہمیشہ اسم یا ضمیر ہوگا جو فاعلی حالت میں ہوگا۔جبکہ خبر اسم صفت یا فعل ہونگے۔

جیسے: وہ پڑھتا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

اس جملے میں ''وہ'' مبتدا ہے ضمیر ہے اور فاعلی حالت میں ہے۔

''پڑھتا ہے'' خبر ہے فعل ہے۔ خبری حالت میں ہے۔

ب۔ اس جملے پر غور کیجیے۔

☆ شہر حیدرآباد خوبصورت ہے۔

اس جملے میں حیدرآباد مبتدا ہے اس کی مزید وضاحت کے لیے ''شہر'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔ جو ''توسیع'' ہے۔

جب مبتداء کی مزید وضاحت کے لیے کوئی لفظ آئے تو اسکو ''توسیع مبتدا'' کہتے ہیں۔

ج۔ اس جملے پر غور کیجیے۔

☆ احمد چار آم کھایا

اس جملے میں ''احمد'' مبتدا ہے جبکہ ''آم کھایا'' خبر ہے اور ''چار'' خبر کی توسیع ہے۔

خبر کی وضاحت کے لیے کوئی لفظ کا استعمال ہو تو اسے ''خبر کی توسیع'' کہتے ہیں۔

مشق ا۔ ان جملوں میں مبتداء اور مبتدا کی توسیع'' اور ''خبر'' اور ''خبر کی توسیع'' کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ حامد روزانہ اپنے دوستوں کے ساتھ اسکول جاتا ہے۔

2۔ میں اور میرے محلے والے اس پرانے کنویں سے پانی پیتے ہیں۔

3۔ شہر مکہ میں اونچے اونچے مکانات اور عالی شان مساجد ہیں۔

4۔ اسکولی طلبہ اپنے ہم جماعت کے ساتھ بیت بازی کر رہے ہیں۔

5۔ حیدرآباد کو محمد قلی قطب شاہ نے چار سو سال قبل بسایا تھا۔

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

1۔ محاوروں کو جمع کر کے کمرہ جماعت میں آویزاں کیجئے۔

2۔ ان محاوروں کے پس منظر پر کمرہ جماعت میں مباحثہ کیجئے۔

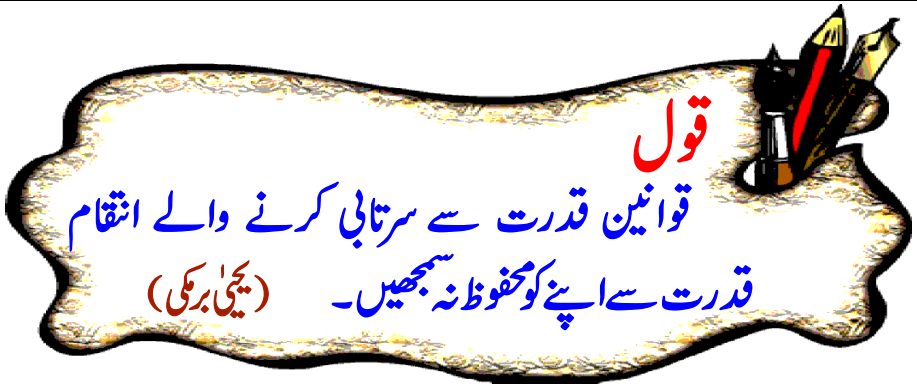

13
خون کا رنگ

خواجہ الطاف حسین حاؔلی

I۔ پڑھیے، سوچیے اور جواب دیجیے۔

خلوص دل میں لیے کارواں کے ساتھ چلو
مسافرو...... چلو عزمِ گراں کے ساتھ چلو
وطن کی لاج بنو قوم کی نکھار بنو
ہر ایک دل کے لیے حُسن اعتبار بنو
بھلادو فرقہ پرستی کی داستانوں کو
مٹادو بڑھ کے تعصب بھرے جہانوں کو
قسم وطن کی تمہیں، ایکتا کے گُن گاؤ
دلوں میں عظمتِ قوم و وطن کو چمکاؤ
قدم کے ساتھ اگر دل ملیں تو بات بنے
جہاں بھی چاہو وہیں منزلِ حیات بنے
ہو ایک دل، ذرا آواز بھی ملا کے چلو
چلوتو راہ حوادث میں مُسکرا کے چلو

سوالات:

1۔ ''خلوص دل میں لیے کارواں کے ساتھ چلو'' سے کیا مراد ہے؟

2۔ شاعر راہ حوادث میں مسکرا کر چلنے کو کیوں کہتا ہے؟

3۔ اس نظم کے ذریعے شاعر زمانے کو کیا پیغام دینا چاہتا ہے؟

مقصد:

گیت ''خون کا رنگ'' بیکل اتساہی نے لکھا ہے۔ ہمارا ملک کثیر مذہبی و کثیر لسانی ہونے کے باوجود قومی یکجہتی کا ایک بہترین پیکر ہے۔ یہاں کی تہذیب اور تمدن لاثانی ہے۔ کثرت میں وحدت کے مصداق ہمارے ملک ہندوستان میں تمام لوگ سکھ چین، امن وشانتی کے ساتھ سب ایک دوسرے سے ملکر رہتے ہیں۔ لیکن چند طاقتیں ملک کا شیرازہ بکھیرنے اور بھائی چارگی اور ہم آہنگی کی فضاء کو مکدر کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ اسی تناظر میں گیت ''خون کا رنگ'' قومی یکجہتی کا پیغام دیتا ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ماخذ

یہ گیت ''کلیات بیکل اُتساہی'' سے لیا گیا ہے

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔

2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان الفاظ کے نیچے خط کھینچئے۔

3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

صنف کی تعریف

گیت بنیادی طور پر غزل کی طرح ایک داخلی اور غنائی صنف سخن ہے۔ اس میں شخصی اور دلی جذبات کا اظہار ہوتا ہے۔ عام طور پر گیت کے موضوع عشق و محبت کے مضامین ہوتے ہیں۔ دور جدید نے اس کے موضوعات کو کافی وسعت دی ہے اور اس میں سیاسی، سماجی، معاشی و معاشرتی موضوعات کو بھی شامل کیا گیا ہے گیت کی ہیت غزل سے مختلف ہوتی ہے۔ گیت میں کئی بند ہوتے ہیں۔ ہر بند کے بعد گیت کا پہلا مصرع یا اس مصرعے کا ایک حصہ دوہرایا جاتا ہے۔ اس کو ٹیپ کا مصرع کہا جاتا ہے۔ گیت میں عموماً چار یا پانچ بند ہوتے ہیں اور ان میں تسلسل کے ساتھ ایک ہی خیال یا جذبے کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ ایک ہلکی پھلکی غنائی شاعری ہوتی ہے۔ جس کو دھن پر بھی گایا جاسکتا ہے۔ زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے۔ گیت میں بحر اور وزن کی سختی سے پابندی نہیں ہوتی ہے۔ البتہ اس کے لیے ایک لئے ضروری ہوتی ہے۔ جس کی بنیاد پر گیت گایا جاسکے۔ عموماً اس کی بنیاد ہندی بحروں یعنی چھندوں پر رکھی جاتی ہے۔

اردو میں گیت کی روایت بہت قدیم ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس کا آغاز امیر خسرو سے ہوتا ہے قلی قطب شاہ، ملا وجہی، ولی دکنی نے بھی گیت لکھے ہیں نظیر اکبر آبادی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ دور جدید کے اہم گیت نگاروں میں آرزو لکھنوی، حفیظ جالندھری، اختر شیرانی، میراجی، بیکل اُتساہی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔

شاعر کا تعارف

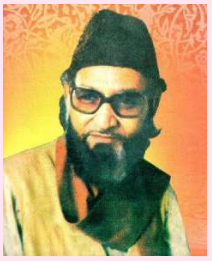

اصل نام محمد شفیع لودی ہے۔ قلمی نام اور تخلص بیکل اُتساہی سے مشہور ہیں۔ انکے والد کا نام خاں بہادر محمد حنیف خاں تھا۔ بیکل کی پیدائش 1928ء کو موضع گورڈھول پور گونڈہ میں ہوئی۔ انٹرنس پاس ہونے کے بعد ادیب ماہر اور کامل منشی کی سند بھی لی۔ ہندی میں ڈگری لی۔

انھوں نے غزلیں بھی کہی ہیں اور نظمیں بھی۔ لیکن بنیادی طور پر یہ گیت کے شاعر مانے جاتے ہیں۔ خوش گلوئی ان کا خاص وصف ہے۔ اس لیے مشاعروں میں بڑی اہمیت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

ان کے شعری مجموعوں میں نغمہ و ترنم، نشاط زندگی، سرور جاوداں، پروائیاں، کومل مکھڑے، بیکل گیت، غزل سانوری، وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ بیکل اتساہی ابھی بقید حیات ہیں۔ اور ان کا ادبی سفر جاری ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

دنیائے اردو کے شعری منظرنامے پر ابھرنے والے متعدد عہد ساز شعراء اپنے کلام اور حسن تخلیق کے حوالے سے اردو کی عظیم گنگا جمنی تہذیب کا سرمایہ افتخار ہیں جنھوں نے اردو کے چمنستان کو رنگا رنگ و لالہ زار بنادیا ہے۔ ایسے ہی باکمال شعراء میں جناب بیکل اتساہی بھی ہیں۔ بیکل اتساہی نے اس گیت میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ اس دنیا میں جہاں محبت، الفت، رواداری، اخوت ہونا چاہیے قتل، خون، غارت گیری کا بازار گرم ہے لوگ ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوگئے ہیں۔ آیئے اس گیت کے ذریعے بیکل اتساہی نے ان واقعات کو کیسے دل سوز انداز میں پیش کیا ہے واقف ہوں گے۔

I

کیوں چلی، کیسے چلی اُلٹی زمانے کی ہوا　　کیا لہو ایک نہیں؟

ایک بھائی نے کسی بھائی کا گھر لوٹ لیا
قتل ممتا کو کیا ، نورِ نظر لوٹ لیا

چھین لی کانپتے ہونٹوں سے جوانی کی دُعا　　کیا لہو ایک نہیں؟

آدمیت کو نمائش میں سجا رکھا ہے
دھرم کو جیسے کتابوں میں چھپا رکھا ہے

جیسے احساس محبت ہے قیامت کی بلا　　کیا لہو ایک نہیں؟

عظمتِ امن کا پیغام چلے تھے لے کر
بادۂ صبر کا بھی جام چلے تھے لے کر

شیشۂ ضبط تو نازک تھا مگر ٹوٹ گیا　　کیا لہو ایک نہیں؟

سوچیے۔ بولیے

1۔ نظم کے ان تین بند سے آپ نے کیا سمجھا؟
2۔ امن کا پیغام دینے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟
3۔ اردو زبان کے ذریعہ آپ قومی یکجہتی کو کیسے فروغ دے سکتے ہیں؟
4۔ کوئی بھی مذہب تشدد کو فروغ نہیں دیتا۔ کیسے؟ سمجھایئے۔
5۔ ہمارا مذہب امن اور بھائی چارگی سے متعلق کیا پیغام دیتا ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

II

ساتھ دیوانے چلے ایک ہی منزل کے لیے
ایک کشتی تھی رواں ایک ہی ساحل کے لیے
مقصدِ زیست مگر جا کے کہیں ڈوب گیا کیا لہو ایک نہیں؟

اپنے ہی خون کی برکھا میں نہائے ہے سماج
کوئی پوچھے تو دہکتے ہوئے شعلوں کا مزاج
آگ یہ کس نے لگائی یہ مکاں کس کا جلا کیا لہو ایک نہیں؟

اپنی لغزش پہ ندامت کا سہارا دے دے
آج پھر امن و محبت کا کنارا دے دے
کیا ہوا کیسے ہوا یار مرے بھول بھی جا کیا لہو ایک نہیں؟

سوچیے ۔ بولیے

1۔ ایک ہی منزل کے لیے ساتھ چلنے کا مطلب کیا ہے؟
2۔ امن و امان کے اعتبار سے موجودہ سماج کی صورت حال کیا ہے؟
3۔ کیا آپ اپنی لغزشوں پر نادم ہوتے ہیں؟ کیوں اور کیسے؟
4۔ آخری بند میں شاعر کیا پیغام دینا چاہتا ہے؟
5۔ ''کیا لہو ایک نہیں'' سے کیا مراد ہے؟

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

خلاصہ

بیکل اتساہی جدید لب ولہجہ کے شاعر ہیں وہ اس نظم میں ہمارے ملک کی گنگا جمنی تہذیب کی یاد تازہ کرتے ہوئے کہتے ہیں ہماری تہذیب محبت، رواداری، اخوت، ہمدردی کی رہی ہے۔ زمانہ قدیم سے یہاں مذاہب، رنگ ونسل کے لوگ باہم مل جل کر رہتے آئے ہیں۔ لیکن آج زمانہ کی ہوا کیوں اور کیسے الٹ گئی۔ کیا ہمارا لہو ایک نہیں؟ اب زمانہ کی ہوا کچھ ایسی بدل گئی ہے کہ بھائی بھائی ایک دوسرے کے گھر لوٹ رہے ہیں۔ قتل وغارت گری کا بازار گرم ہے۔ ہر قتل ہونے والا کسی کا نور نظر ہے۔ ممتا کا قتل کیا جارہا ہے۔ نوجوان جو اپنے والدین کا سہارا ہوتے ہیں۔ جو والدین کی طویل زندگی کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔ ان کانپتے ہونٹوں سے جوانی کی دعاؤں کو چھین لیا جارہا ہے۔ ایسا کیوں ہورہا ہے؟ کیا ہمارا لہو ایک نہیں؟ حالات کچھ اسی طرح بدل گئے ہیں کہ انسانیت کو سب لوگ بھول گئے ہیں۔ آدمیت اب ایک نمائشی چیز بن کر رہ گئی ہے۔ مذہب بھی آج کے اس دور میں صرف کتابوں کی زینت بن کر رہ گیا ہے۔ دنیا کا کوئی مذہب بھی اس کی اجازت نہیں دیتا۔ ہر مذہب محبت، امن، آشتی، اخوت کا درس دیتا ہے۔ لیکن آج احساس محبت بھی قیامت کی بلا بن کر رہ گیا ہے۔

ہماری تہذیب تو یہ ہے کہ ہم ساری دنیا کے لیے امن کا پیغام لے کر چلے تھے۔ ہم نے ساری دنیا کو باۂ صبر کا جام پلایا تھا۔ لیکن ایسا کیا ہوگیا کہ ہمارا ہی پیمانہ ضبط ٹوٹ گیا کیا ہمارا خون ایک نہیں؟

ہماری تہذیب تو ایسی تھی کہ ہم ایک ہی منزل کو پانے کے لیے سب مل جل کر ایک ہی کشتی میں سوار ہوا کرتے تھے۔ لیکن اب ہماری زندگی کا وہ مشترکہ مقصد کہیں ڈوب گیا ہے۔ کیا ہمارا خون ایک نہیں؟

آج حالات نے کچھ ایسا رخ بدلا ہے کہ ہم اپنے ہی خون میں نہائے ہوئے ہیں۔ اپنی ہی لگائی ہوئی آگ میں جل رہے ہیں۔ آخر کسی کو تو معلوم ہوگا کہ یہ آگ کس نے لگائی اور کس کے مکان جل رہے ہیں۔ کیا ہمارا لہو ایک نہیں؟

آخر میں شاعر امن وآشتی کا درس دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اپنی غلطی پر نادم ہوکر پھر ایک مرتبہ ہمیں امن ومحبت کا پرچم بلند کرنا ہے۔ یہ سب کیا ہوا اور کیسے ہوا بھول کر ایک نئے روشن مستقبل کی طرف قدم بڑھانا ہے۔ کیونکہ ہم سب کے خون کا رنگ ایک ہی ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب دیجیے۔

1۔ گیت پڑھیئے اور اشعار کا مطلب اپنے الفاظ میں بیان کیجیے۔

2۔ شاعر اس نظم میں قومی یکجہتی کے لیے کونسی چیزوں کو ضروری قرار دیا ہے؟

3۔ ہم سب کی زندگی کا مقصد کیا ہونا چاہیے؟

4۔ ہمارا درخشاں مستقبل کس میں مضمر ہے؟

(ب) حسب ذیل جملوں کا تعلق گیت کے کن اشعار سے ہے نشاندہی کیجیے اور لکھئے۔

1۔ انسان کو اپنی غلطیوں پر شرمسار ہو کر معافی مانگ لینا چاہیے۔

2۔ ہم سب کو مل کر ایک ہی مقصد کے لیے کام کرنا چاہیے۔

3۔ انسانیت کا اظہار صرف ظاہری طور پر عیاں ہے جب کہ باطن کچھ اور ہے۔

II. اظہار مافی الضمیر ۔تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) ذیل کے سوالوں کے جواب 4 یا 5 جملوں میں لکھیے۔

1۔ آدمیت کو نمائش میں سجانا کا آپ کیا مطلب سمجھتے ہیں؟

2۔ شاعر کونسی باتوں کو بھلا کر آگے بڑھنے کی ترغیب دیتا ہے؟

3۔ شاعر صبر کی تلقین کیسے کرتا ہے؟

(ب) ذیل کے سوالات کے جواب 10 یا 12 جملوں میں لکھئے۔

1۔ شاعر نے گیت میں قومی یکجہتی کے لیے جن امور کا احاطہ کیا ہے اس کو مدنظر رکھ کر ایک 12 سطری مضمون لکھئے۔

2۔ ''ہمارا ملک گنگا جمنی تہذیب کا گہوارہ ہے'' کیوں اور کیسے۔10 سطروں میں لکھئے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ب) تخلیقی طور پر لکھئے۔

1۔ ملک کی موجودہ صورتحال کا اظہار خود ملک آپ سے کرنا چاہتا ہے۔آپ کے اور ملک کے درمیان ہونے والی گفتگو کو مکالموں کی شکل میں لکھئے۔

2۔ یوم آزادی تقریب میں قومی یکجہتی پر آپ کو تقریر کرنا ہے اس کے لیے ایک تقریر تیار کیجیے۔

(ج) توصیفی طور پر لکھئے۔

1۔ قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے جن اشخاص نے کوشیش کی ہیں ان کو سراہتے ہوئے ایک مضمون لکھئے۔

یا

2۔ ایک شخص قومی یکجہتی کو فروغ دینے کے لیے مختلف طریقوں سے عوام میں شعور بیدار کر رہا ہے اس کے اس اقدام کو سراہتے ہوئے چند جملے لکھ کر اخبار میں اشاعت کے لیے روانہ کیجیے اور اسے کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنایئے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) ذیل کے جملوں میں ہم معنی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ان کی نشاندہی کیجیے اور قوس میں لکھئے

1۔ زاہد ایک با اخلاق لڑکا ہے اسکی آدمیت کا یہ حال ہے کہ وہ کبھی کسی کا دل نہیں دُکھاتا (_____ ، _____)

2۔ ہمارے ملک میں مختلف رسم و رواج پائے جاتے ہیں۔لیکن تمام لوگ ایک دوسرے کے دھرم کی عزت کرتے ہیں۔
(_____ ، _____)

3۔ ساری بڑائی اللہ کی ہے اور سب اس کی عظمت کے قائل ہیں۔(_____ ، _____)

4۔ گاؤں میں چین وسکون کی زندگی ہوتی ہے اور وہاں سب لوگ امن کے ساتھ رہتے ہیں۔(_____ ، _____)

5۔ واجد نے غلطی پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ اسے ندامت کا احساس دیر سے ہوا۔(_____ ، _____)

(ب) درج ذیل الفاظ کے معنی لغت میں تلاش کر کے انہیں جملوں میں استعمال کیجیے۔

1۔ ممتا 2۔ نورنظر 3۔ بادۂ صبر 4۔ برکھا 5۔ لغزش

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ج) درج ذیل الفاظ کے اضداد لکھئے اور ایسے جملے بنایئے جس میں الفاظ اور ان کے اضداد دونوں موجود ہوں۔

مثال: چھپانا × ظاہر کرنا

کسی کے عیب کو چھپانا اور اس کی خوبیوں کو ظاہر کرنا اچھی بات ہے۔

1۔ زیست :

2۔ ڈوبنا :

3۔ امن :

4۔ جوانی :

5۔ محبت :

قواعد

علم اعداد/تاریخ گوئی

آپ نے دیکھا ہوگا کہ عموماً خط یا کسی عبارت کے آغاز سے پہلے 786 لکھا جاتا ہے کیا آپ جانتے ہیں کہ یہ کیوں لکھا جاتا ہے؟

دراصل یہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد ہیں۔

عربی میں حروف تہجی کی قیمت کو ہندسوں میں مقرر کر دیا گیا ہے اس کو علم الاعداد یا علم جمل کہتے ہیں۔

جس میں حروف کی ترتیب اس طرح مقرر کی گئی ہے۔

اَبْجَدْ هَوَّزْ حُطِّیْ كَلِمَنْ سَعْفَصْ قَرَشَتْ ثَخَّذْ ضَظَّغْ

حروف کی قیمت اس طرح مقرر کی گئی ہیں۔

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی	ک	ل	م	ن
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۲۰	۳۰	۴۰	۵۰
س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت	ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰	۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

ان ہندسوں کو حروف کی مناسبت سے جوڑ کر تاریخ پیدائش تاریخ وفات تاریخ نکاح کے علاوہ موقع کے لحاظ سے مختلف تواریخ کو ہندسوں کے ذریعہ ظاہر کیا جاتا ہے

مطلوبہ تاریخ ایک لفظ یا ایک فقرہ یا پھر ایک مصرعے کے ذریعے نکالی جاتی ہے جسے شاعری کی اصطلاح میں تاریخ گوئی کہتے ہیں۔

مثلاً: مولانا ابوالکلام آزاد کا تاریخی نام ''فیروز بخت'' ہے

جس کے اعداد کا مجموعہ ۱۳۰۸ھ ہے جو انکی (سنہ ہجری کے لحاظ سے) سال پیدائش ہے۔

ف ی ر و ز ب خ ت 1305ھ

80 + 10 + 200 + 6 + 7 + 2 + 600 + 400

علامہ اقبال کی تاریخ وفات اس فقرے سے نکلتی ہے۔

شمع شاعری خاموش

۱۹۳۸ء

ش م ع ش ا ع ر ی خ ا م و ش

300+6+40+1+600+10+200+70+1+300+70+40+300=1938ء

شاہ جہاں نے اپنی چہیتی بیگم ارجمند بانو نور جہاں کی قبر پر جو تختی لگائی ہے اس پر لکھا ہے

غم
1040

1040 نور جہاں کی تاریخ وفات ہے.

نوٹ: اردو کے یہ حروف

پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ

عربی میں نہیں پائے جاتے ہیں اس لیے انکے اعداد عربی کے قریب ترین حروف سے مقرر کیے گئے ہیں جو حسب ذیل ہیں

پ ٹ چ ڈ ڑ ژ گ

2 400 3 4 200 7 20

مشق:1

1۔ اپنے اپنے نام لکھ کر حروف کے لحاظ سے اعداد نکال کر جمع کیجیے۔

2۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے اعداد کو جمع کیجیے اور دیکھیے کہ اعداد کا مجموعہ 786 ہوتا ہے یا نہیں۔

3۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ 786 کے نیچے 92 لکھا ہوتا ہے یہ محمدؐ کے اعداد کا مجموعہ ہے آپ بھی اس کی مشق کیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

1۔ قومی یکجہتی سے متعلق دیگر شعراء کی لکھی ہوئی نظمیں یا گیت اکٹھا کیجیے اور اس کا البم تیار کیجیے۔

2۔ قومی یکجہتی کو فروغ دینے والے کوئی دو اشخاص کی تصویریں جمع کر کے ان سے متعلق چند جملے لکھ کر کمرہ جماعت میں آویزاں کیجیے

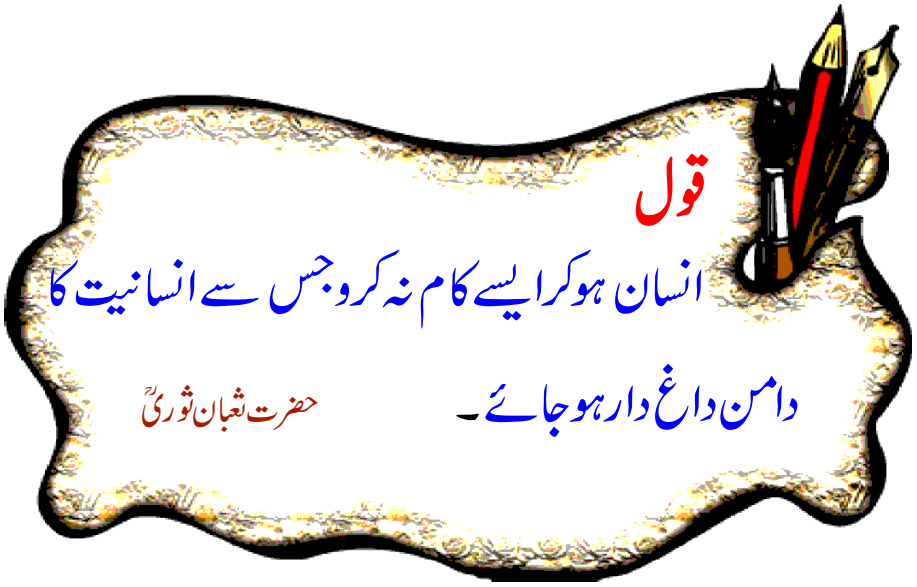

14

گوپی چند نارنگ سے انٹرویو

ماخوذ

I۔ پڑھیئے سوچئے اور جواب دیجئے

کوئی محرم نہیں ملتا جہاں میں
مجھے کہنا ہے کچھ اپنی زباں میں
دل پر درد سے کچھ کام لوں گا
اگر فرصت ملی مجھ کو جہاں میں
بہت جی خوش ہوا حالؔی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

سوالات

1۔ اپنی زبان میں کہنے سے کیا فائدہ ہوتا ہے؟
2۔ درد بھرے دل کا کیا کام ہوتا ہے؟
3۔ حالؔی سے مل کر جی کیوں خوش ہوا ہے؟
4۔ لوگوں سے ملاقات کو کون کون سے عنوانات دیئے جا سکتے ہیں؟

مرکزی خیال

اس سبق کا مقصد طلباء کو نثر کی ایک صنف سے تعارف کرانا ہے اس سے طلباء کو انٹرویو کے فن کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل ہوں گے۔ گوپی چند نارنگ اردو ادب کی ایک مشہور شخصیت ہیں۔ ان کے انٹرویو سے اردو زبان سے ان کے تعلق و محبت کا رنگ جھلکتا ہے۔ اس سے طلباء کو معلوم ہوتا ہے کہ زبان کو کسی مذہب یا علاقے میں محدود نہیں کیا جا سکتا۔ زبان اسی کی ہوتی ہے جو اس سے محبت کرتا ہے اور اسے اپناتا ہے۔

ماخذ

یہ انٹرویو 'انشاء' کے گوپی چند نارنگ نمبر سے ماخوذ ہے۔

طلباء کے لیے ہدایات

1۔ سبق کا ابتدائیہ پڑھیے اور سبق کے موضوع کا اندازہ لگائیے۔
2۔ سبق پڑھیے۔ جن الفاظ کے معنی آپ نہ جانتے ہوں ان الفاظ کے نیچے خط کھینچئے۔
3۔ ان الفاظ کے معنی کتاب کی فرہنگ یا لغت دیکھ کر معلوم کیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ابتدائیہ

زبان تہذیب کی کلید ہے۔ زبان نہیں ہے تو آپ کا چہرہ نہیں ہے اور چہرہ نہیں ہے تو تہذیب نہیں ہے۔ اگر تہذیب نہیں ہے تو آپ صرف کھانے کمانے جینے اور مرجانے کے لیے جیتے ہیں۔ جس تہذیب سے میرا تعلق ہے اس میں اس طرح کا جینا نہ جینے کے برابر ہے۔ زبان تہذیب کا چہرہ تو ہے ہی' انسانیت' اقدار' اعتقاد اور مذہب کا چہرہ بھی ہے۔ زبان ہے تو تاریخ کا شعور ہے۔ زبان ہے تو نیک و بد کا شعور ہے' ہماری زندگی سے زبان کا تعلق کس قدر اٹوٹ ہے۔ اس کے بارے میں جاننے کے لیئے آیئے اس سبق کا مطالعہ کرتے ہیں۔

I

سوال: اردو زبان وادب سے آپ کے بزرگوں کا تعلق کس نوعیت کا تھا؟

جواب: میری والدہ اور دادی کی زبان سرائیکی تھی۔ والد صاحب سرائیکی بھی بولتے تھے اور بلوچی و پشتو بھی۔ دفتری انتظامیہ تو انگریزی میں تھا۔ لیکن والد صاحب فارسی اور سنسکرت بھی جانتے تھے اور اردو بھی بولتے تھے۔ اردو اور فارسی کے اشعار سب سے پہلے میں نے ان کی زبان سے سنے۔ ہندوؤں کی مذہبی کتابیں والد صاحب اصل سنسکرت سے پڑھ کر سناتے تھے۔ سوامی رام تیرتھ کی غزلیات اور بہت سے اُردو شعراء کا کلام انہیں ازبر تھا۔

سوال: کس جذبہ کے تحت آپ اردو زبان سے اپنا تعلق برقرار رکھ سکے؟

جواب: اگر کوئی جذبہ آپ کے ذہن و شعور کا حصہ ہو اور آپ کی لگن کھری اور سچی ہو تو آزمائش ایسے ہی حالات میں ہوتی ہے۔ انٹرمیڈیٹ میں نے اجمیر بورڈ سے کیا' بی۔اے پنجاب یونیورسٹی سے' پھر 1952ء میں جب میں لیبر انسپکٹر کے طور پر کام کر رہا تھا' میں نے دہلی کالج میں ایم۔اے (اردو) میں داخلہ لے لیا۔ ایم۔اے کی کلاس میں دہلی یونیورسٹی میں اکیلا طالب علم تھا۔ 1954ء میں ایم۔اے فرسٹ کلاس کرنے کے بعد میں نے پی۔ایچ۔ڈی میں داخلہ لے لیا۔ وظیفہ بھی مل گیا اور یوں بتدریج اردو سے رشتہ مضبوط ہوتا گیا۔

سوال: بقول آپ کے' آپ کی تربیت میں زبان اور لفظ و معنی کے اثرات بڑی اہمیت رکھتے ہیں' کیا آپ اپنی تربیت کی تفصیل اس خیال کے آئینے میں بیان کرنا پسند کریں گے؟

جواب: زبان ولفظ و معنی میرے لئے اس لیے بھی اہمیت رکھتے ہیں کہ میں اردو کا اہل زبان نہیں تھا۔اسی احساس کی دین ہے کہ اردو زبان کے رموز ونکات میری سوچ کا حصہ رہے ہیں اور زبان پر قدرت حاصل کرنے میں اگر چہ مجھے ریاضت تو کرنا پڑی لیکن زیادہ وقت نہیں لگا۔میری طبیعت میں ایک مضمر جمالیاتی حس ہے جو کارکرد رہتی ہے اور بہت سے فیصلے اپنے آپ کرتی ہے۔ اردو کا جادو مجھ پر شروع سے چلنے لگا تھا جو شاید اسی جمالیاتی داخلی حس کی وجہ سے تھا۔اردو کے بھید بھرے سنگیت کو سمجھنے کی کوشش کرنا بھی شاید اسی اندرونی تجسس کا حصہ رہا ہوگا۔بہر حال' اس تجسس اور اضطراب سے میں نے بہت کچھ پایا جس کو میں اپنی خوش نصیبی سمجھتا ہوں۔میری فکری بساط جیسی بھی ہے اس کی بدولت بلاخوف تردید آج بھی معروضی طور پر ثابت کرسکتا ہوں کہ برصغیر کی زبانیں سب اہم ہوں گی کوئی کسی سے ہیٹی نہیں لیکن اردو ہندوستان کی زبانوں کا تاج محل ہے

سوال: پروفیسر صاحب! اردو زبان سے عدم دلچسپی کے ہندی معاشرے میں ایک ہندو گھرانے کا اس اجنبی زبان و ادب کو اوڑھنا بچھونا بنانے پر کس طرح کے ردّعمل کا سامنا رہا ہوگا؟

جواب: جب میں ہندوستان آیا' میرے والد صاحب جو بلوچستان میں افسر خزانہ تھے۔انہوں نے اپنے احباب کے اصرار پر پاکستان ریونیو سروس کا انتخاب کرلیا تھا' میں دسویں کی تعلیم کے بعد اعلیٰ تعلیم کے لیے دہلی بھیجا گیا۔والد صاحب 9 برس کے بعد 1956ء میں ریٹائرمنٹ کے بعد ہندوستان آئے' اگر چہ وہ چاہتے تھے کہ اعلیٰ تعلیمی ریکارڈ کی وجہ سے میں سائنس پڑھوں لیکن انہوں نے کبھی اصرار نہیں کیا۔انہوں نے میرے معاملات میں مجھ کو آزادی برتنے دی۔اور وہ خود لکھتے پڑھتے تھے۔خط و کتابت بھی اردو میں کرتے تھے۔اس زمانے میں ہندو گھرانوں میں اردو سے مغائرت نہیں تھی۔آج بھی ہندوستان میں ہزاروں لاکھوں ایسے ہندو ہیں جو اردو سے محبت کرتے ہیں۔

سوال: کیا یہ تاثر درست ہے کہ علم و ہنر جس قدر وسعت اختیار کرتا ہے' جذبات و احساسات اسی قدر سمٹتے جاتے ہیں یعنی انسان اس صورت میں زیادہ Straight forward ہوجاتا ہے!۔

جواب: علم و ہنر جس قدر وسعت اختیار کرتا ہے' ضروری نہیں' جذبات و احساسات اسی قدر سمٹتے جائیں البتہ تسکین اور اظہار کے ذرائع اور طور طریقے بدل سکتے ہیں۔

سوال: آپ ذوق شوق سے لکھی ہوئی تقریر ڈائس پر آکر پڑھنے کے بجائے فی البدیہہ تقریر بہت عمدہ کرتے ہیں۔اس کی خاص وجہ ہے؟

جواب: اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔اوّل تو یہ کہ فضل ربی ہے کہ قدرت کی طرف سے مجھے یہ ملکہ حاصل ہوا ہے کہ میں بولتے وقت سوچ

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

بھی سکتا ہوں۔ گویا زبان و ذہن دونوں کے بیک وقت کام کرنے سے مجھے کوئی الجھن نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ لکھی ہوئی تقریر پڑھنے سے سوچنے کی آزادی سلب ہوجاتی ہے۔ زبان فعال رہتی ہے، ذہن اتنا کارگر نہیں رہتا اور سامعین سے تو وہ رشتہ ہرگز نہیں بنتا جو ازدل خیزد و بر دل ریزد کی کیفیت پیدا کردے۔ بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ عملی، تنقیدی و تحقیقی سفر میں دس بارہ ہزار صفحات سے زیادہ میں نے لکھا ہوگا، میرا لکھنا پڑھنا سوچنا (بُرا بھلا جیسا بھی ہو) بولتے ہوئے میرے ذہن میں متحضر رہتا ہے۔ تقریر تو کیا، بس میں سامعین سے ہم کلام ہونے اور دلوں تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔

سوال: آپ کے مزاج کی انقلاب آفرینی کس نظریہ، تحریک یا جواز کی دین ہے؟

جواب: میں کسی ایک نظریے یا تحریک کا پابند نہیں۔ یہ میرے باطنی تجسس کے خلاف ہے۔ غالب نے کہا تھا:

رشك هے آسائشِ اربابِ غفلت پر اسد

پیچ وتابِ دل نصیبِ خاطرِ آگاہ هے

اس کو پیچ و تاب دل کی دین سمجھئے۔ یہ بھی واضح رہے کہ ادب بہتے ہوئے دریا کی طرح ہے۔ ٹھہری ہوئی فکر، ادب کے جمالیاتی تحرک کے خلاف ہے۔

سوچیے۔ بولیے

1۔ گوپی چند نارنگ کو اردو زبان میں مہارت حاصل کرنے کے لیے دشواری کیوں نہیں ہوئی؟

2۔ لکھی ہوئی تقریر پڑھنے سے سوچنے کی آزادی کیوں کر سلب ہوجاتی ہے؟

3۔ انسان کا جذبہ اور لگن کھری ہو تو کیا فائدہ ہوتا ہے؟

سوال: آپ کے مطابق بول چال کی زبان میں شاعری نہیں ہوسکتی جبکہ شاعری کی زبان میں بول چال ہوسکتی ہے۔ کیا آج کی شاعری بول چال کی سطح سے اوپر کی شاعری ہے؟۔

جواب: شاعر شاعر میں فرق ہوتا ہے۔ میں نے یہ بات میرؔ کی زبان کے پس منظر میں عرض کی تھی جن کو ہر چند کہ گفتگو عوام سے تھی لیکن شعران کے خواص پسند بھی ہیں۔ اعلیٰ شاعری میں سادہ نظر آنے والی زبان دراصل سادہ نہیں ہوتی۔ اس میں معنی تہہ در تہہ ہوتے ہیں۔ اس کو نبھانا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔ لیکن شاعری تخلیق کا حق اسی وقت ادا کرسکتی ہے جب عام زبان زندہ رہنے والی زبان بن جائے۔ یعنی بول چال کی زبان میں معنی آفرینی اور حسن کاری کا وہ منظر شامل ہوجائے جس کا جادو دلوں پر چل سکے۔ آج کی شاعری میں اچھی یا بری طرح کی شاعری ہے۔ اچھی کم بری زیادہ۔ جہاں جہاں معنی آفرینی ہے وہاں زندہ رہنے کا امکان ہے۔

سوچیے ۔ بولیے

1۔ سخن فہمی اور ادب فہمی تنقید کے لیے کیوں ضروری ہوتی ہے

2۔ ''اچھی تنقید کی معنویت کے لیے بری تنقید کا وجود ضروری ہے۔ گوپی چند نارنگ نے یہ کیوں کہا ہے؟

3۔ ہم کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اردو کی جڑیں ہماری ملی جلی تہذیب میں دور دور تک پیوست ہیں؟

سوال: آپ کی رائے ہے کہ نوجوان تخلیق کاروں کو عالمی ادب کے کلاسیک کے ساتھ ہندی، بنگالی، مراٹھی، گجراتی اور ملیالم وغیرہ کے تراجم کا مطالعہ بھی کرنا چاہیئے ۔ یہ تراجم دستیاب کہاں سے ہوں گے؟

جواب: ہندی، بنگالی، مراٹھی، گجراتی، ملیالم وغیرہ کے شاہکاروں کے تراجم ساہتیہ اکاڈمی سے بھی شایع ہوئے ہیں اور نیشنل بک ٹرسٹ سے بھی۔ یہ کتابیں کم داموں کی ہیں اور آسانی سے دستیاب ہیں۔

سوال: آپ کے خیال میں گذشتہ صدی میں اردو ادب کی کون سی صنف نے سب سے زیادہ ترقی کی ہے۔ نیز غزل، نظم، افسانہ اور تنقید کے چار بڑے نام کون سے ہیں اور آج کل ان شعبوں میں لیڈنگ پوزشن پر کون ہے؟

جواب: ادب کھیل کا میدان نہیں کہ کس نے Century زیادہ بنائی ہیں یا کس نے زیادہ وکٹیں لی ہیں۔ ادب ایک جدلیاتی عمل ہے جس کا ارتقائی سفر برابر جاری رہتا ہے۔ نیز ایک شخص کی نظر میں Leading پوزیشن پر فلاں فلاں نام ہیں تو کسی دوسرے شخص کی نظر میں دوسرے نام، پسند اپنی اپنی خیال اپنا اپنا۔ غالب نے کہا تھا ''شعروں کے انتخاب نے رسوا کیا مجھے''۔ ناموں کا انتخاب بھی رسوائی کا عمل ہے۔ بہرحال، کچھ نام ہوتے ہیں جن پر سب کا نہیں زیادہ تر کا اتفاق ہوسکتا ہے۔ بیسویں صدی میں اردو ادب میں سب سے زیادہ ترقی افسانہ نگاری نے کی ہے۔ غزل بھی پیچھے نہیں۔ البتہ نظم کچھ پچھڑ گئی ہے۔ پچھلے تیس چالیس برسوں میں تنقید میں خاصی پیش رفت ہوئی ہے۔ میری نظر میں گذشتہ صدی میں فکشن کے چار پانچ بڑے ناموں میں پریم چند، منٹو، بیدی، قرۃ العین حیدر اور انتظار حسین ضرور شامل ہوں گے۔ شاعری میں فراق گورکھ پوری، ن۔م۔ راشد، میراجی، اختر الایمان اور ناصر کاظمی۔ اسی طرح تنقید میں احتشام حسین، آل احمد سرور، کلیم الدین احمد، محمد حسن عسکری اور ڈاکٹر سید عبداللہ۔ باقی بڑے نام میرے معاصرین ہیں۔

سوال: کیا آپ بھی اردو کو مسلمانوں سے منسوب کرتے ہیں؟

جواب: زبان کا مذہب نہیں ہوتا، زبان کا سماج ہوتا ہے۔ جو لوگ زبانوں کو ایک مذہب تک محدود کرتے ہیں وہ زبان کے ساتھ بے انصافی کرتے ہیں۔ زبان ایک جمہوری سماجی عمل ہے۔ جو جس زبان کو بولتا ہے زبان اس کی ہوجاتی ہے۔ زبان ہر اجارہ داری کے خلاف ہوتی ہے۔ اردو زبان کا تعلق نہ تو سامی خاندان سے ہے اور نہ ایرانی خاندان سے، اردو کا تعلق ہند آریائی خاندان سے ہے۔ اس کی بنیاد ایک پراکرت یعنی کھڑی بولی پر ہے۔ البتہ اس کی لفظیات کا امتیازی حصہ عربی فارسی سے آیا ہے تاہم

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

اردو کے 70 فیصد الفاظ بقول مولفِ فرہنگ آصفیہ ہندی کے ہیں۔اردو کو کئی صدیوں تک ہندوؤں اور مسلمانوں نے مل جل کر سجایا سنوارا ہے۔اس کا رسم الخط عربی فارسی سے ماخوذ ہے۔اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اس میں اسلامی عناصر کا رنگ چوکھا ہے۔لیکن اس بات سے بھی کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اردو ایک مخلوط زبان ہے۔دنیا کی بڑی زبانیں خود کو کسی ایک مذہب پر بند نہیں کرتیں۔اگر کوئی اردو زبان کو مسلمانوں تک محدود کرنا چاہے تو یہ اس کی آزادی ہے۔لیکن یہ کوتاہ اندیشی بھی ہے جس سے زبان کا نقصان ہوتا ہے۔کوئی یہ نہیں پوچھتا کہ گجراتی یا ملیالم یا کنڑ یا مراٹھی کا مذہب کیا ہے۔تو اردو ہی پر یہ کرم کیوں۔؟ آسمان، خوشبو اور ہوا کی طرح زبان بھی سب کے لیے ہوتی ہے۔

سوال: بقول آپ کے! ادبی قبولیت آہستہ روی سے ہوتی ہے۔ایسا کیوں! ناقدین، تخلیق کار کی ہڈیوں کے گلنے کا انتظار کیوں کیا کرتے ہیں؟

جواب: آج کل کا تا اور لے دوڑی کا رواج ہے۔ادبی قبولیت اور ظلم کی قبولیت میں فرق ہے۔جو چیز جتنی مشہور ہوئی ہے وہ چیز اتنی جلدی فراموش بھی ہوجاتی ہے۔سچے ادب کا رشتہ دوامیت سے ہے۔فوری نتائج بزنس میں ہوتے ہیں۔ادب بزنس نہیں ہے۔ ادب ذہنی تنہائی کا پھل ہے اس کے لیے ایثار اور تپسیہ چاہیے۔جو اس کے لیے تیار نہیں اس کو چاہیے کہ کوئی دوسرا کاروبار کرے۔

سوال: عالمی ادب پر گہری نظر کی روشنی میں فرمایئے کہ کس زبان کے ادب نے آپ کو زیادہ متاثر کیا یا آپ کے خیال میں کس خطہ کا ادب زیادہ تہذیب یافتہ اور بامعنی ہے؟

جواب: باوجود اس کے کہ میں بہت سی زبانوں کے بہت سے شاہکار پڑھے ہیں لیکن جو جمالیاتی حظ ولطف اپنے ادب میں ملتا ہے وہ کسی دوسرے ادب سے حاصل نہیں ہوتا۔اپنی زبان میں سب سے زیادہ جمالیاتی حظ میر تقی میرؔ اور غالبؔ سے پاتا ہوں۔

سوچیے۔بولیے

1۔ یہ کیوں کہا گیا ہے کہ آسمان، خوشبو اور ہوا کی طرح زبان بھی سب کے لیے ہوتی ہے؟

2۔ زبان کا تعلق مذہب سے نہیں ہے! کیوں؟

3۔ ادبی قبولیت آہستہ روی سے ہونے کا کیا مطلب ہے؟

سوال: سنا ہے آپ دوستی اور دشمنی نبھانے میں بڑے مستقل مزاج واقع ہوئے ہیں۔اس سے آپ کے تنقیدی رویوں پر کوئی اثر پڑتا ہے؟

جواب: یہ کسی نے بر بنائے قافیہ لکھ دیا ہے۔میرا خمیر دوستی سے بنا ہے، دشمنی سے نہیں۔میں نے فقط معاصر ادیبوں پر نہیں لکھا بلکہ زیادہ کلاسیکی ادیبوں، شاعروں پر لکھا ہے۔ان باتوں میں دوستی دشمنی کہاں ہے۔البتہ ایسی باتیں دیکھنے والوں کی اپنی نظر کا معاملہ

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ہے۔سرسید احمد خان نے کہا تھا کہ خدا کا لاکھ شکر ہے اس نے 'محسود' بنایا ہے کسی کا 'حاسد' نہیں۔اگر کچھ لوگ بر بنائے حسد کرم فرماتے ہیں یا اپنی زبان خراب کرتے ہیں تو میں ایسی چیزیں کھول کر پڑھتا ہی نہیں۔میرے پاس فضول وقت ہے ہی نہیں۔ میں اپنی راہ کیوں کھوٹی کروں۔زندگی بہت چھوٹی ہے' بہتر ہے انسان تھوڑے بہت اپنا کام کرتا رہے۔

سوال: آپ کے بعد آپ کے گھر پریوار میں اردو کا مستقبل کیا ہے؟

جواب: مستقبل کے بارے میں کچھ نہیں کہا جاسکتا۔میری بیوی اور دونوں لڑکے ارون اور ترون اردو پڑھ سکتے ہیں۔اب ایک کینڈا میں ہے دوسرا نیویارک میں۔ان کی اولادوں در اولادوں کی زبانیں مستقبل میں کیا ہوں گی میں نہیں کہہ سکتا لیکن اتنا یقینی طور پر کہہ سکتا ہوں کہ اردو ایسی زبان ہے کہ اس کے دیوانے کہیں نہ کہیں پیدا ہوتے رہیں گے۔

سوال: دہلی میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیئے جانے پر آپ کے احساسات کیا ہیں اور اس سے زبان کی ترقی کے امکانات کس قدر ہیں؟

جواب: کچھ فائدہ تو ہوگا ہی۔اردو دہلی سے کبھی غائب نہیں ہوئی۔دہلی قدیم کے ایک بڑے حصے میں اردو برابر بولی جاتی رہی۔اردو کو دوسری زبان' کہنا مجھ کو اچھا نہیں لگتا۔جو کل بیگم تھی وہ آج باندی ہوگئی۔ہر چند کہ دلی سرکار کی مہربانی ہے کہ اس نے یہ قدم اٹھایا' لیکن 'ہائے اس کا زود پشیماں ہونا'۔خدا کرے کہ دہلی کے اسکولوں میں اردو پوری طرح رائج ہوجائے۔یہ کام ہوگیا تو باقی دروازے اردو زبان اپنے آپ کھول لے گی۔

سوال: ایک خیال یہ ہے کہ ہندوستان میں اردو کی مسلمانوں سے منسوبی اس زبان کے مستقبل کے لیے مضرت رساں ہے۔ آپ اس زبان سے وابستہ افراد کو کس طرح کے مشورے دینا پسند کریں گے؟

جواب: میں مشورے دینے کو اچھی بات نہیں سمجھتا۔مشورے سیاستداں دیتے ہیں۔افسوس ہے تیزی سے کمرشیل ہوتے ہوئے سماجوں میں سرکاریں بھی اور لوگ بھی زبان کی اہمیت کو بھول گئے ہیں' حالانکہ زبان تہذیب کی کلید ہے۔زبان نہیں ہے تو آپ کا چہرہ نہیں ہے اور چہرہ نہیں ہے تو تہذیب نہیں ہے۔اگر تہذیب نہیں ہے تو آپ صرف کھانے کمانے جینے اور مرجانے کے لیے جیتے ہیں۔جس تہذیب سے میرا تعلق ہے اس میں اس طرح کا جینا نہ جینے کے برابر ہے۔زبان تہذیب کا چہرہ تو ہے ہی' انسانیت 'اقدار' اعتقاد اور مذہب کا چہرہ بھی ہے۔زبان ہے تو تاریخ کا شعور ہے' زبان ہے تو نیک و بد کا شعور ہے۔اس سے زیادہ کیا عرض کروں۔آج کل جو تشدد اور خون خرابہ ہے اس کے پیچھے زبان کے شعور کی کمی ہے۔زبان دلوں میں اتر جائے تو اندر کا حجرہ روشن ہوجائے۔زبان محبت کا دوسرا نام ہے۔یہ جوڑتی ہے توڑتی نہیں۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سوچیے۔بولیے

1۔ گوپی چند نارنگ کن باتوں کو وقت کو بربادی خیال کرتے ہیں؟

2۔ اردو کے مستقبل کے بارے میں گوپی چند نارنگ کیا گمان رکھتے ہیں؟

3۔ اردو کی ترقی کے لیے گوپی چند نارنگ کی نظر میں بنیادی کام کیا ہے؟

یہ کیجیے

I. سمجھنا۔اظہار خیال کرنا

الف۔اس انٹرویو کے ذریعہ ہمیں کیا پیغام ملتا ہے؟

ب۔ گوپی چند نارنگ کے خیال میں شاعری کی زبان اور بول چال کی زبان میں کیا تعلق ہونا چاہیئے؟

ج۔ ذیل کے جملوں کو پڑھیے اور ان کا مطلب بیان کیجئے۔

1۔ برصغیر کی زبانیں سب اہم ہوں گی۔کوئی کسی سے ہیٹی نہیں لیکن اردو ہندوستان کی زبانوں کا تاج محل ہے۔

2۔ جو جس زبان کو بولتا ہے زبان اس کی ہوجاتی ہے زبان ہر اجارہ داری کے خلاف ہوتی ہے۔

3۔ زبان محبت کا دوسرا نام ہے۔یہ جوڑتی ہے توڑتی نہیں۔

د۔ ذیل کا اقتباس پڑھیئے اور سوالوں کے جواب دیجئے۔

آدمی کی زندگی ہمیشہ کسی دوسری زندگی سے وابستہ ہوتی ہے اس کی ذہنی زندگی کا چراغ ہمیشہ کسی دوسری ذہنی زندگی سے روشن ہوتا ہے۔زندگی کی لہلہاتی باڑی میں خربوزے کو دیکھ کر خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔اور یوں ہر انسان کسی دوسرے کا استاذ سکھانے والا بتانے والا اور بنانے والا ہوتا ہے۔استاد کے معنی کو اتنا بڑھا دیں تو بات بہت پھیل جائے گی۔ہم تو یہاں صرف ان لوگوں سے بحث کرنا چاہتے ہیں جو جان بوجھ کر سکھانے پڑھانے والے کا کام اختیار کرتے اور اسے عملی طور پر انجام دیتے ہیں۔یہ لوگ اس کام کو اختیار کرتے ہیں اس لیے کہ ان کی طبیعت کا رجحان ادھر ہوتا ہے۔طبیعت کا رجحان ایک قدرتی چیز ہے۔طبیعت خود بہ خود کسی طرف کو جھکی ہوتی ہے۔اس قسم کے کام کو جی چاہتا ہے اسی میں جی سکھ پاتا ہے۔کچھ لوگوں کی طبیعت کا جھکاؤ خود اپنی ذات کی طرف ہوتا ہے۔ان میں قوت کی آرزو کمائی کا لپکا جمع کر کر کے ڈھیری لگانے کی لت لالچ ہوس اوروں سے منوانے کی

چاہ ہوتی ہے۔بعض طبیعتوں کا جھکاؤ اپنی طرف نہیں اوروں کی طرف ہوتا ہے ان میں ہمدردی، ہمدمی، میل میلاپ، فیاضی، دوسروں کو سہارا دینے اور مدد پہنچانے کی خواہش کارفرما ہوتی ہے۔

سوالات

1۔ آدمی کی زندگی ہمیشہ کسی دوسری زندگی سے کیوں وابستہ ہوتی ہے؟

2۔ طبیعت کے رجحان سے کیا مراد ہے؟

3۔ اگر کوئی شخص اپنی ذات سے محبت کرنے والا ہوتا ہے تو اسکی شناخت کیسے ہوسکتی ہے؟

4۔ جن لوگوں کا جھکاؤ اوروں کی طرف ہوتا ہے ان میں کونسی صفات نظر آتی ہیں؟

5۔ اس مضمون کے لیے کوئی مناسب عنوان تجویز کیجئے؟

II. اظہار مافی الضمیر۔تخلیقی صلاحیت کا اظہار

(الف) دیئے گئے سوالوں کے مختصر جواب دیجئے۔

1۔ گوپی چند نارنگ کے تعلیمی سفر کے بارے میں آپ کیا جانتے ہیں؟

2۔ اردو غزل، نظم، افسانہ اور تنقید کی ترقی کے بارے میں گوپی چند نارنگ نے کیا کہا؟

3۔ گوپی چند نارنگ کے والد کون کونسی زبانیں جانتے تھے؟

4۔ اردو زبان سے ہندوستانیوں کی محبت کا کیا عالم ہے؟

5۔ اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیئے جانے پر گوپی چند نارنگ کے احساسات کیا تھے؟

(ب) ذیل کے سوالوں کے تفصیلی جواب لکھیے۔

1۔ گوپی چند نارنگ کو اردو زبان میں مہارت کیوں کر حاصل ہوئی؟

2۔ فی البدیہہ تقریر اور لکھی ہوئی تقریر میں کیا فرق ہوتا ہے؟

3۔ زبان کا مذہب نہیں ہوتا۔زبان کا سماج ہوتا ہے۔'' گوپی چند نارنگ نے ایسے کیوں کہا؟

4۔ گوپی چند نارنگ نے اردو والوں کو کیا مشورے دیئے ہیں؟

(ج) تخلیقی/توصیفی انداز میں لکھیے۔

(ا) اپنے علاقے کے کسی سماجی شخصیت سے ملاقات کیجیے ان سے انٹرویو کے انداز میں گفتگو کیجیے۔اور اسے تحریری شکل دیجیے۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

(ب) گوپی چند نارنگ کی اردو زبان و ادب سے محبت اور مہارت کا آپ کو سبق کے دوران احساس ہوا ہوگا۔ آپ ان کی ستائش کیسے کریں گے؟ تحریر کیجیے۔

III. زبان شناسی

لفظیات

(الف) اس انٹرویو میں کئی ایک انگریزی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ انہیں تلاش کیجیے اور معنی لکھیے۔

مثلاً: ریٹائرمنٹ، کمرشیل ------------------------------------

(ب) ذیل کے الفاظ کو جملوں میں استعمال کیجیے۔

(1)	ازبر	(2)	ملکہ	(3)	پیش رفت	(4)	اعتقاد
(5)	لگن	(6)	ریاضت	(7)	سامعین	(8)	رسم الخط

قواعد

☆ اس جملے پر غور کیجیے۔

نجم السحر سبق پڑھ رہی ہے۔

اس جملے میں نجم السحر کے سبق پڑھنے کی خبر دی جا رہی ہے۔ اس میں سچ اور جھوٹ کا گمان ممکن ہے۔

جملہ خبریہ: وہ جملہ جس میں کسی واقعہ یا حالت یا کیفیت کی خبر دی جائے۔ اور اس میں سچ اور جھوٹ کا گمان پایا جائے جملہ خبریہ کہلاتا ہے

مثال: ارشد بیمار ہے۔

☆ اس جملے پر غور کیجیے۔

نجم السحر سے کہو کہ وہ سبق پڑھے

جملہ انشائیہ: وہ جملہ جس میں کہنے والے کا دلی منشاء یا جذبات ظاہر ہوں اور اس میں سچ و جھوٹ کا گمان نہ ہو جملہ انشائیہ کہلاتا ہے۔

اس طرح معنی کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں ہیں۔

جملہ خبریہ	جملہ انشائیہ

مشق: ان جملوں میں جملہ خبریہ اور جملہ انشائیہ کی نشاندہی کیجیے۔

1۔ تم پابندی سے اسکول جاؤ۔
2۔ ارے بچو! کدھر گئے۔
3۔ چاند چمک رہا ہے۔
4۔ اذاں کی آواز آرہی ہے۔
5۔ شاباش تم نے اچھا کام کیا۔
6۔ آج گرمی بہت ہے۔
7۔ دہلی خوبصورت شہر ہے۔
8۔ گلاب سرخ ہے۔
9۔ حبیب شریف لڑکا ہے۔
10۔ لڑکے میدان میں کھیل رہے ہیں

☆ ان جملوں پر غور کیجیے۔

احمد محنت سے پڑھتا ہے۔

''احمد'' مبتدا ہے ''محنت سے پڑھتا ہے'' خبر ہے۔

جب کسی جملے میں ایک مبتدا اور ایک خبر ہو تو ''مفرد جملہ'' کہلاتا ہے۔

☆ اس جملے پر غور کیجیے۔

احمد محنت سے پڑھتا ہے تاکہ وہ کامیابی حاصل کر سکے۔

احمد محنت سے پڑھتا ہے	ایک مفرد جملہ ہے۔
وہ کامیابی حاصل کر سکے	دوسرا مفرد جملہ ہے۔

جب دو یا دو سے زیادہ مفرد جملے مل کر کسی ایک مفہوم یا خیال کو ادا کریں تو ایسے جملے کو مرکب جملہ کہتے ہیں۔

اس طرح صورت کے لحاظ سے جملے کی دو قسمیں

مفرد جملہ	مرکب جملہ

لسانی سرگرمیاں/منصوبہ کام

☆ اخبارات ورسائل سے اپنی کسی پسندیدہ شخصیت کا انٹرویو تلاش کیجیے اور اسے کمرہ جماعت میں پڑھ کر سنائیے۔

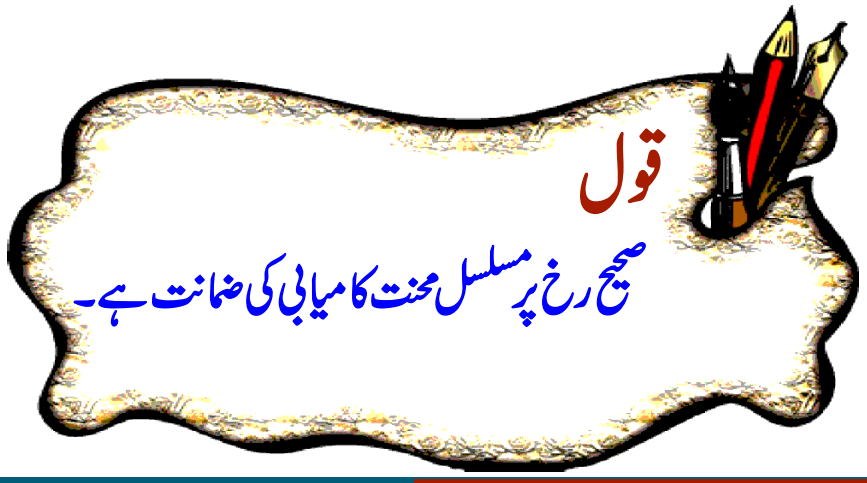

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

تلخیص

دُرِّ یتیم

(سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

ماہر القادری

بچو! اس کتاب کے احترام کو ملحوظ رکھیں۔

پاک باز عبداللہ

عبدالمطلب کے ایک چھوڑ دس بیٹے تھے۔مگر ان سب میں دل کش' وجیہہ اور شکیل یہی عبداللہ تھے جن کے ذبح کرنے کے لیے باپ نے چھری ہاتھ میں سنبھال لی تھی۔ چہرہ ابولہب کا بھی سرخ تھا مگر انگارے کی طرح لال بھبوکا' جس کو دیکھ کر طبیعت کو اُنس نہیں اُلٹی وحشت ہوتی تھی' عبداللہ کی صورت میں بلا کی جاذبیت اور دل کشی تھی۔ان کی پیشانی میں ایک عجیب چمک تھی جو قریش کے کسی نوجوان کی پیشانی میں نظر نہ آتی تھی۔انکا ماتھا سچ مچ نور کا تڑکا تھا جس میں بہت سی صبحیں مسکراتی تھیں۔

ایک دن دوپہر کے وقت ایک قریشی چرواہا گھبرا گا ہوا آیا اور اپنے گھر والوں سے کہنے لگا کہ میں نے آج ایک عجیب بات دیکھی ہے ابھی تھوڑی دیر ہوئی میں بکریاں چرا رہا تھا' عبدالمطلب کا بیٹا عبداللہ ہمارے قریب سے گزرا سخت دھوپ پڑ رہی تھی' مطلع بالکل صاف تھا' سورج کی کرنیں جسموں کو جھلسے دیتی تھیں' اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ عبداللہ کے سر پر بادل کا ٹکڑا سایہ کیے ہوئے ہے اور وہ ابر پارہ اس کے ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

عبدالمناف کے گھرانے میں شکار کا گوشت آیا ہے۔دیگچی چولھے پر چڑھی ہے۔ایک بوڑھی عورت لکڑی کی گفگیر سے دیگچی کے پانی کو چلا رہی ہے۔کھانے کے انتظار میں گھر کے لوگ زمین پر بیٹھے ہیں۔مٹی کے بڑے بڑے پیالے ان کے آگے رکھے ہیں۔

''آپ نے عبدالمطلب کے یہاں کیا جواب بھجوایا؟'' ایک ادھیڑ عمر کے عرب نے پوچھا

''میں بالکل رضامند ہوں' بس ذرا ایک دو دن میں میرے چچا نخلہ سے آجائیں ان سے اور مشورہ کرلوں۔ بڑے بوڑھوں کا مشورہ اچھا ہوتا ہے۔'' بوڑھے نے جواب دیا۔

''میں کہتا ہوں اس نیک کام میں دیر کرنا مناسب نہیں۔عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ کے لیے مکہ میں لڑکیوں کی کمی نہیں۔لوگ تمنائیں کر رہے ہیں کہ کیسے ہی ہماری لڑکی کا عبداللہ کے ساتھ رشتہ ہوجائے۔عبداللہ جیسا لڑکا چراغ لے کر ڈھونڈو گے تو بھی سارے عرب میں نہ ملے گا۔اس کا گھرانا قریش کا سب سے محترم گھرانا ہے اس کے باپ عبدالمطلب ''سیدالقریش'' ہیں اور انکا یہ شرف کیا کم ہے کہ چاہ زمزم جسے عمرو بن حرث جرہمی نے بند کرادیا اور کسی کو یاد بھی نہ رہا کہ یہاں اس نام کا کوئی کنواں بھی تھا۔عبدالمطلب نے اپنے بیٹے حارث کو لے کر کھود نکالا۔ابن عم! جلدی کرو' آمنہ کی تقدیر کے ستارے کو جلد چمکنے دو۔

بات طئے ہوگئی۔عبدالمطلب کے یہاں جواب بھجوادیا گیا کہ ہمیں یہ رشتہ منظور ہے دونوں طرف خوشی ہونے لگی۔عبداللہ باپ کا چہیتا اور ''ذبیح'' بیٹا تھا۔جس کی شرافت اور نکوکاری کی قریش قسم کھاتے تھے اور بی بی آمنہ اپنے گھرانے کی چشم و چراغ تھیں۔عفت وحیا کا مجسمہ' پاکیزگی کا پیکر! عرب کی عورتیں میلوں میں بے باکی کے ساتھ شریک ہوتیں قریش کی بزم ناؤنوش کو گرماتیں۔مگر آمنہ کی

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

جبلت ان سب سے جدا اور منفرد تھی۔ وہ اپنے عزیزوں سے بات کرتے شرماتیں۔ سر سے دوپٹہ ڈھلکنے نہ پاتا۔ قریش کی عورتیں کہا کرتی تھیں کہ آمنہ تو سچ مچ گڑیا ہے بے زبان' سنجیدہ اور متین! دوسری لڑکیوں کی طرح شوخیاں اسے نہیں آتیں۔ آمنہ کے گھر والے اس سے محبت ہی نہیں بلکہ احترام کرتے تھے۔

عبدالمطلب اپنے ساتھ رؤساء قریش کو لے کر عبداللہ کی سسرال پہنچے۔ لڑکی والوں نے بارات کا استقبال کیا۔

عرب کے قدیم طریقۂ نکاح کی رسم ادا ہوئی۔ انتہائی سادگی کے ساتھ! اعلان ہوا کہ عبداللہ ابن عبدالمطلب اور آمنہ بنت وہب ایک دوسرے کے نکاح میں آ گئے۔ عبدالمطلب کو لوگوں نے مبارکباد دی۔ سیدالقریش نے اظہار شکر کے لیے آسمان کی طرف دیکھا دو تقدیروں کے ستارے مل گئے اور دو زندگیاں ایک دوسرے کی شریک بن گئیں۔

آمنہ رخصت ہو کر سسرال آئیں' اقبال مند بہو کا گھر والیوں نے استقبال کیا۔ بلکہ اس کی راہ میں آنکھیں بچھا دیں۔ ہر کسی کی زبان پر تھا کہ دولہا دلہن کا ایسا خوش نصیب جوڑا آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ عبداللہ آفتاب تو آمنہ ماہتاب ہے۔ دونوں نیک اور شرمیلے' شرافت غیرت کے نمونے! ایک دوسرے کا جواب۔ اسے چھپاؤ اور اسے نکالو۔

عبدالمطلب نے عبداللہ اور دوسرے بیٹوں کو ساتھ لے کر شکرانہ کے لیے کعبہ کے طواف کیے۔

جس سہانی گھڑی چمکا طیبہ کا چاند
اس دل افروز ساعت پر لاکھوں سلام

زندگی خواب ہے اور بہت سے خواب سچ مچ زندگی بن جاتے ہیں۔ ہر کسی کو ایسے سچے خواب دکھائی نہیں دیتے۔ آمنہ کو خواب نظر آنے لگے۔ نہایت ہی عجیب و مبارک خواب' کبھی یہ کہ بی بی آمنہ کا جسم خاکی یکبارگی آئینہ کی طرح جھلکنے لگا اور روئیں روئیں سے سرد شعاعیں نکلنے لگیں۔ کبھی کانوں نے سنا کہ بہشت کی حوریں' آسمان کے فرشتے اور مقدس روحیں مبارک باد دے رہی ہیں۔ کبھی سوتے میں ایسا محسوس کیا کہ وہ اپنے نورانی اور شفاف جسم کے ساتھ بلندی پر ہے۔ اونچے سے اونچے پہاڑ پست نظر آتے ہیں۔ آمنہ کے تلوے ستاروں کو چھو رہے ہیں۔ اور چاروں طرف تہنیت و مبروک کے زمزمے چھڑے ہیں۔

دستور کے مطابق قبیلہ کی عورتیں آمنہ کی مزاج پرسی کے لیے آتیں تو انہیں کچھ ایسا نظر آتا جیسے بام کعبہ سے لے کر عبداللہ کے گھر تک نور کا شامیانہ تنا ہوا ہے۔ جسے کافوری شمعوں سے زیادہ اجلے اور روشن ہاتھ تھامے ہوئے ہیں۔ گھروں میں چرچے ہونے لگے کہ وہب کی بیٹی' عبدالمطلب کی بہو' عبداللہ کی شریک حیات اور ہونے والے بچہ کی ماں آمنہ خود زہرہ و مشتری بنی جاری ہے۔

''اے لو! ستارے زمین پر جھک آئے۔ یہ آج کیا ہو رہا ہے۔عبداللہ کی بھوپی نے کہا۔''میں بھی یہی دیکھ رہی ہوں کہ جتنی روشن یہ پچھلی رات ہے' اتنے اجلے تو دن بھی نہیں ہوتے۔ایک بوڑھی عورت نے جواب دیا۔

''اُم معبد! اور یہ خنک ہوائیں' بادِ صبح گاہی کے جھونکے' نسیم سحر کی اٹھکھیلیاں' در و دیوار جھومے ہوئے ہیں طائف کے سبزہ زاروں اور باغیچوں کی بھی میں نے صبحیں دیکھی ہیں پر آج کی صبح تو سب سے زیادہ عجیب ہے اور خوشبو کی لپٹیں جیسے یمن کا تمام عطر جمع کر کے کسی نے چھڑک دیا ہے' کاش! اس رات کی صبح نہ ہوتی اور ہم سدا یہی منظر دیکھتے رہتے۔'' تیسری عورت نے ڈوپٹہ کا آنچل موڑتے ہوئے کہا۔

قریش کے جن گھرانوں میں لوگ آج جلد اُٹھ بیٹھتے تھے وہ اپنے بتوں کو تھامتے تھامتے اور اُٹھاتے اُٹھاتے تھک جاتے تھے۔مگر بت! کسی طرح کھڑے رہنے کے لیئے تیار نہ تھے۔ان کی پیشانیاں آپ ہی آپ سجدے میں جھکی جا رہی تھیں۔

تیری آمد تھی کہ بیعت اللہ سجدے کو جھکا
تیری ہیبت تھی کہ ہر بت تھرا تھرا کر گر گیا

ابھی دن رات ملے جلے تھے، اس لیے کہ دونوں کی تقدیروں کو ایک ساتھ چمکنا تھا۔سپیدۂ سحر نمودار ہو ہی رہا تھا، غنچوں کی نازک پتیوں پر شبنم کے موتی ڈھلک رہے تھے۔سرد شمشاد نے پھولوں کی مہک پا کر انگڑائی لی۔طائران خوش نوا کی چہکاروں سے تمام فضاء نغمہ زار بن گئی۔جنت آج سچ مچ زمین پر اتر آئی تھی۔منیٰ کی وادی، مروہ کے سنگریزے، قبیس کی چوٹیاں اور عرفات کا میدان نور کی جھلکیوں میں جھم جھم کر رہا تھا۔

ستارے جھلملا رہے تھے، کلیاں چٹک رہی تھیں اور پھول مہک ہی رہے تھے کہ اتنے میں گھر کی عورتیں خوشی سے بے تاب ہو کر پکاریں:

کوئی عبدالمطلب کو جا کر مبارکباد دو۔''

سرکار کی آمد مرحبا
دلدار کی آمد مرحبا

عبدالمطلب اس مژدہ کو سنتے ہی تیزی کے ساتھ آئے خوشی کے مارے پاؤں بہکے بہکے سے پڑ رہے تھے۔عبدالمطلب کے رخساروں کی جھریوں میں مسرت جھل مل کر رہی تھی۔آمنہ نے فرطِ غیرت سے چادر منھ پر ڈال لی۔عبدالمطلب نے پوتے کو دیکھا۔ پیشانی کو چوما۔ان کی آنکھوں میں بجلیاں سی چمک رہی تھیں۔

''سید القریش! اتنا نورانی چہرہ آپ نے آج تک دیکھا نہ ہوگا۔''عورتوں نے یک زبان ہو کر کہا۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

پھر عبدالمطلب نے کہا۔

''ابن عبداللہ کہا کریں اس ہاشمی نونہال کو؟''

ایک خاتون نے دریافت کیا۔

''اچھا! نام کی طرف اشارہ ہے! بہت خوب! عبداللہ کے لختِ جگر اور آمنہ کے نورِ نظر کا نام ہم نے رکھا، احمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور ہاں (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی۔ تمام دنیا میں تعریف کی جائے گی میرے چاند کی'' فضاء میں مَعاً ایک دھیما سا غیبی نغمہ گونجا۔'' زمینوں میں ہی نہیں آسمانوں میں بھی اس کی حمد وثنا کے نغمے بلند ہوں گے۔''

عبدالمطلب کا جواب سن کر آمنہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیلنے لگی جیسے اس کی دل کی بات عبدالمطلب کی زبان پر آ گئی۔

تذکرے

کعبہ سے ہٹ کر کچھ دور پر جہاں عام الفیل میں ابرہہ کے لشکر نے حرم پر چڑھائی کے لیے آتے ہوئے آخری منزل کی تھی۔ چند دکانیں ہیں۔ کچی دکانیں! اور خس پوش بھی! کسی کسی کی محرابوں میں پکی اینٹیں بھی لگی ہیں۔ ان دکانوں پر گھریلو ضرورت کا سودا سلف ملتا ہے۔ آٹا، چاول، ستو، نمک، زیتون کا تیل، کپڑا سینے کا دھاگا اور فصل کی ترکاریاں اور پھل بھی۔ گاہک آتے ہیں، سودا لے کر چلے جاتے ہیں۔ اور دکان دار اور ان کے دوست احباب پھر باتیں کرنے لگتے ہیں۔

''کچھ سنا تم نے عبید! عبدالمطلب نے اپنے پوتے کے دو نام رکھے ہیں احمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)'' ایک سانولی رنگت کے دکاندار نے کہا۔

''چچا جان! ابن عبداللہ کا ذکر ہو رہا تھا۔

اس پر بوڑھے نے گہری سانس لی۔ تیز اور مسلسل گفتگو نے اسے تھکا سا دیا تھا۔ بولا: ''میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ احمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) آج تک کسی قریشی کے نام سننے میں نہیں آیا۔ بالکل نیا نام، اچھوتا نام۔ مگر کتنا پیارا۔ اس نام کی طرف دل آپ سے آپ کھنچا جاتا ہے۔''

اس پر ایک ادھیڑ عمر کا عرب جو رسی بٹ رہا تھا۔ اس کام کرتے میں باتیں بھی سنتا جاتا تھا کہنے لگا

میری سوتیلی ماں ابن عبداللہ کو دیکھ کر آئی ہے۔ وہ بتوں پر ہاتھ رکھ کر کہتی تھی کہ اس قدر ہنس مکھ، پیارا۔ ہونہار اور خوبصورت بچہ میں نے آج تک نہیں دیکھا، آنکھیں کسی طرح نظارہ کرتے کرتے سیر نہیں ہوتیں۔ جی چاہتا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو۔ میں کہتی ہوں عبدالمطلب کے گھر میں اب چراغ

جلانے کی ضرورت نہیں ہے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ سراج منیر ہے۔''

دارالندوہ میں بھی اعیان قریش اسی موضوع پر گفتگو کر رہے تھے۔''ابن عبداللہ کا ہر گھر میں چرچا ہے۔''

''جی ہاں! یہی حال ہے۔امیہ نے بیٹا پیدا ہونے کی خوشی میں سارے مکہ کی دعوت کی تھی۔مگر یہ شہرت اور قبول عام تو اسے بھی نصیب نہیں ہوا۔''

''آج جب کعبہ کا طواف کر رہا تھا تو ابن عبداللہ کی پیدائش کے خیال کے ساتھ ہی مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی میرے کان میں کہہ رہا ہے کہ عرب کی تاریخ کا سب سے زیادہ روشن بلکہ غیر فانی ورق اُلٹنے والا ہے۔''

''اور میرا خواب_____ آپ لوگ نہ سنیں تو اچھا ہے۔آپ کو دُکھ ہوگا''____ سب نے مل کر کہا_____ ''نہیں نہیں! یہ نہیں ہوسکتا۔جب بات زبان پر آ گئی تو اسے کہہ ڈالنا ہی اچھا ہے۔''

''میں نے رات خواب میں دیکھا کہ میں شراب پینا چاہتا ہوں۔مگر کسی نے میرے ہاتھ سے پیالہ چھین کر پھینک دیا۔

(قریش کا ایک سردار جس کی داڑھی گھنی اور سر کے بال الجھے الجھے سے تھے)''جب شعروشاعری کا ذکر چھڑ گیا ہے تو مجھ سے بھی دوشعر سن لیجئے۔آج ہی کہے ہیں:عبدالمطلب کے بیٹے کی ولادت باسعادت کا حال سن کر:

عبداللہ بیابان میں ہے اور اس کے گھر میں چاند نکلا ہے۔کاش!اس تک یہ پیام پہنچ سکتا۔

بنی ہاشم پہلے ہی سے مفخر اور محترم تھے۔مگر اب ان کی جبین فخر آسمان سے بھی اونچی ہوگئی ہے_____ یہ عزتیں قسمت والے کو ہی ملتی ہیں۔''

''احسنت،مرحبا،صَدَقْتَ یَا ابن عم'' کی صدائیں گونجنے لگیں۔

مکہ معظّمہ سے تھوڑی دور پر ایک مقام کا نام مرالظہر ان ہے جو عوام میں وادی فاطمہ کے نام سے مشہور ہے،اسی وادی میں ایک راہب رہتا تھا جس کا نام عیص تھا۔عیص نے تقرب الٰہی کی دھن میں اپنی مذہبی روایات کی بنا پر دنیا چھوڑ رکھی تھی۔موٹا جھوٹا کھاتا پہنتا اور عبادت ومراقبہ میں مصروف رہتا۔سب لوگ اسے عزت اور عقیدت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔عبدالمطلب بھی عیص کے پاس آتے جاتے رہتے تھے۔

جس صبح عرب کا آفتاب طلوع ہوا ہے۔اسی دن عبدالمطلب خوشی خوشی عیص کے پاس پوتے کی ولادت کا مژدہ سنانے کے لیے پہنچے۔عیص خانقاہ کے دروازے کی کھجور کے نیچے کوئی عمل پڑھ رہا تھا۔

''آج بڑے تیز تیز قدم اٹھ رہے ہیں عبدالمطلب!''_____ عیص نے مسکرا کر پوچھا۔

''ایک مژدہ لایا ہوں آپ کو خوشی ہوگی''_____ عبدالمطلب نے جواب دیا۔

''کہو کہو!تمہیں تو خوشی نے اس بڑھاپے میں جوان بنا دیا''عیص بولا۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

''عبداللہ کے گھر آج صبح بیٹا ہوا۔ حسین بچہ! انتہائی حسین! سارے مکہ میں اس کے حسن کی دھوم مچی ہے۔ لوگوں کی مبارک بادیں قبول کرتے کرتے میں تھک گیا'' _____

''اس کا تم نے نام کیا رکھا؟'' _____ عیص راہب نے دریافت کیا۔

''محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)'' عبدالمطلب نے جواب دیا۔

''اب میں تمہیں مبارکباد دیتا ہوں! یہ وہی بچہ ہے جس کی ولادت کی خبر میں نے بار بار تمہیں دی ہے۔ سنو! اس لڑکے کو میں نے تین سبب سے پہچانا۔ ایک تو یہ کہ رات ایک ستارہ طلوع ہوا جو اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔ دوسرے ولادت دوشنبہ کے دن ہوئی۔ تیسرے اس کا نام محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) رکھا گیا۔ اپنی تقدیر پر ناز کرو عبدالمطلب! بنو ہاشم کو تاریخ کبھی نہ بھلا سکے گی، کاش! تم اس کا جاہ وجلال دیکھنے کے لیے زندہ رہ سکتے۔''

بی بی آمنہ کے دل میں ارمان مچل رہے تھے کہ عبداللہ اپنے نورِ نظر کو دیکھ کر کتنے خوش ہوں گے، ان کا صبیح چہرہ میرے چاند کی پیشانی چوم کر گلنار ہو جائے گا۔ وہ پوچھیں گے نام کیا رکھا ہے میرے لاڈلے کا۔ میں شرما کر کہوں گی _____ احمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) _____ وہ اور زیادہ خوش ہو جائیں گے۔ کیوں کہ ان ناموں میں عجیب نغمگی اور قیامت کی مٹھاس ہے۔ پھر میں شکایت کروں گی کہ آپ نے سفر میں اتنے دن لگا دیے۔ قافلے تو مکہ سے شام جا جا کر کبھی کے لوٹ آئے _____ وہ کہیں گے ام محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! میں یثرب میں بیمار ہو گیا تھا۔ تمہارے ہی عزیزوں اور رشتہ داروں بنو نجار کے یہاں ٹھہر گیا تھا۔ اچھا ہوتے ہی مکہ دوڑا چلا آیا _____ اور میں جواب دوں گی، اس کی تو مجھے حسرت رہ گئی کہ میں بیماری میں تمہاری خدمت نہ کر سکی۔ میں تمہاری بیماری کی خبر پا کر بہت بے قرار ہو گئی تھی یا ابا محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) دل کہتا تھا کہ میرے پر لگ جائیں اور میں کیسے ہی یثرب پہنچ جاؤں _____ بنو ہاشم کے گھرانے کی عورتیں تمہیں معلوم ہے کہ تنہا سفر نہیں کیا کرتیں ورنہ میں تیز ناقہ پر سوار ہو کر یثرب پہنچ کر دم لیتی۔

حضرت آمنہ کو ہر آن عبداللہ کے آنے کا انتظار تھا۔ وہ اس خیال میں غرق تھیں کہ وہ (عبداللہ) یثرب سے اونٹوں سمیت چل دیے ہوں گے۔ ان کا ناقہ تو بہت تیز ہے۔ ہوا سے باتیں کرتا ہے اور لوگ بیس دن میں یثرب سے مکہ آتے ہیں۔ تو وہ دس دن میں آن پہنچیں گے _____ وہ آ رہے ہیں۔ آ چکے، دروازے پر انہی کی سنچل میں سن رہی ہوں۔

''یثرب سے قافلہ آ گیا۔ عبدالمطلب قافلے والوں سے مل کر آ رہے ہیں'' _____ ایک لڑکی نے باہر سے آ کر کہا۔

''کیا کہا قافلہ آ گیا؟ اور وہ نہیں آئے'' آمنہ کی زبان سے رُک رُک کر یہ لفظ نکلے۔ اتنے میں عبدالمطلب آئے۔ چہرہ گردآلود، بال پریشان، پیشانی پسینہ میں ڈوبی ہوئی۔ عمامہ کے پیچ گردن میں پڑے ہوئے ____ اس ہئیت کو دیکھ کر ہی آمنہ کے کلیجہ میں دھکا سا لگا ____ عبدالمطلب آتے ہی بولے ____ ''آمنہ! تو بیوہ ہوگئی، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتیم ہوگیا۔ عبداللہ مرگیا ____ دوڈھائی مہینے ہوئے ____ کاش! مرنے والا اپنے حسین بچہ کو ایک نگاہ دیکھ لیتا ____ مگر قسمت کے نوشتہ کو بدلنا انسان کے بس کا کام نہیں!''

آمنہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ عبدالمطلب کے وہاں رہنے تک آنسو رُکے رہے ____ غیرت نے جذبات کو تھامے رکھا' خسر کے جاتے ہی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی۔

آمنہ خاموش تھیں! سکتہ کا عالم! جیسے یہ سچ مچ بے جان ہوگئیں۔ چہرہ سنا ہوا' لبوں پر آہوں کی دھیمی دھیمی آنچ! اشک بار آنکھیں، اجڑا ہوا سہاگ' مامتا بن کر عبداللہ کے یتیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈگر ڈگر دیکھ رہا تھا۔

بہت سے غم بیان نہیں ہو سکتے۔ دل کی بہت سی چوٹیں الفاظ نہیں بن سکتیں۔ بہت سے صدمے کہے نہیں جا سکتے، غم کی اصل نزاکت تو لفظوں میں آ کر اور مجروح ہو جاتی ہے۔ آمنہ کا غم بھی اسی انداز کا غم تھا۔ سوگوار سکوت ____ غم انگیز خموشی، آنسوؤں سے واردات دل کی تھوڑی بہت ترجمانی ہو رہی تھی ____ ہائے! وہ جوان بیوہ جس کا سہاگ ایکا ایکی شوہر کی موت نے کھسوٹ لیا ہو۔

آمنہ کے لال کو دودھ پلانے کی سعادت ابولہب کی کنیز ثوبیہ کو نصیب ہوئی۔ اس کے بعد عرب کے دستور کے مطابق مکہ کے نوزائیدہ بچوں کو لینے کے لیے باہر کی بستیوں سے دودھ پلانے والی عورتیں آئیں ____ اس کو بھی دنیا میں قدم قدم پر مایا کے پھندے لگے ہیں۔ ہر کسی کے دل میں روپے پیسہ کا لالچ ہوتا ہے۔ نفع کی تمنا، سود و منفعت کی امید! عرب کی دائیاں بھی اس جذبہ سے خالی نہ تھیں، وہ مکہ اسی تمنا میں آئی تھیں کہ مالدار گھرانوں کے بچے لے کر انعام و اکرام سے اپنی اپنی گود بھر لیں گی۔ سب نے ایسے ہی بچوں کو چن لیا جن کے ماں باپ زندہ تھے، جو کھاتے پیتے گھرانوں کے تھے۔

عرب کی دودھ پلانے والیاں ____ بدقسمت اور کم نظر عورتیں مال دار گھرانوں میں پھرتی رہیں۔ مگر عبدالمطلب کے گھر آتے ہوئے ہچکچائیں، عبداللہ کے ''دُرِّیتیم'' پر کسی کی توجہ نہ ہوئی ____ اس خیال سے کہ بے باپ کا بچہ ہے ہمیں کیا ہاتھ آئے گا۔ بیوہ ماں خود ہی مغموم اور پریشان ہے ہمیں بے چاری کیا دے گی ____ مانا کہ عبدالمطلب قریش کے معزز سردار اور کعبہ کے نگہبان ہیں۔ سب ان کی عزت کرتے ہیں۔ لیکن سیر چشمی اور فیاضی کی بدولت ان کے پاس بچتا ہی کیا ہے۔ سو کی آمدنی اور دو سو کا خرچ، جب

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

دیکھو گھر میں مسافروں کی مہمان داری ہورہی ہے، اور حج کے موقع پر تو عبدالمطلب بالکل قلاش ہوجاتے ہیں۔ سال بھر کی کمائی حجاج کی تواضع کی نذر ہوجاتی ہے۔ دائیاں قریش کے بچوں کو مکہ سے لے کر اس سروسامان کے ساتھ روانہ ہوئیں۔

''عبدالعزیٰ نے بیس دینار اور دوسو درہم مجھے دیئے ہیں''____ ایک دایہ نے فخر کے لہجہ میں کہا۔

''اور مجھے اس بچہ کے ماموں نے الگ انعام دیا۔ چچا نے جدا نوازش کی۔ اور باپ نے تو مجھ پریشان حال کو نہال کردیا۔ درہم و دینار سے تھیلی بھر کرلے جارہی ہوں۔'' دوسری دایہ نے جواب دیا۔

''یہ دیکھ یمنی چادریں، چاندی کا ہار اور قیمتی بازوبند اور ابورفاوہ نے کہا کہ جب تو میرے بچہ کو صحیح سلامتی کے ساتھ واپس لے کر آئے گی اس وقت اپنے دل کے ارمان نکالوں گا۔ یہ تو میری نوازشوں کی پہلی برکھا ہے'' تیسری عورت نے کہا۔

''اس لاڈلے (بچہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) کے دادا نے ایک اونٹ سامان سے لدوادیا ہے۔ کھجور، غلہ، ستو، برتن، پہننے کے جوڑے اور چلتے وقت بڑے میاں نے کہا، حج کے موقع پر اپنے کسی رشتہ دار کو مکہ بھیج دینا۔ ایک دو اونٹ اور دس بیس بکریاں تیرے لیے اس کے ساتھ کردوں گا۔''

''مگر بے چاری حلیمہ''____ چوتھی عورت کی بات ادھوری رہ گئی (بات کاٹ کر) ہاں! غریب حلیمہ پر مجھے ترس آتا ہے۔ کسی مال بردار گھر کا بچہ اسے نہ مل سکا۔ عبدالمطلب کے گھر گئی ہے، عبداللہ کے یتیم کو لینے کے لیے! وہاں اسے کیا ملے گا۔ بہت سے بہت دس پانچ صاع کھجور اور ستو کی ایک دو تھیلیاں۔ یتیم بچوں کو دودھ پلانے میں سدا گھاٹا رہا کرتا ہے دائیوں کو! آمنہ کے پاس دعاؤں کے سوا اور کیا رکھا ہے۔ مگر نری دعاؤں سے تو بھوکے کا پیٹ نہیں بھرتا۔ میں کہتی ہوں کوئی سو دعائیں نہ دے، ایک درہم دے دے''____ پانچویں دایہ نے غم خواری اور فخر کے ملے جلے انداز میں کہا، اور اس کا اونٹ بلبلانے لگا۔

بنی سعد بن بکر کے قبیلہ کی دایہ حلیمہ بہت ملول اور افسردہ تھی۔ دل ہی دل میں پچھتاتی کہ ہائے! امیر گھرانوں کے تمام بچے دوسری دائیوں نے چن لیے۔ میری تقدیر میں یتیم بچہ کا دودھ پلانا لکھا تھا شیما (حلیمہ کی لڑکی کا نام) کے باپ جھنجھلا کر طعنے دیں گے اچھے بچہ کو لے کر آئی ہے جس کے گھر والوں کو درہم دینار تو ایک طرف رہے، دو چار من غلہ بھی ساتھ کرنے کی توفیق نہ ہوئی۔ ان کے طعنے مجھے سننے پڑیں گے۔ مجھ سے کوئی جواب نہ بن پڑے گا۔

حلیمہ، ملول و افسردہ حلیمہ تاسف آمیز انداز میں عبدالمطلب کے گھر پہنچی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو رہے تھے، چہرہ مبارک سے ہلکا ہلکا نور چھن رہا تھا۔ چاندنی سے زیادہ دل کش اور نظر نواز۔ حلیمہ دبے پاؤں نزدیک گئی، سینہ مبارک پر پیار سے ہاتھ رکھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھیں کھول دیں____ مسکرائے اور حلیمہ کی طرف دیکھنے لگے۔ حلیمہ نے سینکڑوں بچے دیکھے تھے اور دسوں کو دودھ پلایا تھا۔ مگر اس یتیم کی دھج ہی سب سے نرالی تھی۔ اس کی مسکراہٹ میں تسکین کا پیام، راحت و محبت کی دعوت اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وقار و متانت کی آمیزش تھی۔ چھوٹے اور اتنے! بچے یوں ہی مسکرادیا کرتے ہیں۔ لیکن عبداللہ کے یتیم کے تبسم میں ایک

مقصداور پیام جھلک رہا تھا۔ مسکراہٹ آپ ہی آپ بول رہی تھی، اور خاموش نگاہیں کچھ کہہ رہی تھیں۔

''حلیمہ اس بچے کو یتیم سمجھ کر ملول نہ ہونا۔ خدا کی قسم اس کی بڑی شان ہونے والی ہے۔'' آمنہ نے حلیمہ دائی سے کہا۔

''بی بی! سچ کہوں گی، جھوٹ نہ بولوں گی۔ اب سے پہلے میں بہت ملول تھی۔ رہ رہ کر پچھتاوا آتا تھا کہ کسی امیر گھرانے کا بچہ کیوں نہ ملا۔ اپنی بدنصیبی میں جھنجھلا جھنجھلا کر رہ جاتی تھی۔ مگر تمہارے لاڈلے یتیم کی مسکراہٹ نے میرے دل سے سارا ملال دور کر دیا۔ ان کی نگاہوں نے تمام غم بھلا دیے۔ اُمّ محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) میں اپنے دل کی کیفیت لفظوں میں ظاہر نہیں کر سکتی۔ میرے دل کو آج کی برابر کبھی خوشی نہیں ہوئی۔ تمہیں خود بھی نہیں معلوم! تمہارے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسکراہٹ نے مجھے کیا بنا دیا۔ اس صبح سے بہتر صبح مجھ پر آج تک طلوع نہیں ہوئی۔'' (بی بی آمنہ مسکراتی ہیں)

حلیمہ آمنہ کے لال کو لے کر رخصت ہوئی۔ بیوہ ماں نے یتیم بچے کے ماتھے کو چوما۔ مامتا کے نشان چاندسی پیشانی پر اُبھر آئے۔ پلکیں بے اختیار نمناک ہوگئیں۔ معصوم یتیم کی جدائی نے باپ کے داغِ فرقت کو تازہ کر دیا۔ ایک غم دوسرے غم کو یاد دلا دیا کرتا ہے۔

بوڑھے عبدالمطلب نے پوتے کو محبت کے ساتھ رخصت کیا۔ مکہ کی پہاڑیوں تک حلیمہ کے اونٹ کے ساتھ ساتھ عبدالمطلب پیادہ پا گئے۔ بھرائی ہوئی آواز میں بولے:

''حلیمہ! یتیم بچہ سمجھ کر دیکھ بھال میں کمی نہ کرنا۔ خدا کی قسم قریش میں اتنا سعادت منداور با اقبال بچہ آج تک پیدا نہیں ہوا۔ مجھ سے کاہنوں، راہبوں، بطریقوں اور اسقفوں نے کہا ہے کہ ایک دن ایسا آئے گا کہ تمام دنیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں جھکی ہوگی۔'

حلیمہ نے اس کے جواب میں کہا:

''سید القریش! آپ نشاطِ خاطر رکھیں، تمہارے بچہ کا اللہ نے چاہا تو کان بھی گرم نہ ہونے پائے گا۔ میں خود گیلے میں سوؤں گی اور اسے سوکھے میں سلاؤں گی، میری بچی شیما کو ہونٹ اس وقت تک شیر آشنا نہیں ہو سکتے جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکم سیر نہ ہو جائیں۔ یہ میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہہ رہی ہوں عبدالمطلب! خدا کو بیچ میں لا کر! مجھ پر بھروسہ کرو ابا عبداللہ!''

حلیمہ خوش خوش روانہ ہوئی۔ اونٹ ریگستان میں چل رہا تھا اور حلیمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو دیکھے جا رہی تھی، بار بار پیشانی مبارک چوم کر کہتی:

''محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، احمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)، عبداللہ کے یتیم، آمنہ کے لاڈلے، عبدالمطلب کے نورِ نظر! تم تو مجھے اس طرح دیکھتے ہو، جیسے مجھے پہلے سے پہچانتے ہو۔ تمہیں جب سے دیکھا ہے مجھے اپنے بچے یاد نہیں آئے۔ تم میری

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

مامتا بن کر رہ گئے ہو ابن عبداللہ! (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے ہیں) ہاں ہاں! تم مسکرا کر میری بات کی تصدیق کر رہے ہو، کہ حلیمہ تو سچ کہہ رہی ہے۔ تمہاری مسکراہٹوں نے میری تاریک دنیا میں اُجالا کر دیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ____ اور ____ ارے ____ یہ ____ یہ میری سست قدم اونٹنی ہوا کی طرح اُڑی جا رہی ہے (اور چاروں طرف حیرت کے ساتھ دیکھتے ہوئے) یہ کیا ہو رہا ہے۔ کھجور کی سوکھی ڈالیوں میں ایکا ایکی روشنی سی برسنے لگی، پہاڑوں کی چٹانیں لودے رہی ہیں اور یہ راستہ! جیسے کسی نے ستارے کوٹ کر بچھا دیے ہیں ____ بڑے ہو کر نہ جانے تم کیا بننے والے محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)! اس وقت اپنی دایہ حلیمہ کو کہیں نہ بھول جانا۔ مگر یہ میں کیا نادانوں کی سی باتیں کر رہی ہوں۔ تم مجھے نہیں بھول سکتے۔ تمہارے منہ سے تو محبت و وفا کی بو آتی ہے ان پیاری آنکھوں میں مروت جھلک رہی ہے، اور مجھے تو ایسا دکھائی دیتا ہے جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! تمہارے کاندھے دنیا جہاں کی غم گساری کا بار اُٹھائے ہوئے ہیں۔"

حلیمہ کا ناقہ خوب تیز تیز جا رہا تھا۔ ساربان اس کی صبا رفتاری پر خود حیران تھا پچھلی رات تھی، ستارے جھلملا رہے تھے، خنک ہواؤں کی گود میں ببول کی ڈالیاں جھولا جھول رہی تھیں۔

راستے کے درخت، ریت کے ٹیلے، پتھریلی گھاٹیاں، یہاں تک کہ ہوا میں اُڑنے والی پتیاں حلیمہ کو زبان حال سے مبارکباد دے رہی تھیں اور کہتی تھیں:

"حلیمہ! خوش قسمت حلیمہ! تبریک کے ہدیے قبول کر! معلوم ہے تو کسے لیے جا رہی ہے۔ اب دنیا میں جسے بھی سعادت اور ہدایت ملے گی وہ اسی کی بدولت ملے گی۔ اسی کا نقش قدم "صراط مستقیم" بنایا جائے گا۔ قیصر و کسریٰ کے تاج اس کے غلاموں کی ٹھوکروں سے لگے ہوں گے۔ ہدایت کے جتنے چراغ اب تک روشن ہو چکے ہیں ان سب کا اجالا اس کے نور ہدایت میں ملکر "مشکوٰۃ ابد" بن جائے گا۔ جس کی روشنی کبھی ماند پڑنے نہ پائے گی ____ حلیمہ! شہنشاہوں اور فرماں رواؤں کے نام مٹ جائیں گے۔ مگر عبداللہ کے دریتیم میں تیرا نام تاریخ میں سدا یاد رہے گا۔ جب کبھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت بیان ہوگی لوگ کہیں کہ حلیمہ سعدیہ نے انہیں دودھ پلایا تھا۔ غیر فانی ہو گیا تیرا نام حلیمہ! بنو سعید کی گمنام دودھ پلانے والی، تجھے ابدی شہرت حاصل ہوگئی۔ قریش کا بڑے سے بڑا امیر تجھے سونے میں تول سکتا تھا مگر اس "دُرِّ یتیم" کے صدقے میں جو نعمت تجھے ملی ہے اسے کون دے سکتا ہے؟

حلیمہ جب اپنی بستی میں پہنچی تو اس کی اونٹنی کی تیز رفتاری کو دیکھ کر سب تعجب کرنے لگے، ایک عورت نے بالا خانہ کے دریچے سے جھانکتے ہوئے کہا:

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

''یہ حلیمہ یہاں سے تو مریل اونٹنی پر سوار ہو کر گئی تھی اس سے چلا ہی نہیں جاتا تھا دبلی پتلی فاقوں کی ماری اونٹنی، ایک ایک ہڈی گن لو اور کوئی پھونک مار دے تو بے چاری کا دم نکل جائے۔ سب ہنستے تھے کہ حلیمہ اس نیم مردہ سواری پر کیسے مکہ پہنچے گی۔ ہم تو یہ خبر سننے کے انتظار میں تھے کہ فلاں منزل میں حلیمہ کی اونٹنی نے ٹھوکر کھا کر جان دے دی_____ مگر یہ تو کچھ اور ہی دکھائی دے رہا ہے، اس اونٹنی کے تو پر لگ گئے ہیں۔ ہوا سے باتیں کرتی ہے۔ مکہ کے ببول کھا کھا کر اس مریل پر جوانی آ گئی۔''

گھر کے دروازے پر اونٹنی جا کر بیٹھ گئی۔ حلیمہ نے بڑی احتیاط کے ساتھ ابن عبداللہ کو اتارا اتنے میں حلیمہ کے شوہر آ گئے اور خشمگیں لہجہ میں بولے:

تم اب تک کہاں رہیں ام شیما! میں تو سمجھا تھا تمہاری اونٹنی نے بیچ راستہ میں دغا دے دی۔ مگر یہ تو ظالم سفر سے توانا ہو کر آئی ہے۔ اور ہاں! تمہارے پیچھے بکریوں نے دودھ دینا چھوڑ دیا۔ سب کے تھن سوکھ گئے جیسے کبھی ان میں دودھ تھا ہی نہیں۔ ایک مصیبت ہو تو بیان کروں_____ اب کی بار ہماری کھیتاں آپ ہی آپ خشک ہوئی جا رہی ہیں۔ سب فکر مند ہیں کہ فصل کی یہی حالت رہی تو کھائیں گے کیا؟''

''تم دنیا بھر کے فسانے سنانے بیٹھ گئے شیما کے باپ! اس بچہ کو تو گود میں لو، بنی ہاشم کا چشم و چراغ ، سید القریش عبدالمطلب کو پوتا، عبداللہ کا یتیم اور آمنہ کا لخت جگر ہے یہ نونہال! اور اسکا نام سن کر تو تم جھوم جاؤ گے_____ (قدرے توقف کے بعد) احمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم)____ اور محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) بھی۔ اس کی برکت سے ساری پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ راستہ بھر اس کے نور سے جگمگ جگمگ ہوتی آئی ہے۔''

حلیمہ کے شوہر نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیار کیا اور ان کے جمال جہاں آرا کو دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا دیر تک نظارہ کرتا رہا۔ پھر بولا.....''تم بھوکی ہو گی ام شیما! تمہارے لیے کہیں سے دودھ لے آؤں۔ ہماری بکریاں تو.....(یہ کہتے ہوئے اسکی نگاہ بکری کی تھنوں پر پڑی).....ارے! یہ کیا! سوکھے ہوئے تھنوں میں دودھ آ گیا۔

حلیمہ کے شوہر دوڑا ہوا گیا اور برتن نیچے رکھ کر دودھ دوہنے لگا۔ پورا برتن دودھ سے بھر گیا۔''میں خواب تو نہیں دیکھ رہا ہوں ام شیما..... یہ تو جادو کی سی باتیں ہو رہی ہیں''.....حلیمہ کے شوہر نے کہا۔

''ابھی تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتوں کا آغاز ہے۔ تم دیکھنا، اور کیا کیا ہوتا ہے۔ ساری کلفتیں دور ہو جائیں گی! اور میں تو کہتی ہوں کہ اس بچہ کے دیکھنے پر جو لطف ملتا ہے، سارے جہان کی مسرتیں اس کے آگے ہیچ ہیں۔ میں اپنی قسمت پر ناز کروں یا تمہیں مبارک باد دوں۔''

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

اللہ اللہ وہ بچپن کی پھبن

اس خدا بھاتی صورت پہ لاکھوں سلام

حلیمہ نے بڑے ناز ونعم اور چاہ کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی۔ جی ہاں پرورش! اس بہانہ خود اس کی تقدیر اور زندگی کی پرورش ہو رہی تھی۔ حلیمہ کی گود میں کونین کی دولت سمٹ کر آ گئی تھی۔ مہ وانجم کی نگاہیں حلیمہ کے گھر کا طواف کر رہی تھیں۔ قبیلہ سعد کی قسمت کا ستارہ آج سچ مچ برج شرف میں تھا، اور اللہ نے ان کے دن پھیر دیے تھے۔

صبح کو بنوسعد کے کسان جو اپنے کھیتوں میں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سوکھے پودوں اور مرجھائی ہوئی ڈالیوں میں ایکا ایکی جان سی پڑ گئی۔ خشک کھیتیاں لہلہانے لگیں جیسے کسی نے ان پر آب حیات چھڑک دیا ہے۔ لوگ خوشی خوشی دوڑے ہوئے آئے اور کہنے لگے۔

''ائے بھائیو! کسی کو زندہ جادو اور جیتی جاگتی کرامات دیکھنی ہو تو ہمارے ساتھ جنگل میں چلے، تمام سوکھے اور بدرونق کھیتوں میں ہریالی ہی ہریالی نظر آتی ہے۔ فصل پر اس قدر رعنائیوں کے ساتھ تو آج تک بہار نہیں آئی۔ تمام کھیت باغ و بہار بن گئے، کونپلوں کا اٹھان اور ڈالیں کی بڑھوار اس غضب کی ہے جیسے دنوں کے ہوتے چند ساعتوں میں خوشے لگ جائیں گے۔ رات کی رات میں کیا ہو گیا؟ مینہہ کی ایک بوند بھی بادلوں سے نہیں گری، اور ہم کہتے ہیں دھواں دھار بارش ہو بھی جاتی تو بارش کا اثر آخر ہوتے ہوتا ہے! قبیلہ بنوسعد کے غلہ کی پیداوار میں عرب کا کوئی قبیلہ برابر نہ کر سکے گا۔''

لوگوں میں اس بات کے چرچے ہونے لگے۔ بڑے بوڑھے آدمی جنہوں نے زمانہ کے بہت سے گرم اور سرد دنیا کے بڑے بڑے انقلابات دیکھے تھے۔ کہنے لگے کہ ایسا تو کبھی دیکھنے میں نہیں آیا کہ رات کی رات میں سوکھے کھیت سرسبز ہو جائیں۔ تو حلیمہ کا شوہر فخر کے لہجہ میں بولا:

''تم لوگ عقل اور قیاس کے زور پر نرے تکے لگا رہے ہو، اصل حقیقت سے بے خبر ہو۔ سو میں بتاتا ہوں۔ سنو! شیما کی ماں مکہ سے ابن عبداللہ کو دودھ پلانے کے لیے لے کر آئی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس دُرِّیتیم کا نام! جب سے وہ طفل سعید ہمارے گھر میں آیا ہے، برکتوں اور رحمتوں کا نزول ہو رہا ہے۔ میری بکریوں کا دودھ خشک ہو گیا تھا۔ مگر رات سے ان کے تھنوں سے دودھ کے فوارے چھٹ رہے ہیں۔ اسکی برکتوں کی داستان تو تم حلیمہ کی زبان سے سنو۔ کہتی تھی کہ راستہ بھر نور برستا ہوا آیا ہے۔ یہ ہمارے کھیت جو آن کی آن میں لہلہا اٹھے ہیں اسی یتیم عبداللہ کی برکت سے ایسا ہوا ہے۔ تم چل کر ذرا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نگاہ دیکھ تو لو، تم خود پکار اٹھو گے کہ ایسا نورانی اور دل کش چہرہ ہم نے آج تک نہیں دیکھا۔''

حلیمہ دائی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دودھ میں محبت گھول گھول کر پلائی، اس نے اپنی ساری توجہ اور ممتا اسی یتیم پر صرف کردی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذراسی بے چینی بھی اس سے دیکھی نہ جاتی۔ گھنٹوں کلیجہ سے لگا کر ٹہلتی، جھولا جھلاتی..... اور اپنے مخصوص انداز میں اشعار پڑھتی جاتی اور اسکی لوریاں:

''نیند آنکھوں میں گھل مل کر راحت بن جاتی ہے۔ پھر اسی راحت کی آغوش سے زندگی بیداری کی انگڑائیاں لیتی ہوئی چونکتی ہے۔ بہت سوں کی آنکھیں بند ہوتی ہیں تو دل بھی سو جاتے ہیں اور بعض کی آنکھیں سوتی ہیں مگر دل جاگتے رہتے ہیں۔''

دو سال بعد آمنہ کے یتیم کا دودھ چھوٹ گیا اور حلیمہ اسے لے کر آمنہ کے پاس آئی۔ حضرت آمنہ کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ طویل جدائی کے بعد اپنے نورِ نظر کو دیکھا تھا۔ مامتا آنکھوں میں کھینچ کر آ گئی اور خوابیدہ تمنائیں یک بارگی جاگ اُٹھیں، عبدالمطلب نے پوتے کو بار بار چوما اور دل گیر ہو کر بولے:

''آج عبداللہ ہوتا تو اپنے لاڈلے کو دیکھ کر کتنا خوش ہوتا مگر اس بچہ کی تقدیر میں یتیمی کا داغ لکھا تھا۔ قسمت کا لکھا پورا ہو کر رہا''

مکہ میں ان دنوں شدید وبا پھیلی ہوئی تھی۔ ایک ایک گھر سے کئی کئی جنازے نکلتے۔ تمام شہر پریشان، ہراساں اور خوفزدہ تھا اور ڈرنے اور پریشان ہونے کی بات ہی تھی۔ ہر شخص کو موت کی پرچھائیاں دکھائی دیتی تھیں۔ جیسے پیام اجل آیا اور اب آنکھیں بند ہوئیں۔ کسی کے ذراسی چوٹ بھی لگ جاتی تو وہ یہی سمجھتا کہ موت کا قاصد اب آیا ہی چاہتا ہے۔ زندگی کی یہ آخری ساعتیں ہیں۔ اس کے بعد نزع اور موت اور پھر خاک کا ڈھیر۔ ان اندیشوں نے زندوں کو بیماروں سے بدتر بنا دیا تھا۔

بستی سے باہر نئی قبریں نظر آتی تھیں۔ ملک الموت کو شاید مکہ والے پسند آ گئے تھے۔ جوان غریبوں کی جانوں پر مشق ناز ہو رہی تھی۔ اہل مکہ نے اپنے بتوں کے آگے بہت کچھ ہاتھ جوڑے، سجدے کیے، منتیں مانیں، چڑھاوے چڑھائے، دہائیاں دیں، فریادیں کیں، پیشانیاں رگڑیں، مگر وبا کا زور کم نہ ہوا۔ بیماری اور پھیلتی جاتی تھی..... بعض بعض قریشی نوجوانوں کو جھنجھلاہٹ بھی آ جاتی تھی کہ ان بتوں پر ہم جان چھڑکتے ہیں مگر ان کے دل ایسے پتھر کے ہیں کہ کسی طرح پسیجتے ہی نہیں۔ جن خداؤں سے دکھ درد اور مصیبت میں کوئی فائدہ نہ پہنچے وہ کس کام کے! ہمارے سجدوں کا آخر کچھ تو صلہ ملنا چاہیئے۔

وبا کا زور دیکھ کر بی بی آمنہ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پھر حلیمہ کے ساتھ واپس بھیج دیا اور تین سال تک حلیمہ کو یہ سعادت حاصل رہی۔ بنو سعد کا قبیلہ فصاحت میں مشہور تھا۔ اس قبیلہ میں بلند پایہ شاعروں اور شعلہ بیان مقرروں کی بہتات تھی۔ عرب کہا کرتے تھے کہ بنی سعد کے کھیتوں میں سبزہ کی جگہ فصاحت اُگتی ہے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سادہ اور میٹھے بولوں کو سن کر سب حیران تھے کہ اس کمسنی میں یہ اعجاز گویائی ہے تو بڑے ہو کر فصاحت اور حسن تکلم کو ان لبوں پر ناز ہوگا۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دایہ حلیمہ کی بکری کا دودھ پیتے تو اپنی رضاعی بہن کے لیے از خود حصہ چھوڑ دیتے، دوسرے تھن کو منہ نہ لگاتے۔ چھٹ پن میں اس عدل وانصاف اور ہوش وآگہی کو دیکھ کر حلیمہ کے گھر والے کہتے کہ عبداللہ کا دُرِّیتیم بڑا ہو کر دنیا کو انصاف اور بھلائی سے معمور کر دے گا، اور اس کی ماں نے سچ کہا تھا کہ اس بچہ کی بڑی شان ہونے والی ہے۔ اس نیک بی بی کے خواب ایک ایک کر کے پورے ہوں گے۔

کئی سال تک حلیمہ کا گھر اس سعادت اور برکت سے بہرہ اندوز ہوتا رہا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت نے ان کی ساری پریشانیاں اور غم دور کر دیے۔ وہ دعائیں کرتے تھے کہ چمن ہاشمی کا یہ غنچۂ نورس یہیں پھول بنے۔ یہ سعادت اب ہم سے جدا نہ ہو۔ لیکن یہ ہو نہ سکتا تھا۔ قدرت اس سعادت کو عالم افروز اور جہاں گیر بنانے والی تھی۔ یہ تجلیاں کسی ایک کاشانے کے لیے نہیں، تمام دنیا اور آفاق کے لیے تھیں۔ اس روشنی سے مشرق ومغرب جگمگانے والے تھے۔ اور سحاب رحمت سبزہ زاروں سے لے کر چٹیل میدانوں تک پر برسنے والا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پانچ سال کی تھی جب حلیمہ انہیں آمنہ کے پاس واپس لائیں اور ماں کی امانت ان کو سونپ دی۔ غم اور خوشی کی جھلکیاں، آمنہ کے نور نظر سے ملنے کی خوشی تھی اور حلیمہ کو جدائی کا غم تھا۔ ایک کے لبوں پر مسکراہٹیں اور دوسری کی آنکھوں میں آنسو۔ یہ خوشی بھی مسعود تھی اور یہ غم بھی مبارک تھا۔ کہ ان دونوں باتوں کا تعلق اس ایک ہی ذات اور ایک ہی وجود سے تھا۔ بی بی حلیمہ ارمانوں اور تمناؤں کے ہجوم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد چھوڑ کر واپس ہوئیں، گھر آئیں تو در وبام کو بے رونق اور اجڑ ہوا سا پایا جیسے اس گھر سے بہار رخصت ہو گئی۔

بی بی آمنہ نے سات سال کا زمانہ بیوگی میں گزارا۔ عبدالمطلب نے معصوم سیرت اور فرشتہ صفات بہو کی بہت کچھ دلجوئی کی۔ کوئی حسن سلوک اور مسرت آمیز برتاؤ اس غم کا مداوا نہیں کر سکتا۔ آمنہ کی دنیا میں بس اب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے روشنی تھی۔ اپنے لاڈلے یتیم کو دیکھ کر، کھلا کر اور چوم کر اپنا غم غلط کرتیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آنکھ میں آنسو چھلک رہے ہیں اور ہونٹوں پر مسکراہٹ کھیل رہی ہے۔ غم اس کا کہ جواں بخت اور جواں سال شوہر پردیس میں پیوند زمین ہو گیا۔ اور خوشی اس بات کی کہ خدا نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا بیٹا عطا کیا۔

حضرت آمنہ کے ننھیال کے لوگ یثرب (مدینہ) میں تھے، ان سے ملے ہوئے ایک زمانہ ہو گیا تھا۔ سفر میں غم کا بار بھی ذرا ہلکا ہو جاتا ہے، اور یہ بھی خیال تھا کہ مدینہ کے قریب ہی ابوا میں عبداللہ کی قبر ہے۔ اگر انقلاب زمانہ نے ان کی قبر کا نشان چھوڑا ہو گا تو اس

کی بھی زیارت ہوجائے گی۔ان امیدوں اور تصورات کے ساتھ آمنہ مدینہ روانہ ہوگئیں۔ساتھ میں ام ایمن تھیں اور ان کی آنکھوں کا تارا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔

جس نونہال کی برکتوں سے حلیمہ کے غبارہِ راہ کو غیرتِ مہ وانجم بنادیا،اس کی اپنی بیوہ ماں کے سفر میں کیا کچھ برکتیں نازل نہ ہوں گی۔

مدینہ میں بی بی پہنچیں تو شریف و بامروت عزیزوں نے بڑی خوشی کا اظہار کیا یوں تو مدینہ کے تمام گھرانے مہمان نواز اور عزیز دوست واقع ہوئے ہیں۔مگر بنونجار اس شرف میں ممتاز تھے۔وہ باہر سے آئے ہوئے پردیسیوں کی راہ میں آنکھیں بچھا دیتے اور آمنہ تو پھر اپنی تھیں۔خوب خاطر تواضع کی اور انتہائی مدارات اور وسعت خلق ومروت کے ساتھ پیش آئے۔

بی بی آمنہ کو بڑی بوڑھی عورتوں نے کلیجہ سے لگالیا اور یتیم عبداللہ کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیرا۔عورتیں یوں کبھی دل کی نرم اور حساس ہوتی ہیں۔اور یہ تو موقع بھی اظہار غم کا تھا۔ایک بیوہ اور ایک یتیم کا وہ خیر مقدم کررہی تھیں۔سب کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔ان آنسوؤں میں نو واردوں کے آنے کی خوشی بھی ملی جلی تھی۔اس احساس نے آنسوؤں کو بہت زیادہ اجلا اور جان دار بنادیا تھا۔صرف غم کے آنسو دھندلے دھندلے سے ہوتے ہیں۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار ومتانت کو دیکھ کر سب کو خوشی بھی ہوئی اور حیرت بھی! محلے میں چرچے ہونے لگے کہ مکمہ معظّمہ کے خاندان بنی ہاشم کا ایک بچہ آیا ہے جس کی پیشانی سے اقبال وسعادت کا آفتاب طلوع ہوتا نظر آتا ہے۔اسکی باتوں میں اس قدر دل کشی ہے کہ دل کہتا ہے کہ چمن ہاشمی کا یہ بلبل چہکتا ہی رہے۔

مدینے کے بچے زیادہ مہذب اور باشعور بچے نہ تھے۔ان میں ایسے بھی تھے جو ایک دوسرے سے فحش کلامی کے ساتھ پیش آتے' آپس میں لڑتے' ایک کا ہاتھ دوسرے کا گریباں۔کوئی خاک اڑا رہا ہے' کوئی کنکریاں پھینک رہا ہے۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان باتوں کے قریب نہ پھٹکتے۔ہاں! کوئی بچہ تیراندازی کی مشق کرتا ہوتا تو اس کا ساتھ دیتے یا پھر بنوعدی بن النجار کی باؤلی میں تیرا کرتے۔

مدینہ میں ایک مہینہ قیام کے بعد بی بی آمنہ مکہ جانے کے لیے واپس ہوئیں۔راستہ میں ابوا پڑتا تھا۔یہاں حضرت عبداللہ کی قبر تھی' ٹھہر گئیں' ٹھہر جانا پڑا۔غم محبت نے ان کا دامن تھام کر کہا' شوہر کی قبر کا نشان تو جاتے جاتے دیکھتی جاؤ۔پھر نہ جانے ادھر آنا نصیب ہو کہ نہ ہو۔دل میں ایک ایک چوٹ ابھر آئی اور کلیجہ کا ہر زخم ہرا ہوگیا۔کچھ تکان' کچھ شدت غم' کچھ موسم کا اثر' پھر سفر میں نیا دانہ نیا پانی ملا۔بی بی آمنہ بیمار ہوگئیں۔مرض بڑھتا ہی گیا۔ابوا کیا پورے عرب میں اس وقت شفا خانوں کا رواج نہ تھا۔عطائی طبیب جڑی بوٹیوں سے علاج کرتے۔آمنہ کی تیمارداری اور غم گساری کے لیے وہاں پردیس میں کون بیٹھا تھا۔بس لے دے کرام ایمن تھیں۔جو تیمارداری کرتیں اور پورے سفر میں ان کی رفاقت بہت کچھ کام آئی۔بیمار اور نحیف آمنہ کی غم گساری اور خدمت گزاری میں

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ام ایمن نے ذرہ برابر کوتاہی نہ کی۔

بی بی آمنہ کو اپنے مرنے سے زیادہ غم اس کا تھا کہ میرے بعد میرے دل کے ٹکڑے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر گیری کون کرے گا۔ پیدا ہونے سے پہلے باپ کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ اب کچھ ہوش سنبھالا تو ماں کو موت آئی جاتی ہے۔ دنیا میں ہر بچہ کو ماں باپ ہی کا سہارا ہوتا ہے۔ انہی کی شفقت کے سہارے بچے پروان چڑھتے ہیں۔ دوسرے عزیز رشتہ دار کتنی ہی غم خواری اور دل دہی کیوں نہ کریں۔ ماں باپ کی محبت کی بات بھلا کہاں پیدا ہوتی ہے۔ یہی غم آمنہ کو مرتے مرتے کھائے جا رہا تھا۔

ام ایمن تسلی دیتیں' ڈھارس بندھاتیں کہ ام محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اتنی ہراساں نہ ہو۔ تم اچھی ہو جاؤ گی۔

بی بی آمنہ کی حالت بگڑنی شروع ہوئی۔ اپنے لختِ جگر کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ آخری ہاتھ! کچھ کہنا چاہا مگر شدت نزع نے زبان کو سن کر دیا۔ دو چار کروٹیں لیں اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پردیس میں بے ماں کے رہ گئے وہیں ابوا میں جہاں اب سے سات سال پہلے عبداللہ پیوند خاک ہوئے تھے' آمنہ بھی مدفون ہوئیں۔ محبت نے سچ مچ زمین کی طنابیں کھینچ دیں۔ اسی جذبہ نے آمنہ کو مکہ سے کشاں کشاں بلا کر عزیز شوہر کی آرام گاہ میں جاں نثار بیوی کو بھی سلا دیا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں یہ پہلا سانحہ دیکھا تھا' اور سانحہ بھی کتنا الم ناک ماں کی ابدی جدائی! وہ بھی کہاں' پردیش میں! عزیز و اقارب سے دور' بے کسی اور آشنائی کی موت۔ مکہ میں آمنہ مرتیں تو سینکڑوں ابنائے ہاشم جنازے کے ساتھ ہوتے۔ گھر گھر سے رونے والیاں آتیں' اور یہاں ام ایمن کے سوا آنسو بہانے والا بھی کوئی نہ تھا..... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا دیکھ کر ام ایمن نے بہت کچھ تسلی کی باتیں کیں مگر یتیم بچہ کے لیے ماں کے مرنے کا غم بڑا ہی دردانگیز ہوتا ہے جس پر گزرتی ہے وہ ہی جانتا ہے۔

ام ایمن چند دن کے بعد یتیم و یسیر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ آئیں' عبدالمطلب کو بہو اور پوتے کے آنے کا ہر وقت انتظار رہتا تھا۔ پوتا تو آ گیا مگر بہو نہ آئیں' نہ آسکیں۔ موت نے نہ آنے دیا۔ ابوا کی خاک دامن گیر ثابت ہوئی۔ آمنہ کا یہ سفر دراصل سفرِ آخرت تھا۔ موت کو تو اک بہانا چاہیئے .....بنو ہاشم کے گھرانے میں کہرام بپا ہو گیا۔ عورتوں نے صف ماتم بچھا دی۔

''سید القریش! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اب تمہارے سوا کوئی نہیں ہے۔'' ام ایمن نے جھجکتے ہوئے انداز میں کہا۔

''ام ایمن! کیا تو یہ سمجھتی ہے کہ آمنہ کی یادگار اور عبداللہ کی نشانی کو یوں ہی بے حفاظت چھوڑ دوں گا! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے دل کا ٹکڑا اور میری بوڑھی اور سپید آنکھوں کی روشنی ہے۔ یہ حمزہ' عقیل' ابوطالب' حارث' ابولہب اور عباس میرے بیٹے ہیں۔ مگر رب کعبہ کی قسم! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے مجھے پیارا ہے۔ تم میری محبت کا اندازہ نہیں کر سکتیں ام ایمن! کاش دل دکھانے کی چیز ہوتی۔

ماں کے مرنے کے کوئی ایک سال بعد عبدالمطلب جو عبداللہ کے دُرِّیتیم کے کفیل تھے۔ دنیا سے چل بسے' عبدالمطلب کو مرتے دم اس بات کا بڑا غم تھا کہ بے ماں باپ کے بچہ کی کفالت اب کون کرے گا۔ کاش! میں چند دن اور زندہ رہتا۔ یہاں تک کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیروں پر کھڑے ہو جاتے۔

عبدالمطلب کی اس آرزو پر قدرت مسکرا رہی تھی کہ ابن ہاشم! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بے سہارا سمجھ کر غم کرتا ہے۔ اس کو یتیم جان کر روتا ہے۔ بوڑھے سردار! یہ یتیم تو یتیموں کا والی اور غلاموں کا مولا ہے۔ جس کے دنیا میں سارے سہارے ٹوٹ گئے ہوں اسے یہ ایک دن سہارا دے گا۔ یہ وہ ہے' چاند ستارے اس کے اشارے پر گردش کریں گے۔ عبدالمطلب اطمینان کے ساتھ جان دے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غم نہ کر اس کی غم خواری کے لیے اس کا خدا بہت کافی ہے۔

عبدالمطلب کے انتقال کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب نے یتیم بھتیجے کو اپنی نگرانی اور کفالت میں لے لیا۔ قریش کہتے تھے کہ یتیموں کی ان کے عزیز بس دنیا کے دکھاوے کے لیے ہی دل دہی کرتے ہیں' حقیقی درد کسے ہوتا ہے۔ مگر ابوطالب نے ان کے اندیشوں کو غلط ثابت کر دیا۔ یہ قیاس آرائیاں ایک ایک کر کے واقعات نے جھٹلا دیں۔ ابوطالب سچے غم خوار نکلے۔ جیسے ان کے دل میں پہلے ہی سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جگہ تھی۔ باپ (عبدالمطلب) کے جیتے جی اس جذبہ کے اظہار کا موقع نہیں ملا۔ اور باپ کا سایہ دور ہوتے ہی ابن اخی کی محبت کفالت اور غم خواری کے لیے انگڑائی لے کر اُٹھ بیٹھی۔

ابوطالب نے محبت اور شفقت کے آنسوؤں سے بھتیجے کے چہرے سے گرد یتیمی کو دھویا ہر طرح کی غم خواری کی۔ دلدہی کے تمام میسر اسباب صرف کر دیے۔ اپنے بچوں سے زیادہ شفقت اور راحت کے ساتھ پالا۔ عبداللہ کے دُرِّیتیم کی ذرا سی بے چینی بھی غم خوار چچا کو گوارا نہ تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر میں ذرا سا کانٹا بھی چبھتا تو اس کی کھٹک ابوطالب کا دل محسوس کرتا۔ یہ حالت دیکھ کر اہل مکہ کہنے لگے' بھئی! ابوطالب! آخر سید القریش عبدالمطلب کا بیٹا بلکہ صحیح وارث اور جانشین ہے۔ اس سے اسی قسم کے شریفانہ برتاؤ کی توقع تھی۔ پھر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی غیر نہیں ہے' ابوطالب کا خون اور گوشت پوست ہے.....اور پھر بچہ بھی کیسا؟ کہ غیر دیکھ کر نہ صرف پیار بلکہ احترام کرتے ہیں۔ اس یتیم کی خدمت کر کے ابوطالب اپنے لیے خیر و سعادت کا ذخیرہ جمع کر رہا ہے۔

تجارت کی غرض سے ابوطالب جب شام جانے لگے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر بارہ برس کے لگ بھگ تھی۔ ابوطالب یتیم بھتیجے کو بہت عزیز رکھتے تھے مگر اس سفر میں ساتھ لے جانا مناسب نہ سمجھا۔ خیال آتا تھا کہ دور دراز کا سفر ہے۔ راستہ میں

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

سبزہ زار اور دریا کے مناظر نہیں ہیں جو بچہ کا دل بہلتا رہے۔لق ودق صحرا ہے' کوسوں تک آبادی کا نام ونشان نہیں۔منزلوں تو پانی نہیں ملتا.....ان صعوبتوں میں اسے لے جانے پر دل راضی نہیں ہوتا۔

ابوطالب مکان سے چلنے لگے تو محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم چچا سے لپٹ گئے۔محبت مصلحت پر غالب آ گئی' یتیم بھتیجے کی افسردگی' شفیق چچا سے نہ دیکھی گئی۔کمسن مسافر کو ساتھ لے لیا۔اور یہ چھوٹا سا قافلہ مکہ سے شام کے لیے روانہ ہو گیا۔ابوطالب کا گمان تھا کہ راستہ میں محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو سنبھالنا پڑے گا۔مگر محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم میں نہ خود اپنے سنبھالنے کی طاقت تھی بلکہ چچا کا بھی ہاتھ بٹایا۔انتہائی مستعدی اور فرض شناسی کے ساتھ! یہ رفاقت ابوطالب کے لیے بہت آرام دہ ثابت ہوئی۔

حجاز کے حدود سے باہر عبداللہ کے دُرِّیتیم کا یہ سب سے پہلا سفر تھا اور بھی اتنا طویل اور دشوار گزار! سفر میں بچے ساتھ کے لوگوں پر بار ہو جاتے ہیں۔مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوش مندی رفقاء کے لیے معجزے سے کم نہ تھی۔

بصرہ شام کا ایک مشہور شہر تھا۔اور اس کے قریب ہی گاؤں میں ایک صومعہ تھا جسے آس پاس کے لوگ بہت مقدس اور متبرک سمجھتے تھے۔اس صومعہ میں بحیرہ نام کا ایک راہب رہتا تھا۔بحیرہ کو نصاریٰ میں خاص منزلت اور تقدس حاصل تھا۔

انجیل کے علاوہ توریت کے مضامین پر بھی اس کی نگاہ تھی اور صُحفِ سماوی پڑھ پڑھ کر ظاہر ہونے والی روشنی اور آنے والی روحِ حق کا منظر تھا۔

صومعہ کے قریب ہی ابوطالب نے اپنے اونٹوں کے ساتھ قیام کیا۔چچا اور بھتیجے دونوں درخت کے سایہ میں زمین پر بیٹھے تھے۔بحیرہ بھی پھرتا پھراتا ادھر آ نکلا۔اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو غور سے دیکھنے لگا۔اس کی ٹکٹکی بندھ گئی جیسے نظارہ کے ساتھ ساتھ حافظہ کے نقوش سے نظر آنے والی نشانیوں کی مطابقت کرتا جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش تھے۔بحیرہ اور قریب آیا۔اس کی آنکھوں میں خوشی کی چمک پیدا ہوئی۔گویا حقیقتِ منتظر اسے نظر آ گئی۔اپنی تمام تقدیس دین اور شرفِ رہبانیت کے باوجود عقیدت کے ساتھ فرش پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا:

''توریت وانجیل پر میں نے برسوں غور وفکر کیا ہے اس میں ہم نے جو نشانیاں پڑھی ہیں کہ روحِ حق کا ظہور ہوگا۔وہ نشانیاں تمام کی تمام اس نونہال میں پائی جاتی ہیں۔میں اس کی نبوت کی بعثت سے پہلے ہی تصدیق کرتا ہوں۔نہ جانے اس وقت تک میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔

جوانی

اتنے گناہ آلود ماحول' بری سوسائٹی اور مذموم گردوپیش میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی کا آغاز ہوا۔قدم قدم پر فتنوں کا ہجوم اور برائیوں کا جمگھٹا' نفس کی رغبت' الجھاؤ اور میلان کے لیے ہر قسم کی سہولتیں موجود تھیں۔

اس سراپا معصیت ماحول میں عبداللہ کے دُرِّیتیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی تقویٰ، طہارت، پاکیزگی اور خوش اخلاقی کے ساتھ دورِ جوانی اور عہدِ شباب گزارا۔ وہ ان قاتلوں، سفاکوں اور لٹیروں میں تنہا صلح وسلامتی کا پیامبر، چوروں، رہزنوں، پیماں شکنوں اور جھوٹوں میں اکیلا صادق الوَعد اور امانت دار، جواریوں، شرابیوں اور بدکاروں میں تنہا متقی، پرہیزگار اور نیک کردار تھا۔ زیادہ سے زیادہ نیکی کا تصور جو انسان کرسکتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ نیک اور صالح فطرت تھے۔ انسانیت کی بلندی کا آخری مقام جو ذہن میں آسکتا ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اس سے بھی بہت بلند تھی۔

دنیا کے اندھیرے میں صرف یہی ایک چراغ تھا، زمانہ کے خارستان میں اس کی ذات گلاب بن کر مہک رہی تھی۔ عام رنگ وبو میں بس وہی ایک ذاتِ حق وصداقت کا مرکز اور ہدایت کا روشن مینارہ تھی۔ یہی ایک انسان ناطق تھا جس کے نطق پر سچائی ناز کرتی تھی۔

اکابرینِ قریش میں تذکرے ہوتے:

ائے بھائیو! نہ جانے یہ نوجوان آگے چل کر کیا بننے والا ہے۔ اس انداز کا شریف، سچا اور نیک کردار آدمی ہم نے نہ تو دیکھا نہ کانوں سے سنا۔ صاحبو! کسی سے وعدہ کرے تو چاہے زمین ٹل جائے، آسمان ٹوٹ پڑے۔ مگر یہ اپنے قول سے نہیں پھر سکتا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی چاندنی سے زیادہ اجلی اور پھولوں سے بڑھ کر بے داغ اور معصوم تھی۔ قدرت نے آپ کے دامن کردار پر بھول چوک کی پرچھائیں بھی نہ پڑنے دی۔ یہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری معیار اور سیرت وکردار کی معراج تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اور شدید دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت، پاک دامنی اور خوش اخلاقی کے قائل تھے۔ تاریخ نہیں بتاسکتی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی دشمن نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام کو جھٹلایا، سارے عرب کو آپ کے خلاف جنگ کے لیے کھڑا کردیا۔ لیکن کوئی شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور ذات وشخصیت پر تہمت نہ لگا سکا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی، راست بازی اور عدل ونکوکاری سے متاثر ہوکر قوم نے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''امین'' کا خطاب دیا۔ سب لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احترام کرتے تھے۔ بوڑھے بوڑھے قریش محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑائی اور عظمت کو محسوس کرکے عزت کرنے کے لیے مجبور ہوجاتے۔ جدھر سے آپ گزرتے لوگوں میں چرچے ہونے لگتے کہ عبداللہ کا نیک سچا اور پرہیزگار بیٹا جارہا ہے۔ اور پھر آپ کی تعریفیں ہوتیں کہ اس میں یہ خوبیاں ہیں، یہ بڑائیاں ہیں۔

مفاسد کا زیر وزبر کرنے والا
قبائل کو شیر و شکر کرنے والا

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ایک بار مکہ کے قریبی علاقہ میں بہت زور کی بارش ہوئی۔ مینھ کی جھڑی لگی تو یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہا۔ بادل کھلنے کا نام ہی نہ لیتے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ مکہ میں بہت زور کا سیلاب آ گیا۔ گلیوں میں نہروں کی طرح پانی بہنے لگا۔ بہت سے مکان منہدم ہو گئے۔ اہلِ مکہ کے لیے بڑی پریشانی کا سامنا تھا۔ خانہ کعبہ بھی سیلاب کی اس زد میں آ گیا۔ دیواریں گر پڑیں۔ اور ان کے ساتھ حجر اسود بھی اپنی جگہ سے زمین پر گر گیا۔

کعبہ کی تمام عرب والے عزت کرتے تھے اور بت پرستی کے بے پناہ شوق اور لامحدود عقیدت و گرویدگی کے باوجود بیت اللہ کے احترام سے ان کے دل و دماغ کبھی خالی نہیں ہوئے۔ اپنے مکانوں، بیٹھکوں، اور مویشی خانوں سے پہلے کعبہ کی تعمیر مقدم سمجھی گئی۔ سب لوگوں نے نہایت دلچسپی اور جوشِ عقیدت کے ساتھ اس نیک کام میں حصہ لیا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی قریش کے ساتھ پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے اور کعبہ بنانے والوں کا ہاتھ بٹاتے۔

کعبہ کی دیواریں اُٹھ گئیں تو حجر اسود کے لگانے کا سوال درپیش ہوا۔ ہر شخص کہتا تھا کہ اس مقدس پتھر کی تنصیب کا شرف میں حاصل کروں گا۔ اس پر بات بڑھنے لگی۔

چار دن تک نزاع ہوتی رہی۔ پانچویں دن ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ بوڑھا تھا کہا کہ اس مسئلہ کو کسی پنچ پر چھوڑ دینا چاہیئے۔ لیکن یہ بات خود ایک نزاع بن جائے گی کہ ثالث کس کو بنایا جائے..... اس مشکل کا حل بھی بتاتا ہوں۔ وہ یہ کہ خانۂ کعبہ میں جو شخص کل صبح سب سے پہلے داخل ہو اسی کو حاکم مان لیا جائے اور جو فیصلہ وہ صادر کرے اسے سب لوگ بغیر کسی چون و چرا کے مان لیں۔

اس پر سب نے حامی بھری کہ ہمیں یہ بات منظور ہے۔ شام ہوئی پھر رات اور اس کے بعد سپیدۂ سحر نمودار ہوا۔ اور اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہو رہے ہیں۔ سب نے کہا کہ آپ ہمارے ثالث ہیں۔ اس بات کا فیصلہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمائیں گے۔ تمام لوگ یہ کہنے کے بعد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھنے لگے کہ نہ جانے ملنے والے لبوں سے کس کے حق میں فیصلہ صادر ہوتا ہے، ہر کوئی پُر آرزو بھی تھا اور مایوس بھی!

محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے کعبہ کے فرش پر ردائے مبارک بچھا دی۔

محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اپنی چادر میں سنگ اسود اٹھا کر رکھا اور فرمایا کہ تمام قبیلوں میں سے ایک ایک آدمی اس چادر کو تھام لے تا کہ تنصیب حجرِ اسود کا شرف تمام قبائل میں مساوی طور پر بٹ جائے۔ ہر قبیلہ کے ایک ایک آدمی نے چادر تھام کر اوپر اٹھائی اور اس طرح سب نے مل جل کر کعبہ کی دیوار میں حجرِ اسود نصب کر دیا۔

محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے اس فیصلہ سے سب خوش ہو گئے۔ تمام لوگوں نے محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی اصابتِ رائے، حکمت و دانش اور فہم و فراست کا اقرار کیا۔ سارے مکہ میں اس صلح کن فیصلہ کی دھوم مچ گئی کہ ابن عبداللہ کی دانائی کی بدولت خون

خرابہ کی نوبت نہ آسکی۔ ورنہ تلواروں کے جوہروں کی چمک زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ یہ لڑائی بنوبکر اور بنوتغلب کی خوریز جنگوں کی شہرت پر پانی پھیر دے گی۔ اہل مکہ نے محسوس کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف نکوکار، پرہیزگار، امین اور راست باز ہی نہیں ہیں ان میں فیصلہ کرنے اور آپس کے جھگڑے چکانے کی بھی بے پناہ قابلیت پائی جاتی ہے۔

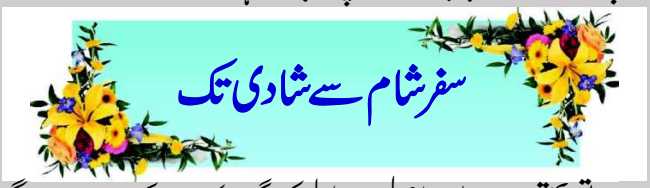

بچپن میں ابوطالب اپنے یتیم بھتیجے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اگرچہ کفالت کرتے رہے۔ مگر اس زمانہ میں بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے بچوں کی طرح کھیل کود میں بچپن نہیں گزارا۔ چچا کے بار کفالت کو اس طرح ہلکا کیا کہ تمام تمام دن جنگل میں ان کی بکریاں چرائیں۔ بڑے ہوکر وہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوگئے اور دنیا کے سب سے زیادہ معزز پیشہ تجارت کو اس عالم اسباب میں آذوقۂ حیات کا ذریعہ بنایا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے اور بات کے پکّے تھے۔ تجارتی کاروبار میں جس سے معاملت ہوگئی اور جس بات کے لیے زبان دے دی چاہے زمین و آسمان کیوں نہ ٹل جائیں اور تجارت میں کتنا ہی گھاٹا کیوں نہ ہوجائے، اپنے قول اور عہد کی تاویلیں کرکے زبان پھیرنے کا تصور بھی نہ فرماتے۔ کسی سے مال خریدتے تو دینے والے کی مرضی پر چھوڑ دیتے۔ وہ اونچا بھی تول دیتا تو گوارہ فرمالیتے مگر جب خود کسی کو مال بیچتے تو خوب جھکتا ہوا تولتے۔ تاجروں میں آپ کی دیانت اور خوش معاملگی کے تذکرے ہوتے۔

خویلد کی بیوہ بیٹی حضرت خدیجہؓ ایک شریف اور دولت مند خاتون تھیں، نوکر چاکر اور عزیز رشتہ داران کا تجارتی کاروبار سنبھالتے ہوئے تھے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیانت اور راست بازی کا شہرہ سن کر خدیجہؓ نے بہت منت کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیام بھجوایا کہ میں آپ کے ذریعہ اپنا مال تجارت شام بھیجنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر پورا اعتماد ہے۔ آپکی زحمت فرمائی کا مجھ بیوہ پر احسان ہوگا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام جانے کی ہامی بھرلی۔ اور چند دن بعد حضرت خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر شام کی طرف کوچ فرمایا۔ اس مختصر سے تجارتی قافلہ میں خدیجہؓ کا ایک رشتہ دار اور ان کا غلام میسرہ بھی تھا!

یہ وہی راستہ تھا جہاں بارہ سال کی عمر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر کیا تھا۔ وہی وادیاں، وہی کوہ ودشت۔

یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا پچیسواں سال تھا۔ ذمہ داری، ہوش مندی اور فراست کا آفتاب جبین سعادت آثار سے طلوع ہورہا تھا۔ قافلہ چلا، چلتا رہا۔ یہاں تک کہ شام پہنچ گیا۔ یہ کارواں اندھیرے سے بھی گزرا اور چاندنی میں بھی اس نے منزلیں طئے کیں۔ دھوپ کی شدت بھی دیکھی اور سایہ کی راحت بھی۔ کہیں اتنا چٹیل میدان کہ دور دور تک کسی درخت کا نام ونشان نہیں۔ بس کہیں

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کہیں غبار آلود جھاڑیاں نظر آتی تھیں۔ وہ بھی جھلسی ہوئی جیسے ان میں قوت نمو ہی نہیں ہے۔ اور کسی جگہ نخلستان کا سلسلہ دور تک چلا جاتا' اور آس پاس لہلہاتے کھیت دکھائی دینے لگتے' خدیجہؓ بنت خویلد کے رشتہ دار خزیمہ اور ان کے غلام میسرہ نے اس سفر میں بہت سے عجیب باتیں مشاہدہ کیں۔ قدم قدم پر برکتوں کا نزول اور سعادتوں کا ظہور۔ ایسے ایسے واقعات اور آثار جو انہوں نے اس سے پہلے دیکھے نہ تھے۔ ان کی حیرتیں بڑھتی ہی چلی جاتی تھیں۔ یہاں تک کہ ایک سوکھا پیڑ جسکے نیچے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سرسبز ہوگیا۔ اسی مقام پر نسطورنا می راہب رہتا تھا اس نے کہا کہ پیشین گوئیوں اور مقدس بزرگوں کے اخبار کی روشنی میں اس حقیقت کے اظہار میں تامل نہیں کرسکتا' مجھے بتایا گیا ہے کہ اس درخت کے نیچے ایک پیغمبر آکر قیام کرے گا جس کی برکت سے سوکھی ڈالیاں ہری ہوجائیں گی۔ اس کے ہاتھ میں انجیل کے نوشتے تھے اور انہیں پڑھ پڑھ کر وہ باتیں کہتا جاتا تھا۔

حضرت خدیجہؓ کے مال تجارت میں توقع سے بہت زیادہ نفع ہوا اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام مال کی قیمت جوں کی توں خدیجہ کو دے دی۔ خدیجہ آپکی اس دیانت اور راست بازی سے بہت متاثر ہوئی۔ وہ دیکھتی تھی کہ مکہ میں تجارتی کاروبار' لین دین' مول تول' اور خرید وفروخت پر آئے دن جھگڑے ہوتے رہتے ہیں۔ ہر شخص دوسرے کا مال ناجائز طریقہ سے غصب کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ لوگ عہد و پیمان کرتے ہیں اور توڑ دیتے ہیں۔ ان لوگوں میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے امانت دار' راست باز اور متدین آدمی کا پایا جانا غیر معمولی واقعہ بلکہ معجزہ ہے۔

خزیمہ اور میسرہ نے یک زبان ہوکر حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہ کر ہم نے اپنی آنکھوں سے ایسی ایسی عجیب وغریب باتیں دیکھی ہیں جو شاید کسی نے سنی بھی نہ ہوں۔ اندھیری راتوں میں روشنی ہوگئی ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے۔ خشک درخت کے نیچے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے اور سوکھی ڈالیاں آن کی آن میں لہلہانے لگیں جیسے کسی نے ان پر آب حیات چھڑک دیا۔ ایک واقعہ ہو تو بتائیں۔ ہم تو راستے بھر ان کے ساتھ خواب دیکھتے رہے۔ اور یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کچھ بابرکت ہونے کے باوجود انتہائی خلیق' متواضع' دردمند اور غم گسار ہیں' راستہ میں ہمیں انھوں نے کسی قسم کی تکلیف نہ ہونے دی۔ نہایت مستعدی کے ساتھ ہر کام خود انجام دیا۔ اتنے دردمند رفیق سفر ہر کسی کو میسر نہیں آتے۔ اور ان کی پاک بازی اور پرہیزگاری کی تو لفظوں میں تعریف ہی نہیں ہوسکتی۔ یہ عرب کے جاہل لوگ اپنی شاعری' بہادری اور نسب ناموں پر فخر کرتے ہوئے مرجاتے ہیں۔ حالانکہ ان کے لیے سب سے بڑا فخر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قریشی الہاشمی کی ذات ہے۔

مکہ کا ہر شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق اور نیکی کا گرویدہ ومعترف تھا۔ حضرت خدیجہؓ کو تجارت کے سلسلہ میں آپ کی دیانت کا ذاتی تجربہ بھی ہوگیا۔ پھر خزیمہ اور میسرہ کی عینی شہادتوں نے اس ایقان کو اور زیادہ مستحکم اور اس اثر کو پائدار بنادیا۔ خدیجہ بیوہ تھیں۔ ان کی دنیا ویران سی تھی۔ افسردہ اور غمگین تمنائیں! مرجھائے ہوئے احساسات! دل ودماغ نے ایک زبان ہوکر کہا کہ خدیجہ! دیکھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ شریف اور باعزت انسان پورے عرب میں نہیں مل سکتا۔ ان کے پاس پاکیزہ تمناؤں کا

پیام بھیج! محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے اگر تیرے پیام کو قبول کرلیا تو تیری تقدیر کا ستارہ چمک جائے گا۔

خدیجہؓ نے محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی خدمت میں شادی کا پیغام بھیجا۔ آپ نے قبول فرمالیا۔ آپ اپنے چچا ابوطالب، حمزہ اور دوسرے عزیزوں کو ساتھ لے کر حضرت خدیجہؓ کے مکان پر پہنچے۔ وہاں پہلے سے اہتمام تھا۔ اور خدیجہؓ کے عزیز و اقارب انتظار میں تھے، نکاح ہوا۔ ابوطالب نے خطبہ پڑھا۔ اس خطبہ میں ابوطالب نے پہلے خدا کی حمد و ثناء بیان کی اور اس کے بعد کہا کہ سارے قریش میں محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کے پلہ کا ایک آدمی نہیں ہے۔ کوئی شخص شرافت و نکوکاری میں میرے سعید و امین بھتیجے کی برابری نہیں کرسکتا۔ ہاں مال و دولت اس کے پاس نہیں ہے۔ مگر دولت، روپیہ پیسہ، خزانے، مال و اسباب تو چلتی پھرتی چھاؤں کی مانند ہیں۔ آج اس کے پاس کل دوسرے کے پاس۔ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ اصل چیز تو ذاتی شرافت ہے جو ہر حال میں باقی رہے گی۔

محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا یہ بالکل نیا دور تھا۔ حضرت خدیجہؓ بہترین شریک زندگی ثابت ہوئیں۔ نیک، فرماں بردار، اطاعت گزار، شوہر کے دکھ سکھ کی شریک، ہر اعتبار سے ہم خیال۔ وہ کسی بات میں محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے اختلاف ہی نہ کرتیں۔ ان کی فطرت میں محبت اور وفا سمائی ہوئی تھی۔ حضرت خدیجہؓ نے بھی محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو توقع سے بہت زیادہ ہم درد اور غم گسار پایا۔ وہ جتنا نیک شادی سے پہلے سمجھتی تھیں۔ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم اس سے بڑھ کر نیک اور پرہیز گار نکلے۔ ان کی خلوت ہی نہیں جلوت بھی نیکی، حیا اور عفت سے معمور تھی۔

حضرت خدیجہؓ کی رفاقت سے محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو بھی سکون حاصل ہوا۔ دونوں ایک دوسرے کے ہمدرد، غم گسار اور سچ مچ شریک حیات..... سکون و اطمینان اور میل جول کی زندگی..... ازواج، مناکحت اور شادی کا لطف ہی میل ملاپ، ایک دوسرے کی ہمدردی اور فکر خیال کی یک رنگی میں ہے۔ یہ نہ ہو تو جنت بھی جہنم بن کر رہ جاتی ہے۔ شوہر کی اطاعت تدبیر منزل کی بنیاد ہے اور بیوی کی ہمدردی معاشرت کی جان ہے۔ جہاں یہ توازن باقی نہ رہے وہاں گھریلو زندگی کا نظرتہ وہ بالا ہو جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ کی زندگی اس توازن کا بہترین نمونہ تھی۔

وحی کا نزول

جس مہتم بالشان مقصد کی تبلیغ اور تکمیل کے لیے محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم دنیا میں بھیجے گئے تھے۔ اس کے ظہور اور اعلان کا زمانہ قریب آتا جارہا تھا! انسانیت کی تاریخ کا آخری اور سب سے زیادہ روشن ورق اُلٹنے کے لیے قدرت کے ہاتھ جنبش میں آنے والے تھے۔ اندھیرا آپ ہی آپ کپکپاتا اور سمٹتا جارہا تھا۔ جیسے اجالے کے لیے جگہ خالی کرنی ہے۔ برائیاں، پسینہ پسینہ ہوئی جارہی تھیں کہ نیکیوں کا دور شروع ہونے والا ہے۔ گمراہی کی جان لبوں پر آگئی تھی کہ ہدایت کا ستارہ انقلاب کے جھروکے سے جھانک رہا

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ہے۔کائنات کا ایک ایک ذرہ تبدیلی محسوس کر رہا تھا اور:

جب اپنی پوری جوانی پہ آچکی دنیا
جہاں کے واسطے اک آخری نظام آیا

کا پیام فضا میں گونج رہا تھا

محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم پر غور وفکر اور استغراق کی کیفیت طاری رہنے لگی۔مکہ سے تھوڑی دور پر حرا نام کا ایک غار تھا۔آپ ستو اور پانی لے کر وہاں چلے جاتے اور کئی کئی دن تک ریاضت وعبادت اور غور وفکر میں ڈوبے رہتے۔نفس کا یہ مجاہدہ اور استغراق کی یہ کیفیت کسی ''غیبی نمود'' کی منتظر تھی۔دل ونگاہ کو نہایت بے چینی کا انتظار تھا۔طبعیت بہت بے قرار سی رہتی۔قلب مبارک کی بے چینی دن رات بڑھتی جارہی تھی۔کھانا پانی نبٹ جاتا پھر بھی بھوکے پیاسے خدا کی یاد غار کی تنہائی میں ہوتی رہتی۔حقیقت منتظر چالیس سال سے جھانک رہی تھی۔مگر پورے طور پر کھل کر سامنے نہ آئی تھی۔

انتظار اور مسلسل انتظار..... یہاں تک کہ غار حرا کے اندھیرے میں یکا یک روشنی نمودار ہوئی۔ناموس اکبر خدا کا پیام لے کر حاضر ہوا اور اس ربانی پیام کے الفاظ پوری ترتیل کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی زبان سے دہرائے گئے۔وحی اولین میں خدا کے نام کے ساتھ انسان کی تخلیق کا ذکر تھا اور وہ اس لیے کہ انسانوں سے خدا کا ٹوٹا ہوا رشتہ جوڑنے کے لیے محمد محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم بن عبداللہ کو نبوت عطاء ہوئی تھی۔اور اسی مقصد عظیم کی تکمیل کے لیے آپ کو دنیا میں بھیجا گیا تھا۔

یہ پیام اگر محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم کی جگہ کسی پہاڑ پر نازل ہوتا تو یقیناً ریزے ریزے ہوجاتا۔یہ اسی ذات کے قلب پروقار کی طاقت تھی جو ذمہ داری کے اس بارگراں کو سہار لیا۔جبریل تھے' خدا کا کلام تھا' تجلیاں تھیں' محمد عربی تھے اور غار حرا تھا۔وحی الٰہی کی کیفیت مہبط وحی کے سوا اور کون بتا سکتا ہے۔یہی وہ مقام ہے جہاں لفظ کام نہیں دیتے۔شرح وبیان کا جس جگہ دم گھٹنے لگتا ہے۔زبان گنگ ہوجاتی ہے اور قلم کانپ جاتا ہے۔

محمد رسول اللہ غار حرا سے مکان تشریف لائے تو پیشانی مبارک سے پسینہ ٹپک رہا تھا۔ہیبت الٰہی سے چہرہ متغیر تھا۔گھر آتے ہی حضرت خدیجہؓ سے فرمایا:

''مجھے چادر اوڑھاؤ' چادر اوڑھاؤ۔''

حضرت خدیجہؓ نے جلدی دوڑ کر چادر اٹھائی اور آپ کو اڑھادی۔آپ نے پورا واقعہ سنایا۔حضرت خدیجہؓ کی فطرت سلیم نے اس واقعہ میں ذرا بھی شک آمیز عجوبیت محسوس نہیں کی۔بلکہ کہا کہ آپ کی ذات بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔خدا آپ کو ضائع نہیں کرے گا' پھر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل کے پاس جو ایک خداشناس بزرگ تھے لے کر گئیں۔ورقہ نے کہا کہ یہی وہ ناموس ہے جو انبیاء بنی اسرائیل پر نازل ہوا کرتا تھا۔محمد رسول اللہ صلی علیہ وسلم! میں تمہیں مبارک باد دیتا ہوں۔

اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیاء ساتھ لایا

اعلان حق، اظہار صداقت اور تبلیغ خیر و ہدایت پر منصب نبوت اور فریضہ رسالت کی بنیاد ہے۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کام پر مامور کیے گئے۔ یہ فرض جس قدر اہم اور برتر و عالی ہے۔ اسی قدر نازک اور دشوار بھی ہے۔ یہاں قدم قدم پر مصیبتوں، رکاوٹوں اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ تاجدار نبوت کی راہ میں کانٹے بھی بچھائے جاتے ہیں۔ سر پر خاک ڈالی جاتی ہے۔ اظہار حق کی پاداش میں اسے گالیاں بھی سننی پڑتی ہیں اور پتھروں کی بارش سے اس کا بدن بھی لہولہان ہو جاتا ہے۔

مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ صبر و استقامت اور عزیمت و توکل کی خاص قابلیت اور طاقت عطا فرمایا ہے۔ کوئی مخالفت اسے اعلان حق سے نہیں روک سکتی۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن کوہ صفا پر تشریف لے گئے اور لوگوں کو آواز دی جیسے کوئی خاص اعلان کرنا اور کسی اہم واقعہ کی خبر دینا چاہتے ہوں۔ جس نے اس پکار کو سنا۔ صفا کی طرف چل پڑا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ بھئی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ آج نہ جانے کیوں صفا کی چوٹی سے لوگوں کو پکار رہے ہیں۔ چلو چل کر دیکھیں آخر معاملہ کیا ہے! اور.....وہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.....صادق امین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، صداقت، متانت اور سنجیدگی میں اپنا جواب نہیں رکھتے، انھوں نے کسی خاص بات کی اطلاع دینے کے لیے بلایا ہوگا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی وقار متانت اور احساس ذمہ داری کے ساتھ صفا کی چوٹی پر کھڑے تھے۔ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد قریش کا مجمع تھا۔ سب کی نظریں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر تھیں کہ نہ جانے کیا کہا جائے گا۔ اس سے پہلے تو اس طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع نہیں کیا۔ یہ تو بالکل نئی بات ہے۔ شاید کسی اہم واقعہ کی اطلاع دینا مقصود ہے۔ تمام مجمع گوش بر آواز تھا۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

> ''دیکھو میں قلۂ کوہ پر کھڑا ہوں، تم اس کے نیچے ہو، میں پہاڑ کے دونوں طرف دیکھ رہا ہوں۔ اگر اچھا! میں یہ کہوں کہ ایک ہتھیار بند لشکر دور سے آتا دکھائی دے رہا ہے جو مکہ پر چڑھائی کرے گا تو تم اس کا یقین کر لو گے؟''

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

مجمع سے آواز آئی۔ سب نے یک زبان ہو کر پکارا:

''یقیناً ہم تمہاری بات مان لیں گے تم جیسے راست باز اور صادق القول کو ہم بھلا جھٹلا سکتے ہیں۔''

اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''یہ تو سمجھانے کے لیے ایک مثال تھی، تم یقین کر لو کہ موت تمہارے سر پر آ رہی ہے اور تمہیں خدا کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ اے قریشو! جس طرح تم دنیا اور اس کی چیزوں کو دیکھ رہے ہو، میں اسی طرح عالمِ آخرت کو دیکھ رہا ہوں۔''

کوہِ صفا پر اعلان حق کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ عام کر دی، گلی کوچوں اور بازاروں میں، سڑکوں اور چوراہوں پر خدا کا پیغام پہنچاتے۔ مکہ ہی کیا سارے عرب ملک کے سامعہ کے لیے یہ پیام بالکل اجنبی اور نامانوس تھا۔ لوگ نیکی اور ہدایت کی باتوں سے بدکتے تھے۔ روایتی عصبیت اور موروثی عقائد قبول حق سے روکتے تھے کہ ہیں! کہیں عبداللہ کے بیٹے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں آ کر اپنے باپ دادا کے دین کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ تمہارے آبا و اجداد بے وقوف نہیں تھے۔ تم سے زیادہ عقل مند اور صاحب فراست تھے۔ انہوں نے سوچ سمجھ کر ہی یہ راستہ اختیار کیا تھا۔ جن خداؤں نے صدیوں سے تمہاری حاجت روائی کی ہے جو تمہارے آڑے وقت کام آئے ہیں ان سے اس طرح منھ موڑ لینا شان مروت اور احسان شناسی کے خلاف ہے۔ بہادر آدمیوں کی ایک زبان ہوتی ہے۔ جسے ایک بار بزرگ اور بڑا کہہ دیا بس ساری عمر اس کی بزرگی کی عزت کرتے رہیں گے۔ ان تصورات اور توہمات نے رسول اللہ کی آواز کو دل تک پہنچ کر واپس کر دیا۔

سب سے پہلے جن نیک بندوں کو ایمان کی توفیق اور اسلام کی سعادت نصیب ہوئی وہ.....؟

(۱) آزاد مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر بن قحافہؓ

(۲) بچوں میں سب سے پہلے علی ابن ابی طالبؓ

(۳) عورتوں میں سب سے پہلے خدیجہ بنت خویلدؓ

(۴) موالی میں سب سے پہلے زید بن حارثہؓ اور

(۵) غلاموں میں سب سے پہلے بلال حبشیؓ

غموں کا سال

ان تمام مخالفتوں اور عداوتوں کے باوجود مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا جو اس دین حق کو قبول کرلیتا۔ وہ اپنی جگہ خود پیکر تبلیغ اور مجسمہ ہدایت بن جاتا۔ مکہ کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں اسلام کی روشنی پھیلتی جارہی تھی۔ اسلام کی ترقی کو دیکھ کر کفار قریش بہت تلملائے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیام تو کسی طرح نہیں رکتا۔ یہ پودا تو مخالفتوں کی آندھیوں میں اور جڑ پکڑتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے اور یہی نہیں اس دین میں نہ جانے کیا لذت ہے کہ جس نے اسے قبول کرلیا بس وہ اسی کا ہولیا۔ مسلمان سرراہ پٹتے ہیں زخم کھاتے ہیں گھر والے انہیں کھانا کپڑا تک نہیں دیتے۔ مگر یہ لوگ ایسے دھن کے پکے ہیں کہ ان تمام سختیوں کے باوجود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا کلمہ پڑھے جاتے ہیں۔

اعیان قریش جمع ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیام کو ناکام بنانے کی تدبیر سوچنے اور اس پر عمل کرنے کے لیے یہ کانفرنس منعقد ہوئی تھی۔ بہت کچھ سوچ بچار اور قیل وقال کے بعد آخر یہ طئے ہوا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورے خاندان کے ساتھ کسی جگہ محصور کر کے سوشل بائیکاٹ کردیا جائے' کھانے پینے کی چیزوں کی جب بندش ہوگی تو بنو ہاشم بھوک پیاس کی تاب نہ لاکر ہماری ہر شرط مان لیں گے' قوم کا دباؤ بہت بری چیز ہے اچھے اچھوں کے ہوش ٹھکانے آجاتے ہیں۔

منصور بن عکرمہ نے تمام قبائل کی طرف سے ایک معاہدہ لکھا:

> ''جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کو بنو ہاشم قتل کے لیے ہمارے حوالے نہ کردیں اس وقت تک بنو ہاشم سے نہ کوئی بیاہ شادی کرے گا نہ ان کے ساتھ خرید وفروخت ہوگی' نہ ان سے کوئی بولے چالے گا اور نہ اس خاندان والوں کے پاس کھانے پینے کی کوئی چیز جانے دے گا۔''

یہ معاہدہ اونٹ کی کھال پر لکھ کر کعبہ کے دروازے پر لٹکا دیا گیا تاکہ تمام مکہ اس سے آگاہ ہوجائے جو شخص اس معاہدے کو پڑھتا وہ دوسرے سے ذکر کرتا اور دوسرا تیسرے سے! اس طرح تمام مکہ میں اس کی شہرت ہوگئی کہ بنو ہاشم سے ملنا جلنا' معاملات کرنا اور انہیں کھانے پینے کی چیزیں دینا بہت بڑا قومی جرم ہے۔ قبیلوں کے تمام سردار اس معاہدے میں شریک ہیں اس لیے ہر قبیلہ والے پر ان شرائط کی پابندی ضروری ہے۔

ابو طالب اپنے خاندان سمیت شعب ابو طالب میں پناہ گزیں ہوگئے۔ یہ ایک طرح کی قید تھی اس گھرانے کے کسی آدمی سے کوئی قریشی بات چیت نہ کرتا۔ گلیوں کے موڑوں پر پہرے بٹھا دیے گئے تھے کہ کوئی شخص ترس کھا کر کھانے پینے کی کوئی چیز بنو ہاشم تک نہ پہنچا آئے۔ شعب ابو طالب سے آنے جانے والوں کی نقل وحرکت پر کڑی نگرانی رکھی جاتی۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ پر کئی کئی وقت کے فاقے گزرنے لگے۔ صحابہ کرام بھوک سے بے تاب ہوکر درختوں کی پتیاں کھا کھا کر بسر کرتے' ایک صحابی کو اتفاق سے گلی میں ایک سوکھا چمڑا مل گیا۔ انہوں نے پانی میں بھگو کر اسے کوٹا اور جب خوب نرم ہوگیا تو اسے حلق سے اتار لیا۔ ہاشمی گھرانے کے پھول سے بچے بھوک کی تاب نہ لاکر روتے تو ان کی آوازیں سن سن کر کفار قریش خوش ہوتے۔ ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دیتا۔

پورے تین سال اسی عالم میں گزر گئے۔ پریشانیوں کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مصیبتوں کی حد ہوگئی۔ مکہ کی بھری بستی میں بنو ہاشم بیگانوں بلکہ اچھوتوں اور قیدیوں کی طرح زندگی گزار رہے تھے..... بیکسی اور کس مپرسی کی زندگی' ایسی زندگی جس کے مقابلے میں آدمی خودکشی کو ترجیح دینے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ قریش نے بنو ہاشم' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دانہ کے لیے ترسا دیا' مگر ان کے ثبات عزم میں فرق نہ آیا۔ بھوک پیاس کی حالت میں بھی وہ اپنے خدا کی حمد وثنا کرتے رہے۔

ابوطالب کا بڑھاپا تھا' غموں نے ان کو اور نڈھال کر دیا' بھتیجے کی حمایت کے سبب ساری قوم مخالف ہوگئی تھی۔ بوڑھی کمزور ہڈیاں تھیں کب تک بارغم اٹھاتیں' ایک بار بیمار پڑ گئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شفیق چچا کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے۔ ابوطالب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

''یا ابن عم! جس خدا نے تجھے رسول بنا کر مبعوث کیا ہے' اس سے میرے اچھے ہوجانے کے لیے دعا کیوں نہیں کرتا؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کی اس خواہش کا اشارہ پا کر خدا کی بارگاہ میں دعا کی۔ دعائے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کے لیے اجابت خود دوڑی ہوئی آئی اور ابوطالب تندرست ہوگئے۔ ان میں توانائی آگئی جیسے ان کے نحیف جسم میں کسی نے نئے سرے سے جان ڈال دی۔ خوش ہوکر بولے:

''بھتیجے! خدا تیری بات مانتا ہے۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''عمی! اگر آپ بھی خدا کی بات مان لیں اور اس کے کہے کو پورا کر دکھائیں تو وہ بھی آپ کا کہا مانے''۔

چند دن اچھے رہ کر ابوطالب پھر بیمار پڑے۔ زندگی کا آفتاب سچ مچ لب بام آگیا۔ بڑھاپے کی اوٹ سے موت جھانکنے لگی' سانس کا ڈورا اتنا کمزور ہوگیا تھا کہ بس ذرا سے جھٹکے کی دیر تھی۔ پھر قصہ پاک تھا۔

ابوطالب کی بیماری نے قدرے طول کھینچا' مکہ کے رسم ورواج کے مطابق دوادارو بھی ہوئی۔ مگر قدرت ان کی زندگی کے منشور پر خاتمہ کی مہر لگا چکی تھی۔ آخر کار بوڑھے ابوطالب نزع کی ہچکیاں لے کر موت کی ابدی نیند سو گئے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیق وغم گسار چچا کی موت کا غم ہونا ہی چاہیئے تھا۔ مگر کفار قریش کے گھروں میں خوشی کے چراغ جل رہے تھے اور جشن مسرت ہو رہا

تھا کہ آج محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا سہارا جاتا رہا۔ ابو طالب کی حمایت جو آج تک ابن عبداللہ کے کام آتی رہی۔ اب موت نے چھین لی، مٹادی، بلکہ فنا کردی۔ اول تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چچا کی موت سے خود ہی سکستہ خاطر ہوگئے ہوں گے اوران میں پہلا سا جوش نہ رہا ہوگا۔ لیکن اب بھی انہوں نے پہلے کی طرح اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ تو ہم ان کا زور توڑ کر رکھ دیں گے۔ یہ ابو طالب کا منھ تھا جو ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کی تھوڑی بہت رعایت کر جاتے تھے۔ اب ان کے ساتھ کسی قسم کی رعایت، درگزر، چشم پوشی، اور مروت روا نہ رکھی جائے گی چچا کی محبت بھتیجے کے لیے ہر جگہ سپر بن جاتی تھی مگر اب خود وہ سپر ہی ٹوٹ گئی۔

یہ ان لوگوں کی بھول، کم نظری اور کوتاہ اندیشی تھی، قدرت ان کی باتوں پر ہنس رہی تھی کہ ارے نادانو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھروسہ ابو طالب پر نہیں خدا پر تھا۔ ابو طالب مر گئے مگر خدا زندہ ہے۔

ابو طالب کی موت کا غم ابھی تازہ ہی تھا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غم گسار شریک حیات حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ چند دن بیمار رہ کر اللہ کو پیاری ہوگئیں۔ آگے پیچھے ایک چھور دو غم خوار اور شفیق عزیزوں کا اٹھ جانا کوئی معمولی حادثہ نہ تھا۔ غموں کے دو پہاڑ تھے جو تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ابن عبداللہ پر ٹوٹ پڑے۔ مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان غموں کو صبر اور شکر کے سہارے برداشت کر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے صبر کی بشارت اور اپنے وعدہ معیت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو تھاما، مگر کسی سانحہ کو محسوس کر کے اس سے متاثر ہونا انسانی فطرت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی دھیرے دھیرے حادثوں کا اثر ہوا اس سال کو آپ ''عام الحزن''، یعنی غم کا سال فرمایا کرتے تھے۔

نجاشی کے دربار میں

کفار قریش کے ظلم وستم کی رفتار اب اور زیادہ تیز ہوگئی۔ وہ اب سچ مچ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے خون کے پیاسے ہوگئے ان سب نے ایکا کرلیا تھا اپنے جھوٹے خداؤں کی قسمیں کھا کھا کر اس بات میں متحد ہوگئے تھے کہ جیسے بن پڑیگا مکہ سے اسلام کے شیداؤں کا نام ونشان مٹا کر دم لیں گے، کانٹے کی نوک سے لے کر نیزے کی انی تک ہر چیز مسلمانوں کے خلاف استعمال کی جائے گی۔ جہاں تک ہمارے دم میں دم ہے یہ نیا دین عرب میں نہیں چل سکتا'

اسلام دشمنی اذیت کوشیون کے ہر ضروری ہتھیار سے لیس ہوکر مخالفت کے میدان میں آ گئی، مشورہ نہیں بلکہ عہد و پیماں ہوئے کہ مکہ کی زمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ اور آپ کے ساتھیوں پر تنگ کردی جائے گی۔ کھل کر، چھپ کر، جس طرح ممکن ہوگا مسلمانوں کو ستایا جائے گا۔ ابو طالب اور خدیجۃ کی پے در پے موتوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں کو دل شکستہ کردیا ہے۔ ان کی اس دل شکستگی سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

مرد تو مرد عورتیں تک خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جاں نثاروں کو ستانے کے لیے کمر بستہ ہوگئیں۔ جاہلانہ عصبیت پوری قوت کے ساتھ عود کر آئی تھی۔ قریش صدیوں سے ایک دوسرے کے دشمن تھے قبائلی عداوتیں قرنوں سے چلی آتی تھیں۔ انتقام اور کینے دلوں میں مدت سے پرورش پا رہے تھے۔ مگر اسلام دشمنی کے لیے وہ سب کے سب ایک ہوگئے تھے۔ اس مقصد میں وہ ایک خیال اور ہم مقصد تھے۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں وہ سب یک جان اور متحد تھے' انمیں سے ہر شخص رسول اللہ اور آپ کے صحابہ کے ستانے میں ابوجہل اور ابولہب سے زیادہ شدید اور ظالم بننے کی کوشش کرتا۔

نوجوان چھوکرے اپنے گھر والوں سے فخریہ لہجہ میں کہتے کہ آج فلاں نخلستان میں ہم نے فلاں مسلمان کو خوب جی بھر کر مارا' اس کے بدن کو لہولہان کر دیا' کوئی بیان کرتا کہ بنو ہذیل کی گلی میں ایک مسلمان کو میں نے پہلے تو فحش گالیاں دیں اور پھر اسکی پیشانی پر تاک کر جو پتھر مارا ہے تو ہمارے معبدوں کا یہ دشمن زخم کے اثر سے تلملا کر زمین پر گر پڑا۔ اور میری ٹھوکروں نے اسے اور ہلکان کر دیا۔ کوئی عورت کہتی کہ بنو ہاشم کے گھرانے میں گئی تھی ایک مسلمان عورت گوشت پکا رہی تھی۔ میں نے اسکی ہانڈی میں راکھ جھونک آئی۔ کوئی شخص فخر کرتا کہ میں نے نماز پڑھتے میں خود محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کے سر پر اونٹ کی اوجھڑی ڈال دی۔

اسی پُر آشوب دور میں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا حکم پا کر اپنے چند صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ حبش چلے جاؤ۔ وہاں کا بادشاہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کرے گا۔ اور اس خطہ میں تمہیں امن مل سکے گا۔ صحابہ کرام کا ایک مختصر قافلہ حبش کی طرف روانہ ہوگیا۔ اللہ کی راہ میں یہ پہلی ہجرت تھی جس کی بدولت عرب سے باہر اسلام کی آواز پہنچ گئی۔

کفار قریش کو جب یہ معلوم ہوا کہ چند مسلمان صحیح سلامت حبش پہنچ گئے تو ان کا ایک وفد بھی حبش روانہ ہوگیا۔ عداوت اور اذیت کوشی کی انتہا ہے کہ وطن چھوڑ دینے کے بعد بھی قریش کے کلیجہ میں ٹھنڈک نہ پڑی وہ چاہتے تھے کہ مکہ کی طرح حبش کی زمین بھی مسلمانوں پر تنگ کر دی جائے۔ اس حق پرست جماعت کو دنیا کے پردے پر کہیں بھی امان نہ ملے' عافیت کے تمام دروازے ان پر بند ہو جائیں۔

کفار قریش بڑے ہی چالاک' فتنہ اور سازشی تھے۔ بادشاہوں کی مطلق العنانی کا دور تھا۔ وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ شاہ حبش کی نگاہ اگر مسلمانوں کی طرف سے پھر گئی تو کوئی طاقت ان کو حبش میں پناہ نہ دے سکے گی اور یہاں سے ان کا نکل جانا پڑے گا۔ مگر بادشاہ کو براہ راست متاثر کرنا بہت دشوار تھا۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ان لوگوں نے زمین ہموار کرنا شروع کی سب سے پہلے بادشاہ کے درباریوں اور مصاحبوں سے جا کر ملے ان کو ہر طرح سے پرچایا اور صحابہ کرام کے خلاف ابھارا کہ یہ لوگ ایک نیا دین لے کر تمہارے ملک میں آئے یں۔ انہوں نے ہمارے نوجوانوں کو بہکا کر غلط راہ پر ڈال دیا ہے۔ دیکھنا! کہیں یہ جادو تمہارے لوگوں پر بھی نہ چل جائے۔ یہ لوگ تو بس توحید کے نشہ میں سرشار ہیں۔ ان کا تو یہی تکیہ کلام اور شب و روز کا وظیفہ ہے ''اللہ ایک ہے'' اگر اپنے دین کی حفاظت اور بقا چاہتے ہو تو ان لوگوں کو جیسے بنے ہمارے حوالے کر دو' ہم ان سے بھگت لیں گے۔

شاہ حبش کے درباریوں نے کہا کہ آپ لوگ نشاط خاطر رکھیں۔ شاہی دربار میں ہم آپ کی پوری پوری ہم نوائی کریں گے۔ کفار قریش کے وفد کو جب مصاحبوں اور درباریوں کی طرف سے تائید کا یقین اور اطمینان ہوگیا تو وہ لوگ شاہ حبش کے دربار میں جا کر فریادی ہوئے کہ جہاں پناہ! (صحابہ کرام) ہمارے قیدی ہیں جو بھاگ کر آپ کے ملک میں چلے آئے ہیں، انہیں ہمارے حوالے فرما دیجیے۔

شاہ حبش پورے جاہ وحشم کے ساتھ تخت پر بیٹھا تھا دربار کا ہے کو تھا، زمین کی جنت تھی۔ زربفت کے پردے، قیمتی قالین، دیدہ زیب ساز وسامان، جھم جھم کرتی ہوئی گراں قدر صلیبیں، سونے چاندی کے گلدان، بادشاہ تو بادشاہ دربان، عصا بردار، شاگرد پیشہ اور غلام تک زریں وردیاں پہنے تھے، قریش کے وفد نے مسلمانوں کے خلاف جو استغاثہ پیش کیا اس کی تائید میں درباریوں کے سروں میں جنبش پیدا ہوئی۔ رعب شاہی کے سبب زبان سے کچھ نہ کہا مگر آنکھوں کی چمک عرض کرنے لگی کہ وفد قریش کا ترجمان اور امیر سچ کہہ رہا ہے، یہ مسلمان واقعی وہی ہیں جو کچھ یہ قریش کہہ رہے ہیں۔

شاہ حبش نے وفد قریش سے چند سوالات کیے پھر مسلمانوں کی طرف مستفسرانہ نگاہوں سے دیکھا کہ تم کیا کہتے ہو ان الزامات کے جواب میں اپنی صفائی پیش کرو صحابہ کرام کی طرف سے حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے نہایت ہی دل نشین انداز میں تقریر کی۔ عرب کی جہالت پر مختصر تبصرہ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر روشنی ڈالی۔ دربار میں ایک سناٹا سا طاری ہوگیا۔ کفار قریش اس غلط فہمی میں مبتلا تھے کے مسلمان ہمارے مقابلہ میں کیا بول سکیں گے۔ ہماری سازشیں بے کار نہ جائیں گی۔ درباری لوگ ہماری پشت پناہی کر رہے ہیں اور مصاحبوں کو ہم نے پہلے سے گانٹھ لیا ہے۔ میدان ہمارے ہاتھ ہی رہے گا۔ مگر حضرت جعفرؓ کی تقریر نے ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیا۔ وہ محسوس کر رہے تھے کہ نجاشی ان کی تقریر کا اثر قبول کر رہا ہے جعفرؓ کی باتوں میں وزن اور جان ہے ان کے بچے تلے فقرے شاہ حبش کے دل میں اترتے جا رہے ہیں۔ کس توجہ اور دل چسپی کے ساتھ بادشاہ ان کی تقریر سن رہا ہے۔ نجاشی کے دل میں گداز پیدا ہوا۔ جیسے کسی غیبی طاقت نے چٹکی میں لے کر اس کے دل کو دبایا۔ جہاں تک کہ سختی نرمی سے بدل گئی۔ قرآن کی تاثیر نے کنجی بن کر اس کے دل کے تالے کو چشم زدن میں کھول دیا۔ قفل کا کھلنا تھا کہ حقیقتیں بے نقاب ہو کر سامنے آ گئیں۔ قرآن کی آیتیں سن کر نجاشی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ درباری لوگ اور خود قریش کا وفد حیران تھا کہ جن آنکھوں میں غم وغصہ کی چنگاریاں نکلنی چاہیے تھیں ان میں آنسو جھلملا رہے ہیں۔ حضرت جعفرؓ جب قرآن سنا چکے تو نجاشی نے تاثر آمیز لہجہ میں کہا:

''یہ کلام اور انجیل ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں''

مصاحبوں، درباریوں اور وفد قریش کے ارکان اس جملہ کو سن کر حیران رہ گئے۔ ان پر اوس سی پڑ گئی۔ کیا سوچ کر آئے تھے کیا ہوگیا؟ قریش مکہ اس انتظار میں تھے کہ ان کا وفد مسلمانوں کو گرفتار کر کے اپنے ساتھ لائے گا۔

مگر ارکان وفد نے حبش سے واپس ہو کر جب حقیقت حال سے ان کو مطلع کیا تو ان کی تمناؤں کے ہوائی قلعے پانی کے بلبلوں

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کی طرح ٹوٹ گئے۔ارکان وفد نے کہا کہ اے بھائیو! ہم نے اپنی کوشش میں کوتاہی نہیں کی۔ بادشاہ حبش کے درباریوں تک کو ہم نے اپنا ہم زبان بنالیا۔مگر اس کو کیا کریں گے کہ جعفرؓ کی تقریر اور پھر قرآن کی آیتوں نے نجاشی کو اتنا متاثر کیا کہ وہ بھرے دربار میں رونے لگا۔ بھائیو! یہ لوگ تو جادوگر معلوم ہوتے ہیں۔ دنیا جہاں میں جہاں بھی یہ پہنچیں گے لوگ ان کا اثر قبول کیے بغیر نہیں رہ سکتے۔ان کے زور کو اگر پوری قوت کے ساتھ کچلا نہ گیا تو عرب ہی نہیں ساری دنیا ان کے دام میں گرفتار ہو جائے گی۔

مدینہ میں حق کا ظہور

بعثت نبوی ﷺ کا گیارھواں سال ہے۔حج کا موسم ہے۔عرب کے گوشہ گوشہ سے لوگ مکہ چلے آرہے ہیں۔مکہ کی بستی میں غیر معمولی چہل پہل ہے۔حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام باہر سے آنے والوں تک خدا کا پیام پہنچانے کے لیے ہر ممکن سعی فرما رہے ہیں۔کفار قریش کی مخالفتوں، مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے باوجود آپ اپنے فرض کی ادائیگی میں منہمک ہیں۔

شہر مکہ سے چند کوس کی دوری پر عقبہ نام کا ایک مقام ہے جہاں رات کے اندھیرے میں یثرب سے آئے ہوئے لوگ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے۔ یثرب والوں نے اب تک کسی آدمی کا اتنا روشن اور دل کش چہرہ نہ دیکھا تھا۔اندھیرے میں ایسا دکھائی دیا جیسے بدر کامل بادل کا اوٹ سے نکل آیا۔وہ لوگ سمجھے کہ قریش کو کوئی سردار کسی اپنی ضرورت سے یا ہم سے کوئی ضروری بات کہنے کے لیے آیا ہے۔مگر ان کے ضمیر آپ ہی آپ بول رہے تھے کہ اس مقدس و منور انسان کا رات کی تنہائی میں یہاں آنا کسی اہم واقعہ کا پیش خیمہ ہے۔یقیناً کوئی نئی بات ظہور میں آنے والی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان چھ آدمیوں کے سامنے پہلے اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کی اور خدا کی جلالت و عظمت سے ان لوگوں کے دلوں کو خوب گرما دیا۔درس توحید کے بعد شرک کی تردید بہر حال ضروری اور نفسیات انسانی کے عین مطابق تھی اس کے بعد حضور نے نیکوکاری اور زہد کی تلقین کی اور فسق و فجور اور برے کاموں سے منع فرمایا۔ یثرب والے نہایت خاموشی کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو سنتے رہے۔ان کے دل ایک ایک لفظ کو قبول کرتے اور اثر لیتے گئے تلاش حق کے لیے شاید پہلے ہی سے مضطرب تھے اور دل و دماغ میں حق بات ماننے کی پوری پوری صلاحیت موجود تھی۔بس یوں سمجھیے کہ زمین تیار تھی بس اس میں بیج ڈالنے کی دیر تھی۔

رات کی خموشی، اندھیرا، مکہ کی پہاڑیوں کا دامن، اجنبی لوگوں سے ملاقات، اسی عالم میں درس ہدایت کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی آیتیں ان لوگوں کو سنائیں۔ساری فضاء جھوم جھوم گئی، شجر و حجر پر وجد طاری ہو گیا اور یہ تو پھر انسان تھے۔ان کے دلوں پر جو کچھ بھی عالم گزرا ہو تھوڑا تھا۔کلام الٰہی نے ان لوگوں کے دلوں میں یقین ایمان کے فانوس روشن کر دیئے، بھٹکے

ہوؤں کو کسی سان وگمان اور کوشش کے بغیر راہ استقامت مل گئی۔

یثرب کے یہ چھ لوگ اپنی قوم کے ساتھ بت پرستی کرتے تھے۔مگر انہوں نے یثرب کے ہمسایہ یہودیوں کی زبان سے بار بار سنا تھا کہ بہت ہی قریب زمانہ میں ایک نبی ظاہر ہونے والا ہے۔حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس چہرے کو دیکھ کر اور آپ کی گفتگو سن کر ان لوگوں کو یقین ہو گیا کہ جس نبی کی بعثت کے لیے ہزار ہا سال سے پیشن گوئیاں ہوتی چلی آتی ہیں۔وہ یہی ہے اس خیال نے یقین کی صورت اختیار کر لی۔اور وہ سب کے سب ایمان لے آئے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چند لمحوں کی تربیت نے ان میں اسلام کی روح' توحید کی لذت ایمان کا ذوق اور نیکو کاری کا احساس پیدا کر دیا' اب جو مکہ سے یہ اپنے وطن کو لوٹ کر گئے تو ان میں سے ہر شخص اللہ کے دین کا مبلغ خدا کے پیام کا منادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کا ناشر تھا۔

یثرب سے بہت سے لوگ حج کرنے کے لیے مکہ آئے تھے اور ہر طرف سے آئے دن یثرب میں مسافر آتے جاتے رہتے تھے۔مگر ان چھ مسلمانوں کے چہروں کو دیکھ کر لوگ کہنے لگے کہ یہ تو مکہ سے بہت کچھ بدل کر آئے ہیں ان کی ایک ایک ادا' بول چال' رفتار گفتار' نشست و برخاست تک میں ایک خاص تبدیلی پائی جاتی ہے۔زندگیوں کا اس قدر جلد بدل جانا بہت حیرت انگیز ہے۔

ان سعادت مند افراد نے یثرب پہنچ کر ہر ملنے جلنے والے' اپنے پرائے' عالم جاہل' دیہاتی اور شہری سے کہا کہ بھائیو اور دوستو! وہ نبی جس کا تمام دنیا کو انتظار تھا اور جس کی آمد کی خبر ہم سدا سے سنتے آئے ہیں اس کا ظہور ہو چکا' ہم اس مقدس نبی کے دیدار سے مشرف ہو کر آئے ہیں۔اس کا کلام اپنے کانوں سے سنا ہے۔اس نبی نے زندہ رہنے والے خدا تک ہمیں پہنچا دیا ہے۔اب ہماری نگاہوں میں دنیا کی زندگی اور موت کی کوئی قدر نہیں رہی۔

اسلام کے ان پر جوش مبلغین کا یہ اثر ہوا کہ یثرب کے ایک ایک گھر میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہونے لگا۔ان چھ مسلمانوں کی بدلی ہوئی زندگیوں کو دیکھ کر یثرب کے باشندے کہتے کہ ائے بھائیو! یہ لوگ اسلام لانے کے بعد کچھ سے کچھ ہو گئے ہیں' برائیوں کے پاس تک نہیں پھٹکتے' ہر دم بھلائی اور پاک بازی کا انہیں خیال رہتا ہے جس دین اور جس پیغمبر کی تعلیمات نے سیرت و کردار کو بدل دیا' اس میں یقیناً صداقت پائی جانی چاہیئے۔شوق و ذوق کی دبی ہوئی چنگاریاں بہت سوں کے دلوں کو گرمانے لگیں' توحید و نیکو کاری کی باتیں سن سن کر سعید روحیں لطف لینے لگیں۔

ایک سال بعد یعنی ۱۲ بعثت نبوی میں یثرب کے بارہ باشندے مکہ آئے۔یہ لوگ گھروں سے یہ ارادہ کر کے چلے تھے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ کی تعلیمات اور اصول دین اپنے کانوں سے سنیں گے' آپ کی نقل و حرکت' رفتار و گفتار اور آپ کے ساتھیوں کے حالات سے اندازہ کریں گے کہ آیا یہ ذات واقعی پیروی کیے جانے کے قابل ہے؟ اس کی غلامی اور اطاعت کا پٹہ ہمیں اپنی گردنوں میں ڈال لینا چاہیئے۔حق کی تلاش' صداقت کی جستجو' ایمان و ہدایت کا سراج انہیں مکہ کشاں کشاں لے کر آیا' مذہب اور عقیدے کا معاملہ تھا وہ خوب ٹھونک بجا کر اور دیکھ بھال کر فیصلہ کرنا چاہتے تھے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یثرب کے یہ بارہ نقیب حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کا پیام ان تک پہنچادیا۔ نیکی اور پرہیزگاری کی تعلیم دی۔ قرآن کی آیتیں ان کے حق میں بھی انقلاب کا سبب اور ہدایت کا ذریعہ بن گئیں۔ صحابہ کرام کی مقدس اور بے داغ زندگیوں کو دیکھ کر اور یقین ہوگیا کہ یہ دین ایک ہی تاؤ میں کھوٹے کو کھرا اور پیتل کو کندن بنادیتا ہے۔ سب نے یک زبان ہوکر اللہ کی ربوبیت اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی شہادت دی۔ اسلام لاتے ہی ان کی بھی کایا پلٹ ہوگئی۔ وہ اس تبدیلی کو خود محسوس کررہے تھے۔ دلوں پر کفر وضلالت کے پڑے ہوئے پردے یکبارگی اٹھ گئے۔ ہر شخص ایک دوسرے کو مبارکباد دیتا۔ فرط مسرت نے ان کے چہروں کو ارغوانی بنادیا تھا وہ اپنی قسمتوں پر ناز کررہے تھے۔

چھ وہ لوگ جن کو عقبۂ اولیٰ میں اسلام کی سعادت نصیب ہوئی اور بارہ یہ نئے نئے مسلمان۔ اس طرح اب اٹھارہ آدمی یثرب میں مسلمان تھے اور حضرت مصعبؓ نے اس تعداد میں ایک کا اور اضافہ کردیا۔ یثرب میں چرچے ہونے لگے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ساتھی کو ہمارے شہر میں تبلیغ کے لیے بھیجا ہے چلو ان سے چل کر ملیں۔ ان کے ذریعہ اسلام کے بارے میں ٹھیک ٹھیک معلومات حاصل ہوسکے گی' لوگ مصعبؓ سے آکر ملتے اور اسلام کے متعلق سوالات کرتے' حضرت مصعبؓ خود بھی گلیوں' بازاروں اور گھروں میں جاکر اسلام کی تبلیغ فرماتے۔ مکہ کی طرح مدینہ شور اور بنجر نہ تھا۔ یہاں کی زمین میں ہدایت قبول کرنے کی استعداد موجود تھی۔ حضرت معصبؓ کی تعلیم وتربیت نے بہت سے دلوں کو نور ایمان سے جگمگادیا اور اس کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا جو شخص مسلمان ہوتا وہ خود اپنی جگہ اسلام کا مبلغ بن جاتا۔ ایک چراغ سے دوسرا چراغ روشن ہوجاتا اور ایک دل کا دوسرے دل پر اثر پڑتا۔ جو لوگ ایمان کی حلاوت اور اسلام کی لذت سے آشنا ہوتے وہ پچھتاتے کہ ہائیں ہم اب تک بڑی بے خبری اور اندھیرے میں رہے۔ یہ زندگی لہو ولعب اور خرافات میں گزری' کام کی زندگی کا تو اب آغاز ہوا ہے کاش! اب سے بہت پہلے اس نعمت سے بہرہ اندوز ہونے کی سعادت حاصل ہوجاتی۔

مدینہ میں حضرت مصعبؓ پہنچتے تو اسعد بن زرارہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیامی کی میزبانی کا شرف حاصل کیا' اسعد خود بھی تبلیغ حق میں بہت پیش پیش تھے۔ اسعد کے گھر میں مسلمانوں کا جماؤ ہوتا اور حق کی اشاعت کے لیے مناسب تجویزوں پر سوچ بچار کیا جاتا۔ ان تمام لوگوں کو یہی دھن تھی کہ مدینہ کے کسی ایک گھر میں بھی کفر وشرک کا نام ونشان باقی نہ رہے گمراہی اور ضلالت کے بادل چھٹ کر' ہدایت کا سپیدہ نمودار ہوجائے۔ ان مقدس روحوں نے اس کام کے لیے اپنی زندگیاں وقف کردی تھیں' اٹھتے' بیٹھتے' کھاتے پیتے اور جلوت وخلوت میں بس یہی دھیان رہتا کہ اسلام کی اشاعت ہو اور جہالت کا دور ختم ہوجائے۔ ایسی والہانہ سرگرمیاں اور خلوص آمیز کوششیں بھلا کس طرح رائیگاں جاسکتی تھیں۔ اسلام تیزی کے ساتھ یثرب میں پھیلنے لگا۔

سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر ان دونوں قبیلوں کے سردار تھے۔ یہ ابھی تک اسلام کے دائرے میں نہ آئے تھے ان دونوں تک یہ خبر کسی نے پہنچادی کہ مسلمان تمہارے قبیلوں میں اسلام پھیلانے کے لیے مشورے کررہے ہیں۔ اور مشورے کے بعد جب کسی فیصلہ

پر وہ پہنچ جائیں گے تو کسی تاخیر اور تامل کے بغیر اس پر عمل شروع کر دیں گے' یہ مسلمان اپنے ارادوں میں بڑے مضبوط ہیں' کوئی مزاحمت اور مخالفت ان کے جوش کو تھام نہیں سکتی۔ ان کی باتوں میں نہ جانے کیا اثر ہے کہ جس کو پیام پہنچاتے ہیں پھر ان کے رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اپنے قبیلوں کو کسی طرح ان سے دور رکھو' ورنہ یہ لوگ ان میں پہنچ گئے تو پھر ان کی تعلیمات کے اثر کا توڑ دشوار ہو جائیگا۔ فتنہ (معاذ اللہ) کو سر اٹھانے سے پہلے دبا دینا عقل مندوں کا شیوہ ہے' ایسے موقعوں پر ذرا سی بھی ڈھیل دینے سے کام بگڑ جاتا ہے۔

اس خبر کو پا کر سعد بن معاذؓ غصہ میں آ گئے' انہوں نے اسید سے کہا کہ اسید! تم کس غفلت اور بے خبری میں پڑے ہوئے ہو' یہ اسعدؓ اور مصعبؓ دونوں مل جل کر خود ہمارے گھرانوں کے ناسمجھ لوگوں کو بہکانے لگے ہیں اور یہ فتنہ ہمارے لوگوں کے دروازوں تک پہنچ گیا ہے' تم جاؤ اور ان سے جا کر سختی کے ساتھ کہو کہ ہمارے محلوں میں اب دوبارہ قدم رکھا تو اچھا نہ ہوگا۔ اسید! میں خود یہ باتیں جا کر ان لوگوں سے کرتا۔ مگر اسعدؓ میری خالہ کا بیٹا ہے اس لیے تمہیں بھیج رہا ہوں۔

اسید بن حضیر بھی غصہ کے مارے بیتاب ہو گیا کہ یہ مسلمان اپنے دام کو خود ہمارے گھروں میں پھیلا رہے ہیں۔ سعد بن معاذؓ کی تقریر نے اسے اور گرما دیا۔ اسید نے اپنے ہتھیار ساتھ لیے اور ہر مخالفت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو کر روانہ ہوا۔ خاندانی عصبیت اور جاہلانہ حمیت پورے جوش پر تھی۔ اسید اس عزم کے ساتھ روانہ ہوا تھا کہ مسلمانوں نے کوئی سخت سست بات کہی تو نیزے اور تلوار سے اس کا جواب دوں گا۔ پہل میری طرف سے ہوگی۔ پھر سارا قبیلہ میری حمایت میں اُٹھ کھڑا ہوگا' اور اس طرح مسلمانوں کے خلاف جنگ چھڑ جائے گی' مسلمانوں کی تعداد بھی بہت تھوڑی ہے۔ ہمارے قبیلہ کی دیکھا دیکھی دوسرے قبیلے بھی اسلام کے خلاف میدان میں آ جائیں گے اور پھر اس نئے دین کا یثرب میں قدم جمنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔

اسید کو مسلح آتا دیکھ کر اسعد بن زرارہ نے مصعب بن عمیر سے کہا کہ دیکھیے! اس قبیلے کا سردار آ رہا ہے' اللہ کرے وہ آپ کی بات مان لے اور ہدایت کا پیام قبول کر لے۔ مصعب نے جواب دیا کہ اگر یہ شخص بیٹھ گیا تو میں اس سے یقیناً گفتگو کروں گا۔ ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ اسید لمبی لمبی ڈگیں بھرتا ہوا وہاں جا پہنچا۔ اس نے کھڑے کھڑے مسلمانوں کو خوب گالیاں سنائیں کہ تم ہمارے قبیلے کے احمقوں' نادانوں اور ناسمجھ لوگوں کو بہکاتے ہو' دیکھو! میں تمہیں متنبہ کرتا ہوں کہ ان حرکتوں سے باز آ جاؤ۔ ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا..... مصعب اطمینان کے ساتھ اسید کی دشنام طرازیوں کو سنتے رہے۔ انکو اس بات کا انتظار تھا کہ یہ اپنی باتیں ختم کر لیں تو میں کچھ کہوں۔ ایسے غضبناک آدمی کی باتوں کے بیچ میں بول پڑنا بھی ٹھیک نہیں۔ ٹوکنے سے اس کے عتاب کا پارہ اور چڑھ جائے گا۔ غیظ و غضب کی حالت میں نیکی کی بات اور الٹا اثر کرتی ہے۔

اسید گالی گلوچ دے کر جب دل کی بھڑاس نکال چکا تو حضرت مصعب نے انتہائی متانت اور نرمی کے ساتھ فرمایا کہ کاش! آپ بیٹھ کر ہماری بات سن لیں اگر آپ کو ہماری باتیں پسند آئیں تو قبول فرما لیں اور ناپسند ہوں تو ان پر توجہ نہ کریں' اسید پر حضرت مصعب کے اس شیریں لہجہ کا بہت اثر ہوا کہ جس شخص کو گالیاں دے رہا تھا اس نے ایک دشنام کا بھی مجھے جواب نہیں دیا۔ اس کے ماتھے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

پرشکن تک نہیں آئی۔ اس کے لہجہ میں کتنی نرمی اور شیرینی ہے۔ لاؤ اس کے باتیں سن لوں' بات سننے میں کیا مضائقہ ہے' ہر آدمی دن رات میں بیسوں آدمیوں کی زبانی گفتگو سنتا رہتا ہے' دیکھوں تو سہی کہ یہ مصعب آخر کیا کہتا ہے۔

اسید اپنے ہتھیاروں سمیت زمین پر بیٹھ گیا۔ اس کے کان مصعب کی باتوں کے انتظار میں تھے۔ یہ اضطراب اور انتظار خود حصول سعادت وفلاح کی طرف نظر نہ آنے والی انگلی سے اشارہ کر رہا تھا۔ حضرت مصعب نے انتہائی دل نشین انداز میں اُسید کو بتایا کہ اسلام کیا ہے؟ اسید بڑے غور وتوجہ کے ساتھ ایک ایک لفظ سنتا رہا۔ اسلام کی ایک بات سن کر بھی اسے وحشت نہیں ہوئی حالاں کہ نئی باتوں سے ابتداء میں طبیعت مانوس نہیں ہوتی مگر اسید کے لیے سعادت مقدر ہو چکی تھی۔

اسلام کی حقیقت جب مصعبؓ بیان کر چکے تو اس اثر کو اور پائیدار بنانے کے لیے قرآن کی آیتیں پڑھ کر سنائیں' اسید نے خاموشی کے ساتھ قرآن سنا اور بدلے ہوئے انداز میں بولے:

''یہ تو فرمایئے کہ جب کوئی آپ کے دین میں آنا چاہتا ہے تو آپ کیا کرتے ہیں؟''

حضرت مصعبؓ نے جواب دیا:

''ہم ایسے آدمی کو نہلا کر' پاک کپڑے پہناتے ہیں اور پھر کلمہ شہادت پڑھا دیتے ہیں۔'' اُسید ہتھیاروں کو زمین پر پھینک کر تیزی کے ساتھ اُٹھا' کپڑے دھونے اور نہانے لگا۔ مصعبؓ، اسعدؓ اور دوسرے مسلمان اسید کی اس تیاری کو دیکھ کر خوش ہو رہے تھے کہ جس زبان پر ابھی ابھی گالیاں جاری تھیں' اب اس سے اللہ کی بڑائی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت ادا ہوگی۔

اُسید نہا دھو کر اور صاف کپڑے بدل کر مصعبؓ کے سامنے آیا۔ اور نہایت ذوق شوق کے ساتھ کلمۂ شہادت پڑھا۔ اسید جو تبلیغ اسلام کو روکنے کے لیے یہاں آیا تھا اب خود مسلمان بن کر روانہ ہوا۔ سعد بن معاذؓ بڑی بے چینی کے ساتھ اُسید کا انتظار کر رہے تھے کہ نہ جانے مسلمانوں کی طرف سے کیا جواب ملتا ہے اور واقعہ کیا صورت اختیار کرتا ہے اُسید کی واپسی کی تاخیر ہو جانے سے اور فکر بڑھ گئی طرح طرح کے اندیشے دل میں پیدا ہوتے تھے یہ بھی خیال آتا تھا کہ بات چیت بڑھتے بڑھتے کہیں ہاتھا پائی اور جنگ وجدال کی نوبت نہ آ گئی ہو۔ اسید تنہا گیا ہے وہ اتنے بہت سے لوگ ہیں۔ کیا عجب ہے کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش آ گیا ہو۔

سعد بن معاذؓ کے دور ہی سے حضرت اسید کو دیکھ کر کہا یہ وہ چہرہ نہیں ہے جو یہاں سے جاتے وقت تھا۔ اسید سر سے پیر تک بدل گئے تھے۔ دل کی پاکیزگی اور ضمیر کی صفائی چہرے سے نمایاں تھی' ان کے تیور بتا رہے تھے کہ اسید وہ نہیں رہے جواب سے چند ساعتیں پہلے تھے۔ ایمان کا نور آنکھوں سے چمک رہا تھا اور یقین کے کنول جبین ورخسار میں کھل رہے تھے حضرت اسید کے ہاتھ پاؤں' آنکھیں' ٹھوڑی' ماتھا غرض سارا جسم وہی تھا مگر دل بدل گیا تھا اور دل کے بدلتے ہی زندگی اور سے اور ہوگئی۔ زندگی میں تمام کارفرمائی دل ہی کی ہے اس کے سانچے میں زندگی ڈھلتی اور صورت پکڑتی ہے۔

حضرت مصعبؓ نے پھر سعد بن معاذؓ پر اسلام پیش کیا' سعد نے کچھ سوالات کیے۔ تھوڑی دیر بحث ومباحثہ اور سوال جواب

ہوتے رہے۔مصعبؓ نے ہر سوال کا تشفی آمیز جواب دیا۔اسلام کی حقیقت خوب کھول کر بیان کی۔وہ چاہتے تھے کہ سائل کے ذہن میں اسلام کی حقیقت پوری طرح اتر جائے۔کسی قسم کا شک وشبہ باقی نہ رہے‘صرف اجمال سے کام نہ چلے گا‘ سعد تفصیل چاہتے تھے۔ حضرت مصعبؓ کے جوابات نے سعد بن معاذ کو مطمئن کر دیا‘ حقیقت کھل گئی۔حق واضح ہوگیا۔صداقت سامنے آ گئی‘انہیں یقین ہوگیا کہ فلاح ونجات کی صراطِ مستقیم اسلام اور صرف اسلام ہے۔اب تک خود میں اور میرا قبیلہ گمراہی کی بھول بھلیوں میں ٹکریں مارتا رہا‘ ضلالت ونادانی کی زندگی کو اب بدل دینا چاہیے۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے بغیر خدا تک پہنچنا ناممکن ہے کہ یہی ذات حق وصداقت کا مرکز ہے۔

سعد بن معاذؓ خوشی خوشی اُٹھے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوگئے۔اسلام لانے کے بعد وہ اپنے قبیلہ میں پھر پہنچے اور نہایت جوش اور گرمی کے ساتھ تبلیغ کی‘ قبیلہ کے لوگ سعد کا احترام کرتے تھے۔ان کی دانائی اور فراست بھی مسلم تھی‘ سعد کے اثر سے بنی عبدالاشہل کے تمام لوگ ایک دن میں مسلمان ہوگئے۔

حضرت سعد بن معاذ کے اسلام لانے سے یثرب میں مسلمانوں کو بہت تقویت ہوئی۔اور تبلیغ وتذکیر کا کام زیادہ قوت کے ساتھ ہونے لگا۔مدینہ کو لوگ نہ جانے کب سے ہدایت کے انتظار میں تیار بیٹھے تھے۔حق کی آواز کان میں پہنچی اور خدا کی بندگی اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کر کے اسلام کے جاں نثار فدائی بن گئے۔ان کے مزاج‘ جبلت اور افتادِ طبع کو اسلامی تعلیمات سے خاص مناسبت تھی‘ ذرا سی رگڑ میں دلوں کی زنگ چھٹ جاتی۔مکہ والوں کی طرح ہٹ دھرم طبیعتیں انہوں نے نہ پائی تھیں۔وہ حق شناس تھے۔سچائی کھل کر سامنے آتی تو اس کو ماننے میں تامل نہ کرتے۔سعادت مند روحوں کا یہی شیوہ رہا ہے کہ قبول حق میں حیلہ سازیوں سے کام نہیں لیتیں۔

اس کے بعد پھر دوبارہ یثرب کے لوگ حج کے لیے مکہ آئے اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اسلام کی تبلیغ کی‘ قرآن سنایا‘ نیکی کی دعوت دی۔گناہوں کی مذمت فرمائی۔اب یہ لوگ جو مکہ سے یثرب واپس لوٹے تو سارے شہر میں اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا۔مرد تو مرد عورتیں تک اللہ کا پیام ایک دوسرے کو پہنچاتیں۔بازاروں‘ بیٹھکوں‘ چراگاہوں اور شبستانوں میں اسلام ہی کے تذکرے ہوتے‘ یہاں تک کہ یثرب میں نہایت زور وشور کے ساتھ اسلام پھیلتا چلا گیا۔قبیلہ کے قبیلہ اور خاندان کے خاندان اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے چلے گئے اور تبلیغ حق کے لیئے ایک ایک یثربی مسلمان مصعبؓ بن عمیر بن گیا۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

ہجرت مکہ سے غارِ ثور تک

ان تمام مخالفتوں کے باوجود اسلام کا دھارا نہ تھما تو کفار قریش کے سرداروں نے دارالندوہ میں جمع ہوکر مجلس شوریٰ منعقد کی۔
دارالندوہ قریش کا پارلیمنٹ تھا۔ جب کوئی ضروری مشورہ کرنا ہوتا تو سرداران قریش یہاں جمع ہوکر گفتگو کرتے۔
شاید قصی کے زمانہ سے لے کر اب تک شیوخ قبائل کا اتنا بڑا اجتماع دارالندوہ میں نہ ہوا تھا۔ اسلام کے مٹانے کے لیے یہ کونسل منعقد ہوئی تھی۔
بہت دیر کی ردوقدح کے بعد یہ بات طئے پائی کہ جس طرح ہوسکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کا کام تمام کردینا چاہیے۔ وہ ختم ہوگئے تو پھر ان کا دین بھی آپ ہی آپ فنا ہوجائے گا اور ان کے ساتھی بے سردار فوج کی مانند رہ جائیں گے۔
آخر کار ابوجہل کے سر کو جنبش ہوئی، ہونٹ ہلے اور زبان قینچی کی طرح چلنے لگی۔ سب لوگ نہایت توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سننے لگے۔
ایہاالصنادید! محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ جب تک قتل نہ ہوجائیں گے، یہ فتنہ (نعوذ باللہ) ہمارا پیچھا نہ چھوڑے گا۔ مگر ان کے قتل پر ایک ہنگامہ اٹھ کھڑے ہونے کا اندیشہ ہے۔ بنی ہاشم انتقام لینے کے لیے تیار ہوجائیں گے۔ میرے ذہن میں یہ تدبیر آئی ہے کہ مکہ کے ہر مشہور اور معزز قبیلہ سے ایک ایک جواں مرد منتخب کیا جائے۔ یہ سب لوگ رات کے اندھیرے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا محاصرہ کرلیں اور جب وہ صبح کے وقت نماز پڑھنے کے لیے گھر سے باہر نکلے تو سب بہادر ایک ساتھ اس پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں۔ اس طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا خون تمام قبیلوں میں بٹ جائے گا۔ اور پھر اتنے بہت سے انتقام کی بنی ہاشم کی ہمت نہ ہوگی۔
اللہ تعالیٰ نے کافروں کے منصوبوں کی اطلاع وحی کے ذریعے اپنے سچے رسول ، برگزیدہ نبی اور انسانیت کے محسن اعظم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی۔ کافر سمجھتے تھے کہ ہم نے انتہائی رازداری کے ساتھ مشورہ کیا ہے۔ کسی مسلمان کو اس کی خبر ہی نہیں ہوسکتی۔
حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پیارے چچازاد بھائی اور جاں نثار صحابی حضرت علیؓ ابن ابی طالب سے فرمایا:
''تم میرے بستر پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، کسی قسم کی فکر اور اندیشہ نہ کرو، تمہارا بال بیکا بھی کوئی نہ کرسکے گا۔
بڑا شدید امتحان تھا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر آج سونا گویا تلواروں کے سایہ میں سونا تھا۔ یہ موت اور ہلاکت سے دست بدست جنگ تھی۔ مکہ کے مشہور قبیلوں کے نامور بہادروں کی تلواروں کا مقابلہ تھا۔ خطرناک صورت پیش آسکتی تھی۔ ہر لمحہ جان جانے کا ڈر تھا۔ کافر پورے ساز وسامان اور اٹل ارادے کے ساتھ آئے تھے۔ مگر علیؓ ایمان و یقین کا کوہِ گراں تھے، انہوں نے ذرہ برابر بھی پس

وپیش نہ کیا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے بعد غور وفکر کرنا' عقل لڑانا اور عواقب کو سوچنا ایمان کی توہین تھی۔خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشار کے سامنے سر جھکانا ہی اسلام اور ایمان ہے۔

حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نہایت اطمینان اور بے فکری کے ساتھ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوتے رہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکان سے برآمد ہوئے ہیں تو کفار قریش ننگی تلواریں لیے گھات میں بیٹھے تھے۔ان کی پلک بھی آج نہ جھپکی تھی۔وہ اس انتظار میں تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دروازے سے باہر بس قدم رکھا اور ہماری تلواریں ان پر برس پڑیں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم آج نہیں بچ سکتے۔یہ انکی زندگی کی آخری رات ہے۔

کفار قریش ان خام خیالیوں کے مدوجزر میں انتظار کی ساعتیں گزار رہے تھے کہ _____ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں گھر سے نکلے۔اللہ تعالیٰ نے کفار کی جاگتی ہوئی آنکھوں پر غفلت کے پردے ڈال دیے تھے' کافروں کو حضرت سرور کائنات کا جانا محسوس ہی نہیں ہوا۔خدا جس کو بچانا چاہیئے دنیا کی تمام طاقتیں بھی مل جل کر اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتیں۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول اللہ محاصرہ کرنے والوں کی موجودگی میں مکان سے نکل کر باہر تشریف لے گئے اور کسی کافر کو آپ کی پرچھائیں بھی دکھائی نہ دی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولت کدے سے چل کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر پہنچے اور اپنے ارادے اور حالات کی نوعیت سے مطلع فرمایا۔ابوبکر صدیقؓ نے کسی پس وپیش' ادنیٰ تامل اور ذرا سی ہچکچاہٹ کے بغیر رفاقت کی ہامی بھر لی۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جلدی جلدی سفر کے لیے ضروری سامان جو اس نازک گھڑی میں میسر آ سکتا تھا درست کیا۔ستوؤں کی تھیلی کا منھ باندھنے کے لیے عجلت اور اضطراب میں کوئی چیز نہ ملی تو ابوبکر صدیقؓ کی سعادت مند بیٹی اسماء نے اپنا کمر بند کاٹ کر اس کے ٹکڑے سے یہ کام لیا اور اس نیکی کی بدولت تاریخ اسلام میں ''ذات النطاقین'' کے لقب کے ساتھ ابدی شہرت کی مالک ہوگئیں۔ ستو' کھجور' پانی کی چھاگل اور ضرورت کی دوچار چیزیں لے کر رات کی تنہائی میں حضرت سید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ روانہ ہوئے۔مکہ کی گلیوں میں خاموشی طاری تھی۔لوگ اپنے گھروں میں چین کی نیند سو رہے تھے۔

بھیانک اور اندھیری رات] سنگلاخ راستہ' کہیں کہیں خطرناک موڑ اور نشیب وفراز بھی! پتھروں کی دھاریں اور سنگ ریزوں کی نوکیں پائے مبارک میں چبھنے لگے۔خون نکل آیا۔کسی موڑ اور اونچے نیچے مقام پر ٹھوکر لگتی تو زخمی پیروں کی تکلیف اور بڑھ جاتی۔یہ حالت دیکھ کر صدیق اکبرؓ سے رہا نہ گیا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے کاندھے پر چڑھا لیا۔پتھروں کی تیز نوکیں صدیق اکبرؓ کے پیروں کو لہولہان کر رہی تھیں۔مگر ابوبکرؓ اس خیال سے کہ سرور دوعالم کو تکلیف نہ ہو۔چوٹ کھا کر بھی ہلتے جلتے نہ تھے۔وہ پتھروں کی نوکوں پر اس انداز سے چل رہے تھے جیسے کوئی پھولوں کی سیج پر چل رہا ہو۔پانچ میل کی مسافت کے بعد غارِ ثور آ گیا۔حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھوڑی دیر باہر قیام فرمائیں میں غار میں جا کر ابھی واپس

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

آتا ہوں۔

صدیق اکبرؓ نے جلدی جلدی غار کو جھاڑ کر صاف کیا' تا کہ زمین بیٹھنے کے قابل ہو جائے۔ پھر بدن کے کپڑے پھاڑ پھاڑ کر غار کے روزنوں کو بند کیا کہ کوئی موذی جانور رسول اللہ کو ستانے نہ پائے۔ غار میں ہر قدم پر سانپ بچھو اور اسی قسم کے دوسرے جانوروں کا خطرہ تھا۔ مگر صدیقؓ اپنے آقا و مولا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں سرشار تھے اور اس سے سرشاری میں انہیں اپنی جان کی فکر اور تن بدن کا ہوش نہ تھا۔ جب ہر طرح سے اطمینان ہو گیا تو ابوبکرؓ غار سے باہر آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اندر چلنے کے لیے عرض کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غار کے اندر تشریف لے گئے صدیقؓ ساتھ ساتھ تھے اور ادھر ادھر دیکھتے جاتے تھے کہ کسی اذیت کا ظہور اور خطرہ کا وقوع نہ ہونے پائے۔ صدیق کا دل کہہ رہا تھا کہ خدانخواستہ کوئی اژدھا بھی نکل آیا تو اس کا پھن مٹھی میں لے کر مسل دوں گا چاہے ایسا کرنے میں خود میری جان نہ رہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزند بھی نہ پہنچے۔

لیکن یہ ابوبکر صدیقؓ تھے صحیح معنوں میں یار غار! بے غرض دوست' جان نثار ساتھی' عقیدت مند رفیق سفر اور سرفروش غلام۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں تو دیدہ و دل بچھانے کے بعد بھی عقیدت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ جس کی بدولت ایمان کی دولت اور اسلام کی نعمت ملی۔

جیسے جیسے رات گذرتی جا رہی تھی' کاشانہ نبوت کا محاصرہ کرنے والے کفار کی خوشی میں اضافہ ہو رہا تھا۔ کہ منزل مقصد اب زیادہ دور نہیں رہی۔ یہاں تک کہ سپیدہ سحر نمودار ہو گیا مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے نکلتے نظر نہ آئے۔ کافروں کو فکر ہوئی کہ آخر کیا بات ہے دھوپ نکل آئی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھنے کے لیے بیدار نہیں ہوئے۔ وہ تو بہت اندھیرے سے کعبہ جانے کے عادی ہیں۔ ان کی سحر خیزی تو سارے مکہ میں مشہور ہے۔ لوگ سوئے ہوتے ہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کعبہ کے صحن میں اپنے خدا کے آگے جھکی ہوتی ہے۔ شاید آنکھ نہ کھلی ہو ان کی! کسی کافر کے دل میں یہ خیال گزرا۔ اور کوئی یہ سوچنے لگا کہ ہمارا محاصرے کی اطلاع پا کر محمد صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں چھپ رہے۔ چلو اندر چل کر دیکھیں کیا ماجرا ہے۔ ہم جس کام کے لے یہاں آئے ہیں اور جس غرض کی خاطر تمام رات آنکھوں ہی آنکھوں میں گزاری ہے اسے پورا کر کے رہیں گے۔ ہم ناکام نہیں لوٹ سکتے۔

گھر میں پہنچے تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر حضرت علیؓ ابن ابی طالب کو پا کر انہیں بہت غصہ آیا اور ظالموں نے علیؓ کو پکڑ کر خوب مارا

''محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ ہم سب کی آنکھوں میں خاک جھونک کر صاف نکل گئے''۔ ایک قریشی نے کہا اور تمام کافروں نے سر ہلایا کہ تم ہمارے دل کی بات کہہ رہے ہو۔ کافر جھنجھلا جھنجھلا کر اپنی تلواروں کو دیکھتے کہ یہ جوہر دار تیغیں یوں ہی رہ گئیں۔ کیا سوچ کر آئے تھے اور کیا ہو گیا۔ ارمان جی کے جی ہی میں رہ گئے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش شروع ہوئی۔ آپ کی تلاش میں گھوڑے دوڑائے گئے۔ ناقہ سوار بھی روانہ ہوئے، کچھ

لوگ پیدل ہی چل پڑے۔خیال تھا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے دور نہ پہنچے ہوں گے۔اگر تیزی کے ساتھ تلاش کی جائے تو سراغ لگنا مشکل نہیں ہے۔مکہ کے قریب کی تمام جھاڑیاں آس پاس کے نخلستان اور راستے چھان مارے مگر پتہ نہ چلا۔یہاں تک کہ کفار غارثور کے ٹھیک دروازے پر جا پہنچے۔سب سے پہلے ان کی پہچل سنائی دی۔پھر ان کی باتیں کرنے کی آواز آنے لگی۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو بہت فکر اور غم لاحق ہوا کہ کہیں یہ سفاک غار میں نہ چلے آئیں۔باہر آنے جانے کا یہی ایک راستہ ہے۔ہم کہیں جا بھی نہ سکیں گے۔دشمن بالکل سر پر تھے۔فطری طور پر تشویش ہونی ہی چاہیے تھی۔حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو اپنے سے زیادہ ذاتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی فکر تھی کہ دشمنوں کے منہ میں خاک، کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گزند نہ پہنچے۔اللہ تعالیٰ نے اسی دن وحی نازل فرمائی اور وحی کے یہ الفاظ:

" لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا "

''غم نہ کرو اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے'' صدیق کے جلتے ہوئے دل پر تسکین کا ٹھنڈا مرہم رکھ دیا۔اللہ تعالیٰ کی معیت کی بشارت نے امید میں جان ڈال دی.....اور صدیق اکبرؓ کو یقین ہو گیا کہ کافر ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔خدا کی تائید و معاونت ہمارے لیے مقدر ہو چکی ہے۔چنانچہ کفار قریش اُلٹے پاؤں واپس چلے گئے۔

تین دن تک سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والتحیات اور جناب صدیق اکبرؓ غارثور میں چھپے رہے۔جب رات کی تاریکی اچھی طرح پھیل جاتی تو اسماء بنت ابوبکر اپنے گھر سے روٹیاں لے کر روانہ ہوتیں اور نہایت احتیاط اور کمال رازداری کے ساتھ غارثور میں توشہ پہنچا کر یہ فرض انجام دیا۔

غارثور سے روانہ ہونے کا مسئلہ بہت نازک تھا۔حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ شہر والوں کی نگاہوں سے چھپ چھپا کر غارثور میں آتے اور اہل مکہ کے حالات سنا کر چلے جاتے۔عامر بن فہیرہ جو حضرت عائشہ کے بھائی کا غلام تھا، بکریوں کا ریوڑ چرایا کرتا تھا۔عامر وہاں اپنی بکریاں لے آتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق ؓ ضرورت کے موافق دودھ لے لیتے تھے۔پھر وہ بکریوں کے نقش قدم راستہ سے مٹا دیتا کہ کہیں اس کھوج پر قریش غارثور تک نہ آ جائیں۔انتہائی رازداری اور شدید ترین احتیاط کی ضرورت تھی۔

پورے دو دن اور کامل تین راتیں اسی عالم میں گزریں۔کفار قریش جستجو سے غافل نہ تھے۔ان کے آدمی سراغ لگا رہے تھے، آخر چوتھی رات کو حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے گھر سے دو فربہ اور تیز رفتار اونٹنیاں آ گئیں۔ایک اونٹنی پر حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور سیدنا ابوبکر صدیق ؓ سوار ہوئے اور دوسری عامر بن فہیرہ اور عبداللہ بن اریقط کے حصہ میں آئی۔عبداللہ کو راستہ بتانے کے لیے ملازم رکھ لیا تھا۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے گھرانے نے جو خدمات ہجرت نبوی کے سلسلہ میں انجام دی ہیں، ان پر تاریخ فخر کرتی ہے۔باپ، بیٹی، بیٹا اور غلام، سبھی نے اپنی بساط اور استطاعت کے مطابق بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی نیاز مندی اور عقیدت کا ہدیہ پیش

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کیا خانوادۂ صدیق کے اس احسان کو مسلمان فراموش نہیں کر سکتے۔

غارِ ثور سے یہ مختصر مگر مقدس ترین قافلہ یثرب کی سمت روانہ ہوا۔ ابوبکرؓ کی اونٹنیوں نے خوب تیزی دکھائی' جیسے وہ اس دن کے لیے پرورش کی گئی تھیں۔ شبانہ روز سفر کرتے' ٹھہرنا بہت کم ہوتا' دشمن کا ہر وقت خطرہ لگا تھا' جو کافر مسلمانوں کا پیچھا کر کے حبش پہنچے تھے ان کا اپنے ملک میں تعاقب کرنا حیرت انگیز نہ تھا۔ کفارِ قریش تمام راستوں کے پیچ وخم سے واقف تھے۔ پڑاؤ' پناہ گاہیں' منزلیں' نخلستان' گھاٹیاں' ٹیلے' کمین گاہیں' آبادیاں' سبزہ زار' چٹیل میدان' غرض سرزمین حجاز کا طول وعرض ان کی نگاہ میں تھا۔ وہ بڑے اچھے شتربان اور شہسوار تھے۔ خطرے کی بات ہی تھی کہ نہ جانے کب اور کس منزل میں کافروں سے تصادم ہو جائے۔ ہر لمحہ چوکس رہنے کی ضرورت تھی۔

کفارِ قریش کے ملال کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ پچھتاتے' ہاتھ ملتے اور افسوس کرتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ یہاں سے بچ کر نکل گئے۔ انہوں نے اشتہار دیا کہ جو کوئی محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائے گا۔ اسے انعام میں سو اونٹ دیے جائیں گے۔ یہ بڑا سے بڑا انعام تھا جو اہل مکہ دے سکتے تھے۔

جعشم کے بہادر بیٹے سراقہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ ایک دو نہیں' پورے سو اونٹ ملیں گے انعام میں! اور کام صرف اتنا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ میں سے کسی ایک کو گرفتار کر کے مکہ لے آنا۔ لاؤ! کوشش کر کے دیکھوں۔ تقدیر آزمائی کروں' محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کوئی فوج نہیں' بہت سے بہت دو چار آدمی ہوں گے' مجھے یہ لوگ مل گئے تو ان پر قابو پا لوں گا۔ میں نے بہت سے پُرخطر معرکے دیکھے ہیں..... سراقہ ان امیدوں کے ساتھ صبا رفتار گھوڑے پر بیٹھ کر مکہ سے روانہ ہوا۔

نوجوانی، آغاز شباب اور پھر گرانقدر انعام کی طمع! یہ نشہ دو آتشہ تھا جس کی ترنگ میں وہ سرپٹ گھوڑا دوڑائے چلا گیا۔ یہاں جا، وہاں جا، اس طرف گیا، اس طرف پہنچا، کہیں راہگیر، شتربان اور چرواہے مل جاتے تو ان سے پوچھتا کہ تم نے یثرب کی طرف دو چار آدمیوں کو جاتے ہوئے تو نہیں دیکھا۔ لوگ جواب دیتے کہ یثرت کی سمت تو مکہ سے قافلے آتے جاتے ہی رہتے ہیں۔ اس میں کیا معلوم کہ جن آدمیوں کو تم پوچھ رہے ہو، وہ بھی ان قافلوں میں تھے یا نہیں۔ سراقہ حلیہ اور نشان بتاتا کہ بھائیو! میں جس آدمی کو پوچھ رہا ہوں وہ لاکھوں میں بھی نہیں چھپ سکتا۔ شرافت اور زیبائی اس کے تیوروں سے برستی ہے وہ شخص ہمارا دشمن سہی مگر سچی بات یہ ہے کہ اس کا چہرہ سورج سے زیادہ روشن اور تابناک ہے۔ ہنس مکھ، خوش منظر، وجیہہ، دلکش انداز، بہت سے لوگ باہر سے مکہ میں آئے اور بس اس کا چہرہ دیکھ کر ہی مسلمان ہو گئے..... محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کا نام! سارے عرب میں اس نام کا ایک آدمی بھی نہ نکلے

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

گا۔

سراقہ پکے ارادے کے ساتھ گھر سے نکلا تھا اس نے ناکامی کے بعد بھی جستجو سے ہاتھ نہ اٹھایا۔ یہاں تک کہ ایک دن دور سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اونٹنی پر بیٹھے ہوئے نظر آ گئے۔ خوشی کے مارے اس کا دل اچھلنے لگا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے جذبات جھومنے لگے۔ حرص خوب کھلکھلا کر ہنسنے لگی کہ گوہر مقصود ہاتھ آنے میں اب بس ذرا سی دیر رہ گئی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں کل تین آدمی تھے۔ آدمیوں کی کثرت کا خوف نہ رہا۔ سراقہ نے گھوڑے کے ایڑ لگائی۔ تیز رفتار چھلاوے کی طرح اچھل کر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ناقہ کے قریب پہنچ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ پر نگاہ ڈالی' اور نگاہ کا پڑنا تھا کہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور وہ پٹ سے زمین پر گر پڑا۔

سراقہ نہایت تیزی اور پھرتی کے ساتھ فرش خاک سے اٹھا اور ترکش سے تیر نکالے فال کے تیر۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ مجھے اب اقدام کرنا چاہیے یا نہیں! اتفاق کی بات کی ''فال'' کا جواب ''نہیں'' ملا۔ عقل نے کہا کہ اب حملہ کرنا مناسب نہیں۔ زیادہ تیزی اور جرات دکھائی تو منہ کی کھاؤ گے شکست اور ناکامی سے بچنا چاہتے ہو تو سیدھے گھر لوٹ چلو۔ ابھی تمہارا کچھ بنا بگڑا نہیں ہے۔ قریش سے کہہ دینا کہ میں نے ایک ایک راستہ چھان مارا مگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ نہ چلا..... مگر ہوس نے ابھارا کہ شکار چنگل میں ہے بس ذرا ہمت کرو تو بیڑا پار ہے۔ فال کے تیروں اور شگون کے پانسوں کا کیا اعتبار! کبھی کبھی غلط بھی نکل آتے ہیں۔ فال اور شگون کی آڑ لے کر اقدام نہ کرنا ایک طرح کی بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ سراقہ! بھول گیا' تجھے یاد نہیں رہا، سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا گیا ہے تیری زندگی بن جائے گی۔ ذرا سی دیر میں فاقہ کش سراقہ! تو امیر اور دولت مند ہو جائے گا۔ سو اونٹ تو قریش کے بڑے بڑے آدمیوں کے پاس بھی نہیں ہیں اور جن کے یہاں یہ ہیں ان کا ہر محفل میں احترام کیا جاتا ہے۔

ہوس کے بڑھاوے پر سراقہ نے گھوڑے کو پھر بڑھایا۔ مگر اب کی بار گھٹنوں تک زمین میں دھنس گیا۔ وہ گھوڑے سے اُتر پڑا۔ پھر فال دیکھی اور دوسری دفعہ بھی وہی ''نفی'' میں جواب نکلا۔ مگر لالچ نے پھر اکسایا کہ ہمت سے کام لے' تلوار اٹھا' تیر چلا' بازوؤں کا زور دکھا۔ یہ لوگ خوف زدہ اور تھکے ہوئے سے ہیں۔ تو تازہ دم ہے۔ خوب کس کر مقابلہ ہوا تو جی چھوڑ جائیں گے سراقہ نے اس مرتبہ انتہائی جرات کا مظاہرہ کیا۔ لیکن اب بھی پہلے کی طرح معاملہ پیش آیا۔ وہ پست ہمت ہو گیا۔ مقابلہ اور اقدام کا خیال دل سے نکال دیا' معافی کا طلب گار ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سُراقہ کے ہاتھوں کو دیکھ کر مسکراتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں تیرے ہاتھوں میں شہنشاہ کسریٰ کے کنگن دیکھ رہا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا ارشاد سراقہ کے لیے بہت حیرت انگیز تھا۔ وہ بے چارہ کسریٰ کے کنگن تو کجا اسکے گورنروں اور درباریوں کی بارگاہ میں بھی حاضری کا تصور نہ کر سکتا تھا۔ مگر یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی تھی یہ اس کا ارشاد تھا جس کی زبان سے حق کے سوا کوئی اور بات نکلتی ہی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وثوق اور یقین کے ساتھ سراقہ کو خوش خبری دی

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراقہ کا نوشتہ تقدیر پڑھ کر فرماتے جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا پورا ہو کر رہا۔

وہ زبان جس کو جب کن کی کنجی کہیں
اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب ایران فتح ہوا۔ غلامان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر نگیں آئی تو کسریٰ کے کنگن سراقہ کے ہاتھ میں پہنائے گئے۔ حضرت سراقہ کے ہاتھوں میں کسریٰ کے بیش بہا کنگن تھے۔ ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا واقعہ ان کی نگاہوں کے سامنے تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم برحق کے الفاظ کان میں گونج رہے تھے۔

یہ سفر مظلومیت کا سفر تھا۔ مکہ کی سرزمین کفار قریش نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تنگ کر دی تھی۔ اسی لیے اس جگہ کو چھوڑ دیا گیا۔ یہ ''ہجرت'' تھی خدا کی راہ میں ہجرت! اس ترک وطن سے اللہ کی خوشنودی اور اسکے حکم کی تعمیل مقصود تھی ''حب وطن'' نے یقیناً رسالت مآب کے قلب مبارک میں چٹکیاں لیں..... دردانگیز چٹکیاں! مکہ چھٹنے کا آپ کو فطری طور پر ملال ہونا ہی چاہیے تھا۔ لیکن اسلام کی سربلندی اور حق صداقت کی اشاعت وتبلیغ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خندہ پیشانی کے ساتھ اس جام تلخ کو گوارا کر لیا۔

قبا میں چند دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا۔ اسی اثناء میں حضرت علی ابن ابی طالبؓ بھی مکہ سے پیدل چل کر وہاں آ گئے۔ علیؓ سے مکہ والوں کے حالات تفصیل کے ساتھ معلوم ہوئے قباء کے دوران قیام میں خدا کی عبادت کے لیے مسجد تعمیر ہوئی' خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد بنانے میں حصہ لیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کام کرتا دیکھ کر صحابہ کے ذوق وشوق اور عملی سرگرمیوں میں اور جان پڑ گئی۔ اس مسجد کی بنیاد تقویٰ اور نیکوکاری پر رکھی گئی تھی۔ اس کی نیو میں خلوص شامل تھا۔ بے ریا سجدوں سے معمور ہونے کے لیئے یہ بنی تھی۔

یثرب میں خبر پہنچ چکی تھی کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قباء میں تشریف لا چکے ہیں۔ اور بہت جلد یثرب میں نزول اجلال فرمائیں گے۔ یثرب والوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا بے حد انتظار تھا۔ وہ روز صبح سویرے بستی سے باہر آ کر ٹیلوں پر بیٹھ جاتے اور جب تک خوب دھوپ نہ پھیل جاتی' انتظار کرتے رہتے۔ انتظار کی ساعتیں بہت ہی صبر آزما ہوتی ہیں۔ اہل یثرب پر ایک ایک گھڑی بھاری تھی۔ ان کی پُرشوق آنکھوں میں دل کا اضطراب تمنا بن کر جھلک رہا تھا۔ رات کو اس امید میں سوتے کہ صبح سویرے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خیر مقدم کی سعادت حاصل کریں گے۔ یثرب کی گھاٹیوں سے نبوت کا بدر کامل طلوع ہوتا ہوگا اور ہم اپنے دامن نگاہ کو جلوؤں سے بھر لیں گے..... مگر جب خوب دن چڑھ جاتا تو گھروں کو ناکام لوٹتے۔ اس ناکامی میں بھی بڑی لذت تھی۔ اضطراب کی لذت' بے چینی کا لطف! قدرت آتش شوق کو اس طرح تیز تر بنا رہی تھی۔ شدت انتظار سے شوق میں جان پڑ جاتی ہے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

یثرب کے باشندوں کو خوش خبری ملی کی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ بس اب کوئی دم میں سواری باد بہاری آیا چاہتی ہے نخلستانوں کا سلسلہ یثرب کے آس پاس نہ ہوتا تو کوکبہ نبوت کبھی کا نظر آجاتا۔ انتظار کی ساعتیں ختم ہوئیں۔ دیدار کی تمناؤں کو مبارک باد دو کہ وہ جانِ نظارہ آنے ہی والا ہے۔ جی بھر کر اس کے جمال جہاں آرا سے کسب سعادت کرنا' تمام یثرب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشوائی کے لیے امنڈ آیا۔

ظہور کی ساعت آ گئی تھی۔ سرور موجودات اور خلاصہ کائنات کی سواری کو دیکھ کر یثرب کے لوگوں کو خوشی کے مارے چیخیں نکل گئیں۔ آپس میں ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے تھے ''اہلاً وسہلاً'' کے شور سے پہاڑوں کی گھاٹیاں گونج رہی تھیں۔ سب کے چہروں پر مسرت کی سرخی نمودار ہوگئی تھی۔ جیسے کسی نے سرخ غازے اور عنبر وگلال کا ہاتھ ان کے رخساروں پر پھیر دیا ہے۔ خوشی نے اہل یثرب پر والہانہ کیفیت طاری کر دی تھی۔ دل سچ مچ پہلو سے نکلے جا رہے تھے۔

مدینہ کی کھجوروں کی شاخیں زبان حال سے پکاریں:

''یتیموں کا والی آ گیا''

اس کے جواب میں پہاڑ کی چوٹی سے صدا آئی۔

''غلاموں کا مولا تشریف لے آیا''

اور پھر در و دیوار سے تہنیت کے نغمے اور تبریک کے زمزمے بلند ہوئے' یثرب کے ذروں کے منہ میں آج زبان آ گئی تھی' پتھر بول رہے تھے اور سنگریزوں سے گویائی پھوٹ رہی تھی۔ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ ایک ہی ناقہ پر سوار تھے۔ ابوبکرؓ لوگوں کے اشتیاق اور جوش عقیدت کو دیکھ کر کھڑے ہوگئے اور چادر کا سایہ سراقہ س پر کر دیا تا کہ آقا اور غلام میں تمیز ہو سکے' اور لوگ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیقؓ ابن قحافہ کو پہچان لیں' انصار کی کمسن اور معصوم بچیاں لَے میں لَے ملا کر خیر مقدم کے ترانے گا رہی تھیں۔

طلع البدر علینا　　من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا　　مادع للہ داع

ان کے شیریں نغموں نے اس کیف کو اور دوبالا کر دیا..... بنات انصار کے لہجہ میں مسرت' عقیدت اور جوش دل ملا جلا تھا۔ وہ زمین پر گا رہی تھیں اور آسمان کے فرشتے جھوم رہے تھے۔ انہیں اس بات کا ہوش ہی نہ تھا کہ ان کی آواز کے زیر و بم میں توازن رہا یا نہیں۔ مگر جذب دل اور سوزِ عقیدت نے آپ ہی آپ ان نغموں کو مرتب بنا دیا۔ یہ دل سے نکلے ہوئے زمزمے تھے' ان کی نغمگی میں اثر انگیزی ہونی ہی چاہیئے تھی۔

یثرب کا ہر شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں درخواست کر رہا تھا کہ سرکار! میرے غریب خانہ کو میزبانی کا شرف

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

بخشیں۔مگر یہ سعادت ابوایوب انصاری کے لیے ہو چکی تھی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ خدا کے حکم سے ابوایوب کے مکان کے سامنے بیٹھ گیا اور چند دن تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرمایا۔ابوایوب انصاری اپنی قسمت پر ناز کر رہے تھے۔خوشی کے مارے ان کے قدم بہکے بہکے پڑ رہے تھے۔خورشیدِ رسالت کے جلوؤں نے اس ظلمت کدے کے قسمت جگمگا دی۔

لوگوں نے ابوایوب انصاری کو مبارکباد دی کہ گھر بیٹھے تمہیں یہ دولت ابد قرار مل گئی۔اتنے برگزیدٗ مقدس اور عظیم المرتبت مہمان کی دنیا میں آج تک کسی نے میزبانی نہیں کی.....ابوایوب کی تشکر آمیز نگاہیں جواب دیتیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ غریب پر فضل فرمایا ہے،میں اس اکرام بے پایاں اور رحمت بے نہایت کا مستحق نہ تھا،یہ خدا کی دین ہے،وہ جس ذرّہ کو چاہے آفتاب بنا دے۔

کتاب یسیتیا میں جسے سلع کہا گیا تھا،وہ بعد میں جا کر یثرب ہو گیا اور اب اسی شہر کو حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزول اجلال نے مدینۃ النبی (City of the Prophet) بنا دیا۔آج سے اس کا نام بدل گیا۔تاریخ اسلام میں اس کا ذکر مدینہ کے نام سے آئے گا۔یہ اب ''یثرب'' اور ''بطحا'' نہیں رہا،مدینہ ہو گیا.....طیبہ بھی اور منورہ بھی!اس سرزمین کے گرد و غبار،سنگریزوں اور کانٹوں کو اہلِ عقیدت آنکھوں میں جگہ دیں گے،ہر اہل ایمان کو اس مقدس شہر سے دلی لگاؤ اور تعلق خاطر ہو گا۔شاعرانِ نازک خیال ''مدینہ'' کی مدح میں قصیدے کہیں گے۔

مدینہ میں قیام کے بعد حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فخرِ موجودات علیہ الصلوٰۃ والتحیات نے اللہ کا گھر بنانے کا ارادہ فرمایا۔خاندان نجار کی زمین کا ایک قطعہ جس میں کھجوروں کے درخت تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد کے لیے منتخب فرمایا۔نجار کے گھرانے والے بلائے گئے۔

.....''میں یہ زمین قیمت دے کر لینا چاہتا ہوں''.....حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

.....''ہم قیمت تو ضرور لیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں خدا سے''.....قبیلہ نجار کے لوگوں نے عرض کیا۔

یہ زمین یتیم بچوں کی تھی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلب فرمایا۔قیمت دینی چاہی نیک بخت بچوں نے عرض کیا کہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر ہے۔مگر رحمت عالم نے یتیموں کی اس پیش کش اور نذر کو قبول کرنا گوارہ نہ فرمایا۔حضرت ابوبکر صدیقؓ نے زمین کی قیمت ادا کر دی۔

پہلے اس زمین کو ہموار بنایا گیا۔یہ کام ہو گیا تو تعمیر کا آغاز ہوا،انصار اور مہاجرین نے مل جل کر مسجد بنانی شروع کی۔کوئی زمین کھودتا،کوئی پتھر لاتا،کوئی گارا بناتا۔انتہائی شوق و احترام کے ساتھ تعمیر ہونے لگی۔ہر شخص اپنا فرض سمجھ کر اس کام کو کر رہا تھا.....انہیں کے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عام مزدوروں کے لباس میں صحابہؓ کا ہاتھ بٹا رہے تھے،خود پتھر اٹھا کر لاتے اور

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

گرد وغبار سے جسم اقدس اَٹ جاتا۔صحابہ عرض کرتے کہ سرکار! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہم غلامان بارگاہ کرلیں گے.....مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا مسکرا کر پتھر اٹھائے جاتے۔

گردش ماہ وسال یہ منظر دیکھنے کے لیے رک رک جاتی کہ جس کے سر اقدس پر اللہ تعالیٰ نے عزت و بزرگی کا سب سے زیادہ قیمتی تاج رکھا تھا وہ مزدوروں کے لباس میں پتھر ڈھو رہا تھا۔جبینِ سعادت عرق آلود ہو ہو جاتی۔آقا اپنے غلاموں کا ہاتھ بٹا رہا تھا۔ نبوت قوت بازو کی زبان سے بول رہی تھی۔دیکھنے میں یہ ایک مسجد کی تعمیر تھی مگر حقیقت میں یہ ایک درس تھا جہاں بانوں،فرماں رواؤں، کشور کشاؤں اور حاکموں کے لیے.....کہ حکومت اور دولت کے نشہ میں آپے سے باہر نہ ہو جانا۔انسان کی بلندی سونے چاندی کے ڈھیروں،حریر و دیبا کی قباؤں،سر بفلک ایوانوں اور خوش نما باغیچوں میں نہیں ہے۔نکوکاری،تواضع،ہمدردی اور ایک دوسرے کی غم گساری میں انسانیت کی رفعت کا راز پنہاں ہے۔بندہ اونچے سے اونچا ہو کر بھی بندہ ہی رہتا ہے،خدا نہیں ہو جاتا۔کبر و غرور عبدیت کی نہیں معبودیت کی شان ہے۔جو بندہ اپنی حد سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا ذلیل ہو جائے گا اور انسانی ہمدردی کے اوصاف نہ ہوں تو جڑاؤ تاج پہن کر بھی آدمی ذلیل رہتا ہے۔لعل و گوہر کی چمک سے صاحب تاج کی عزت میں ذرہ برابر اضافہ نہیں ہو جاتا اور آدمی خداشناس،پاک باز اور ہمدرد و خلائق ہو تو سر پر مٹی کا ٹوکرا رکھ کر بھی اس کا سرِ عزت نیچا نہیں،اونچا ہی رہتا ہے۔

یہ مسجد نبوی تھی،سادگی کا بہترین نمونہ،ظاہری آرائش اور اوپری ٹِپ ٹاپ سے دور دکھاوے اور بناوٹ کی یہاں گنجائش ہی نہ تھی،ناتراشیدہ پتھروں کی دیواریں،کھجور کے ستون اور اسی کے پتوں کی چھت،فرش پر سنگ ریز بچھے ہوئے۔مگر مسجد جن سجدوں سے معمور تھی ان کی نعت کا اندازہ قدسیوں کا خلوص عبادت اور صدق تہلیل بھی نہیں کرسکتا۔حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں قدم رکھ دیں۔

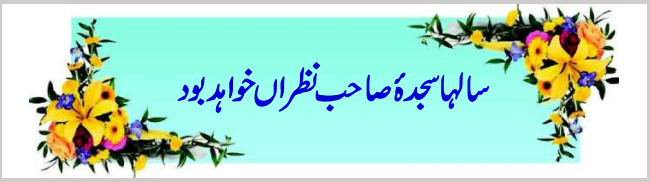

پھر اس جگہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کے نشان پائے جاتے تھے۔یہاں کی بلندی کا کیا پوچھنا! عرش جھک جھک جاتا ہوگا جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جبینِ پرنور فرشِ زمین پر سجدے میں ہوگی۔

مسجد نبوی بن چکی تو اسکے پاس ازواجِ مطہرات کے رہنے کے لیے حجرے تعمیر ہوئے۔کچے اور انتہائی سادہ حجرے!کسی کسی کی چھت تو اتنی نیچی تھی کہ آدمی کھڑا ہوتا تو اس کا سر چھت سے لگ جاتا۔یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت کے مکانات تھے۔ قیصر و کسریٰ کے ایوان،ہرقل کی شبستانِ عیش اور ملوک ہند و ایران کے عشرت کدے اور حریم ناز نہ تھے۔انسانیت کی تاریخ تمدن کا یہ سب سے زیادہ روشن نقش تھا۔انہیں آثار کو دنیا والوں کے لیے چراغ راہ بننا تھا۔یہی سادگی،مختصر گیری،بے نفسی اور دنیوی طمطراق سے بے نیازی انسانیت کے لیے شمع ہدایت اور آثارِ سعادت تھی۔

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

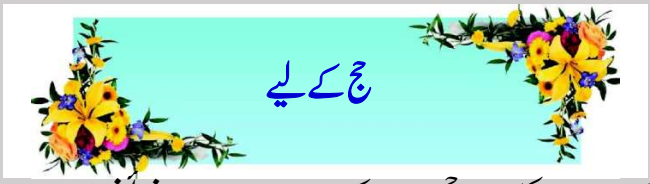

سب جانتے ہیں کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلام کے بنیادی اور اہم ترین فرائض ہیں۔ان میں سے کسی ایک کے انکار سے بھی آدمی دائرۂ اسلام سے خارج ہوجاتا ہے اور ان کا ترک کرنے والا اللہ کا بہت بڑا نافرمان ہے اور ان فرائض کے مسلسل ترک کرنے سے ایمان بس کچھ یوں ہی سا باقی رہ جاتا ہے۔جس شخص کے دل میں خدا کا خوف، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور دین سے لگاؤ ہوگا وہ ان بنیادی فرائض سے اعراض برت ہی نہیں سکتا۔بھول چوک کی اور بات ہے۔

حج کا زمانہ قریب آیا تو حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی چودہ صحابہ کے ساتھ فریضۂ حج ادا کرنے کی نیت سے مکہ مکرمہ کی جانب کوچ فرمایا۔کفار قریش کی کینہ سازیاں اور مسلمان دشمنی پیش نظر تھی کہ یہ بدنصیب ہر آن خدا پرستوں کے ٹکراؤ کے لیے بہانے ڈھونڈھتے رہتے ہیں۔جس کے دل میں کھوٹ ہوتی ہے وہ دوسروں کو بھی اپنا ہی جیسا سمجھتا ہے اس خیال سے قربانی کے اونٹ مسلمانوں نے اپنے ساتھ لے لیے، اور حج کا لباس (احرام) بھی پہن لیا تا کہ قریش کو کہیں یہ دھوکا نہ ہوجائے کہ پیغمبر اسلام حملہ کرنے کے لیے مکہ میں آرہے ہیں.....حکم دیا گیا کہ جو مسلمان حج کرنے کے لیے چل رہے ہیں وہ اپنے ساتھ بس تلوار تو رکھ سکتے ہیں مگر کوئی اور ہتھیار نہیں لے جاسکتے۔اور تلواریں بھی کھلی ہوئی نہ رہیں۔ان کو نیام میں رہنا چاہیئے۔

یہ حجاج کا قافلہ تھا۔محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امیر اور سالار تھے۔مقصد صرف فریضۂ حج کی ادائیگی تھا۔قربانی کے اونٹوں کی قطاریں، جسموں پر جامۂ احرام اور لبوں پر ''لبیک اللھم لبیک'' کے دلنواز زمزمے! بس تلواریں ضرور ہمراہ تھیں اور اس زمانہ میں پانی کے برتنوں، کھجور اور ستو کے تھیلیوں اور سایہ کے لیے چادروں اور خیموں کی طرح تلوار کا رکھنا بھی ضروری تھا.....کوئی عرب کسی عزیز و اقارب کی موت کا پُرسا دینے کے لیے بھی کہیں جاتا تو تلوار ضرور ساتھ ہوتی۔

مدینہ سے چند منزلوں کے بعد ذوالحلیفہ نامی یک مقام آیا جہاں اس مبارک قافلہ نے پڑاؤ ڈال دیا۔حج کے ابتدائی مناسک کا یہاں سے آغاز ہوگیا۔مکہ سے ہجرت کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ التسلیم کا یہ پہلا حج تھا۔احتیاط کے مدنظر قافلہ حجاج میں سے ایک آدمی کو آگے روانہ کردیا گیا کہ قریش کے حالات اور دل کا اتا پتہ لگائیے۔ذوالحلیفہ سے چل کر عفان پر جب توحید پرستوں کا یہ قافلہ پہنچا۔زبانی اطلاع ملی کہ قریش تو اس خبر کو سن کر آگ بگولا ہوگئے۔ان کے نوجوان کہنے لگے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کی اب یہ جرأت ہوگئی ہے کہ وہ مکہ میں حج کرنے کے لیے مدینہ سے چل پڑے۔کیا وہ چاہتے ہیں کہ ہمارے بھائی بندوں کو اسلام کی رغبت دلا کر پھر ہم سے اور ہمارے آبائی دین سے منحرف کردیں۔ہم یہ فرض بھی کرلیں کہ ابن عبداللہ اور اس کے ساتھی حج کرکے خاموشی کے ساتھ یہاں سے چلے جائیں گے اور ان کی ایک تلوار بھی یہاں نیام سے باہر نہ آئے گی.....مگر صاحب! ان کا یہ خاموش آنا کیا کم قیامتیں ڈھائے گا۔مکہ کے قیام کے زمانہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ کر اچھے خاصے ہوش مند لوگ مسلمان ہوگئے.....ان لوگوں کی تو خاموشی بھی بولتی ہوئی تبلیغ ہے۔

کفار قریش جو مدینہ پر چڑھ چڑھ گئے تھے، مکہ سے چند منزل دور مسلمانوں کے آجانے کی اطلاع پا کر بھلا کس طرح خاموش بیٹھے رہتے۔ ان میں انتقام وعداوت کی ایک لہر دوڑ گئی، تیاریاں شروع ہوئیں..... حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سرفروش صحابہ سے جنگ کرنے کی غرض سے! خالد بن ولید کی قسمت کا ستارہ ابھی تک کفر کی ظلمت میں چھپا تھا، ان کی سرکردگی میں دوسو بہادر اور آزمودہ کار قریش عسفان کی طرف چل پڑے..... کفار قریش کے تیوروں سے عتاب وخفگی کے شرارے نکل رہے تھے۔ مگر قدرت مسکرا رہی تھی کہ نادانو! تمہارا کمانڈر (خالد) جس کی تلوار آج کفر کی حمایت میں بے نیام ہے، ایک دن ایسا آئے گا کہ یہی تلوار اسلام کی حمایت کا حق ادا کرے گی۔

رسول اللہ کو کافروں کی نقل وحرکت اور ان کے ارادوں کی اطلاعتیں ملتی رہتی تھیں اور قریش کے بھی آدمی لگے ہوئے تھے جو یہاں کی اطلاعیں ان کو جا کر دیتے، قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بات چیت کرنے کے لیے بھیجا، عروہ نے صلح کے مسئلہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفت وشنید کی اور یہاں سے واپس ہو کر کفار قریش سے بولا کہ بھائیو! امیروں اور رئیسوں کا تو ذکر ہی کیا ہے میں نے نجاشی کی بزم شاہانہ اور قیصر وکسریٰ کے دربار خسروی کا طمطراق بھی دیکھا ہے۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کے ساتھی ان سے جس درجہ عقیدت اور وابستگی رکھتے ہیں اور جو جاہ ووقار میں نے وہاں دیکھی وہ کہیں نظر نہیں آیا۔

عروہ سے گفت وشنید تو ہوئی مگر کوئی بات پورے طور پر طئے نہ ہوسکی، اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حراش بن امیہ کو قریش سے اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لیے روانہ فرمایا..... مگر قریش بدعہد اور کم ظرف نکلے اور معاہدہ شکن بھی۔ سفیروں اور ایلچیوں کا اس دور جاہلیت میں بھی احترام کیا جاتا تھا۔ انہوں نے پہلے تو سفیر نبوت کے سواری کے اونٹ کو ہلاک کر دیا پھر خود ان کے ساتھ بھی یہی سلوک کرنا چاہتے تھے، وہ تو کچھ قبیلوں کے لوگوں نے بیچ میں آ کر بلکہ مزاحم ہو کر انہیں بچالیا، ورنہ ان کی جان جانے میں کوئی کسر نہ رہی تھی۔

ابھی گفت وشنید کا سلسلہ ختم نہ ہوا تھا مگر قریش سے ضبط نہ ہوسکا کہ انہوں نے اپنی فوج کا ایک دستہ مسلمانوں کے اس قافلہ پر حملہ کرنے کے لیے مکہ سے روانہ کر دیا۔ مسلمان بھی غافل نہ تھے وہ جانتے تھے کہ قریش چھیڑ چھاڑ سے باز آنے والے نہیں۔ وہ کسی نہ کسی عنوان سے اقدام ضرور کریں گے۔ مسلمان سپاہیوں نے حملہ آور قریش کو چھاپہ مارنے اور قتل وغارت گری کرنے کا موقع ہی نہ دیا۔ کفار قریش مزاحمت کے لیے تُل گئے تھے مگر انہوں نے دیکھا کہ مسلمان تلوار کا جواب تلوار سے دیں گے۔ برابر کی ٹکر ہوگی، حالات نازک ہیں۔ زیادہ شیخی اور اکڑ دکھائی تو جان سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ نجات اسی میں ہے کہ خاموشی کے ساتھ اپنے کو ان کے حوالے کر دو..... سانپ ہر جگہ ٹیڑھا چلتا ہے، مگر پانی میں اسے سیدھا چلنا پڑتا ہے۔ ہر جگہ سختی اچھی نہیں۔ مصلحت دیکھ کر کہیں کہیں آدمی کو نرم بھی بننا پڑتا ہے۔

قریش کے اس دستہ کو گرفتار کر کے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے۔ کفار سمجھ رہے تھے کہ آج جان کی خیر نہیں، یہیں جنگ میں ان کی گردنیں اُڑا دی جائیں گی، حملہ آور دشمنوں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کیا جاتا ہے..... مگر رحمت عالم صلی اللہ

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

علیہ وسلم نے ان کو معاف کر دیا بلکہ رہا فرما دیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تو حج کی نیت سے آئے تھے۔ چھیڑ چھاڑ، لڑائی اور کسی قسم کا ٹکراؤ، ان کا مقصد ہی نہ تھا۔ وہ صلح اور امن چاہتے تھے اور اسی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو قریش سے صلح کی بات چیت کرنے کے لیے مکہ روانہ کیا۔ سعید کے بیٹے ابان مکہ میں تھے، حضرت عثمانؓ کی ان سے قرابت تھی۔ سعید بن ابان کی حمایت میں حضرت عثمانؓ مکہ پہنچے اور کفار قریش کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام پہنچایا۔

اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ اس پر گفتگو کرنی تھی تا کہ مسئلہ واضح ہو جاتا مگر انہوں نے ایسا کرنے کی بجائے حضرت عثمان کو نظر بند کر دیا.....

حضرت عثمانؓ کی نظر بندی کا واقعہ اس خبر کے ساتھ مشہور ہو گیا کہ وہ قتل کر ڈالے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ عثمانؓ کے خون کا قصاص لینا فرض ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جمع کیا، آن کی آن میں پروانے شمع نبوت کے اردگرد جمع ہو گئے۔ عثمانؓ کی شہادت کی خبر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت متاثر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ببول کے درخت کے نیچے صحابہ کرام سے اللہ کی راہ میں مارنے اور مر جانے کی بیعت لی۔

عجیب سماں تھا، چٹیل میدان..... کہیں کہیں کھجور کے سوکھے پیڑ اور ببول کے درخت دکھائی دیتے تھے۔ دُور تک ہو کا عالم تھا اور خدا کا نبی جان نثاری کے لیے صحابہ سے بیعت لے رہے تھے۔ مرد اور عورت جوش میں آ آ کر اقرار کر رہے تھے کہ اللہ کے راستہ میں ہماری جانیں کام آ جائیں تو یہ سب سے بڑی سعادت ہوگی..... یہ اقرار زبان حال سے تھا۔ یعنی یہ کہ! عثمانؓ بن عفان کے خون کے ایک ایک قطرے کا قصاص لیا جائے گا۔ کفار اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ ہم پرائے دیس میں ہیں۔ مدینہ یہاں سے دور ہے..... خدا کی قسم! ہم بدر و احد سے زیادہ پامردی اور بے جگری کے ساتھ لڑیں گے۔ یہ جانیں آخر ہیں کس دن کے لیے۔ خدا کی راہ میں ان کا کام آ جانا زندگی کی معراج ہے۔ تاریخ میں بیعت ''بیعت الرضوان'' کے نام سے مشہور ہے..... مگر بعد میں جا کر اس خبر کی اصلیت کا پتہ چل گیا کہ اطلاع غلط تھی، حضرت عثمانؓ شہید نہیں ہوئے، کافروں کے یہاں نظر بند ہیں۔

اس کے بعد صلح کے لیے سلسلہ شروع ہوا۔ سہیل بن عمرو فصاحت اور بلاغت میں مشہور تھے۔ عام قریش کی طرح ان میں تیز مزاجی بھی نہ تھی۔ طبیعت کے انتہائی متین اور سنجیدہ تھے، سفارت کے لیے ایسے ہی شخص کا انتخاب موزوں تھا..... ''خطیب قریش'' (سہیل) مکہ سے حدیبیہ پہنچا۔ مکہ سے چند کوس کی دوری پر ایک کنویں کا نام حدیبیہ ہے وہاں جو چھوٹی بستی آباد ہے اسے بھی ''حدیبیہ'' ہی کہتے ہیں۔ اسی نسبت کی بناء پر یہ واقعہ ''صلح حدیبیہ'' کے نام سے شہرت پا گیا۔

سہیل حدیبیہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ صلح کی شرطوں پر بہت دیر تک بات چیت ہوتی رہی۔ سہیل کی کوشش یہ تھی کہ قریش کی بات کہیں نیچی نہ ہو جائے۔ کوئی شرط میں نے دب کر مان لی تو اعیان مکہ کو منہ دکھانے کے قابل

نہیں رہوں گا۔لوگوں نے مجھے بھروسہ کا آدمی سمجھ کر ہی تو بھیجا ہے۔رؤساءِ قریش نے مجھے رخصت کرتے ہوئے کہا تھا کہ دیکھنا سہیل! تم ہماری آبائی عزت کے منشور پر دستخط کرنے کے لیے جارہے ہو، بہت بڑی ذمہ داری ہم نے تمہیں سونپ دی ہے۔

مسلسل گفت وشنید کے بعد چند شرطیں فریقین نے مان لیں۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو معاہدہ تحریر کرنے کا حکم دیا۔حضرت علیؓ نے صلح نامہ قلم بند کرنا شروع کیا۔عبارت کا آغاز اس جملہ سے ہوا:

هَذا ماقاضیٰ علیه محمد رسول اللّٰه.

''یعنی وہ معاہدہ ہے جسے محمد رسول اللہ نے مان لیا''

اس پر قریش کا سفیر سہیل بولا.....''یہ کیا لکھ دیا، ہماری اور تمہاری ساری لڑائی ہی اس بات پر ہے کہ ہم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا پیغمبر تسلیم نہیں کرتے۔اگر ہم آپ کو خدا کا رسول مان لیں تو پھر ہم میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی نزاع ہی باقی نہ رہے۔معاہدے میں ''رسول اللہ'' کا لفظ نہیں لکھا جائے گا ''محمد ابن عبداللہ'' کافی ہے۔''

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''اگرچہ تم جھٹلاتے ہو لیکن خدا کی قسم میں خدا کا رسولؐ ہوں'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ ''رسول اللہ'' کا لفظ عبارت سے مٹا دیا جائے۔حضرت علیؓ کا ضمیر کانپ اُٹھا، عرض کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم میرے سر آنکھوں پر۔مگر ''رسول اللہ'' کا لفظ ہرگز نہ مٹاؤں گا۔اور حضور!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علیؓ سے کہا کہ اچھا بتاؤ میرا نام کہاں ہے علی مرتضیٰ نے اپنی انگلی اس لفظ پر رکھ دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ''رسول اللہ'' کا لفظ خود دستِ مبارک سے مٹا دیا۔

اس کے بعد صلح نامہ کی شرطیں قلم بند ہوئیں۔

(۱) مسلمان اس سال حج کیے بغیر لوٹ جائیں

(۲) آئندہ سال حج کے موقع پر آئیں تو تین دن سے زیادہ نہ ٹھہریں۔

(۳) ہتھیار لے کر نہ آئیں۔بس زیادہ سے زیادہ تلوار لا سکتے ہیں، ان کو بھی بے نیام ہونے نہ دیا جائے گا۔

(۴) جو مسلمان مکہ میں پہلے سے رہتے ہیں اور ٹھہرے ہوئے ہیں ان میں سے کسی ایک کو بھی اپنے ہمراہ مدینہ نہ لے جائیں۔مگر اس کے برخلاف کوئی مسلمان مکہ آنا چاہے تو اس کو نہ روکیں۔

(۵) کافروں یا مسلمانوں کا کوئی آدمی اگر مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا اور کوئی مسلمان مکہ پہنچ جائے تو اسے واپس نہ کیا جائے گا۔''

ابھی معاہدہ لکھا ہی جارہا تھا، طرفین کے دستخط نہ ہوئے تھے۔عبارت ادھوری تھی کہ اتنے میں سہیل کے بیٹے ابوجندل گرتے ہوئے پاؤں میں بیڑیاں پہنے ہوئے وہاں آپہنچے اور زبان حال سے فریاد کرنے لگے:

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اسلام لانے کی پاداش میں کافروں نے مجھے قید میں رکھ کر بڑی بڑی دردناک اذیتیں دی ہیں۔یہ دیکھیے، میری پیٹھ کو دیکھیے! کوڑوں کے نشانوں کا کوئی شمار نہیں ہے.....اور میرا سینہ جلتے پتھروں سے داغا جاتا ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم! مجھ سے کہا جاتا ہے کہ جب تک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

وسلم سے بیزاری کا اعلان نہ کرو گے، اسی طرح ستائے جاؤ گے! میں نے صاف کہہ دیا کہ نادانو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت اور اطاعت پر مجھ جیسی ہزار جانیں قربان! تم میرے جسم کے ایک ایک عضو کو بھی جدا کر دو گے تب بھی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرماں برداری کا دم بھرتا رہوں گا..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم! بڑی مشکل سے ان ظالموں کی قید سے نکل کر آیا ہوں، پیروں کی بیڑیاں بھی نہیں کاٹ سکا۔ اب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم! میں جاؤں گا نہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں ہی رہوں گا۔''

ابوجندل کی آہ زاری سن کر صحابہ کرام کے دل ہل گئے۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے حد متاثر ہوئے۔

.....''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! صلح نامہ کی شرائط کی تعمیل کا یہ سب سے پہلا موقع ہے۔ صلح کی شرط کے مطابق اس شخص (ابوجندل) کو مجھے واپس دے دو''..... سہیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔

.....''مگر ابھی معاہدہ لکھا نہیں جا چکا''..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں ارشاد فرمایا۔

.....''تو پھر ہمیں سرے سے صلح ہی منظور نہیں''..... سہیل نے بے پروائی کے ساتھ جواب دیا۔

.....''اچھا، ان (ابوجندل) کو یہیں رہنے دو''..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار اصرار کے ساتھ فرمایا۔ مگر سہیل کسی عنوان پر راضی نہ ہوا، وہ یہی کہتا رہا کہ ابوجندل کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں چھوڑا جا سکتا۔ چنانچہ حضرت ابوجندل کو اسی حالت میں مکہ واپس جانا پڑا۔

ابوجندل۔ مظلوم و اسیر ابوجندل کی آنکھوں میں التجا غلطاں تھی کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم! خدا کے لیے مجھے سفاک اور ظالم دشمنوں میں واپس نہ بھیجئے۔ اور سرکار کی چشم کرم زبان حال سے بول رہی تھی کہ ابوجندل! صبر کرو، یہ مظلومیت کا دور زیادہ دن تک نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ تیری محافظت فرمائے گا صبر کرنے والوں کا بڑا درجہ ہے۔

صحابہ کرام کو اس واقعہ کا بڑا ملال ہوا۔ کسی کی آنکھوں میں تو آنسو آ گئے۔ ان کا بس چلتا تو ابوجندل کو روک لیتے، جانے نہ دیتے، مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے آگے کسی کو چون و چرا کی مجال نہ تھی..... صلح کے شرائط کا بھی ان کو غم تھا، ظاہری طور پر مسلمانوں کی طرف سے دب کر صلح کی گئی تھی ہر شرط کفار مکہ ہی کے موافق پڑتی تھی مگر اللہ تعالیٰ نے اس صلح کو ''فتح مبین'' کہا۔ وحی آئی:

اِنَّافَتَحْنَا لک فَتْحًا مُّبِیْنًاo

''ہم نے تجھ کو کھلی ہوئی فتح دی۔''

صلح حدیبیہ سے پہلے کافر اور مسلمان ایک دوسرے سے دُور دُور رہتے تھے۔ مکہ کے لوگ مکہ میں اور مدینہ کے رہنے والے مدینہ میں! لڑائی اور نزاعوں نے ایک دوسرے کے درمیان بیگانگی اور اجنبیت کی دیوار کھڑی کر دی تھی۔ دونوں طرف سے جان جانے کا خطرہ بھی لگا رہتا۔ صلح حدیبیہ کے بعد مسلمان اور کفار ایک دوسرے سے ملنے جلنے لگے اور دونوں شہروں میں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

صحابہ کرام کی زندگی، سیرت و کردار، عادات و اطوار، طرز معیشت، اخلاق، سچائی، نیکی اور پاک بازی کو دیکھ دیکھ کر کافروں

پر بڑا گہرا اثر ہو.....اور یہ اثر دلوں کو اسلام کی طرف کھینچ کھینچ کر لے گیا۔صلح کے اس زمانہ میں اچھی خاصی تعداد دائرہ کفر سے نکل کر آغوش اسلام میں آ گئی۔

خالد بن ولید جس کی تلوار نے شام کو فتح کیا اور عمرو بن عاص جن کو تاریخ فاتح مصر کے نام سے پکارتی ہے۔اسی زمانہ میں اسلام کی سعادت سے مشرف ہوئے۔یہ حدیبیہ کی صلح جس کی شرطوں کو دیکھ کر عمر جیسا مستقل مزاج اور بہادر انسان بھی اپنے غم کا اظہار کیے بغیر نہ رہ سکا۔حقیقت میں ''فتح مبین'' ثابت ہوئی۔اسلام کا چرچا مکہ میں پہلے سے زیادہ ہونے لگا۔جو لوگ ابھی تک اسلام نہ لائے تھے وہ بھی دبی زبان سے اقرار کرتے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کے ساتھی کیا ہیں فرشتے ہیں۔

فتح مکہ

ہجرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے آٹھویں سال کا واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف رکھتے تھے۔اتنے میں ایک شخص انتہائی دردانگیز لہجہ میں فریاد کرنے لگا:

''اے خدا! میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ عہد یاد دلاتا ہوں جو ہمارے اور ان کے قدیم قبیلہ میں ہوا ہے،اے خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مدد کر،اور خدا کے بندوں کو بلا.....''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے استفسار حال فرمایا تو معلوم ہوا کہ قریش کے ایما بلکہ ان کی مدد سے بنو بکر نے بنو خزاعہ کا حدود حرم میں خون بہایا اور معاہدہ شکنی کی صلح حدیبیہ کے شرائط کی بنیاد پر بنو خزاعہ اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف ہو گئے تھے۔یہی مسلمانوں کے حلیف (خزاعہ) بھیڑ بکری کی طرح حدود حرم میں ذبح کر دیے گئے۔

عمرو بن سالم اپنے قبیلہ کی طرف سے فریاد لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے تھے۔اسی سلسلے میں تمام واقعات اور مکمل تفصیل سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ متاثر ہوئے۔اور قریش کے پاس تین شرطیں لے کر قاصد روانہ فرمایا..... پہلی شرط یہ تھی کہ خزاعہ کے مقتولوں کا خون بہا دیا جائے۔دوسری شرط یہ تھی کہ قریش بنو بکر کی حمایت سے ہاتھ اُٹھا لیں اور آخری شرط یہ تھی عام اعلان کر دیا جائے کہ حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا وہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے نمائندہ نے قاصد رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ پہلی دو شرطیں ہمیں قبول نہیں البتہ تیسری شرط منظور ہے۔جب قاصد مدینہ واپس چلا گیا تو قریش کو اپنی غلطی کا احساس ہوا کہ ہم نے جواب دینے میں عجلت اور شدت سے کام لیا۔ابوسفیان کو انہوں نے مدینہ بھیجا اور ابوسفیان نے حدیبیہ کے صلح نامہ کی تجدید کی کوشش بھی کی۔مگر اب معاملہ صلح اور تجدید صلح کی حد سے گزر چکا تھا۔کفار قریش کی مسلسل بدعہدیاں،سازشیں،اور اسلام دشمنی کسی مصالحت اور سمجھوتے کی مستحق نہ تھیں۔ابوسفیان کی سفارت ناکام رہی،تاریخ اپنا ورق اُلٹ چکی تھی۔سچائی کامیابی کے افق میں جھانک رہی تھی اور باطل کو آپ ہی آپ ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی طرف کوچ کا اعلان عام فرمادیا۔ چند دن میں کوچ کی تیاریاں مکمل ہوگئیں۔ یہاں تک کہ رمضان کی دس تاریخ (۸ہجری) کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس ہزار فدائی اور عقیدت مند صحابہ کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوئے۔ منزلوں پر منزلیں طئے کرتا ہوا یہ مقدس لشکر مکہ کے حدود میں داخل ہوا..... حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کو حکم دیا کہ جاؤ! ابوسفیان کو قلۂ کوہ پر لے جا کر کھڑا کردو تا کہ وہ اپنی آنکھ سے اللہ کی فوج کے جلال وسطوت کا مشاہدہ کرلے۔ سب سے پہلے قبائل عرب کی فوجوں نے پیش قدمی کی۔

تمام قبیلوں کے دستوں کے بعد انصار کی باری آئی۔ تلوار، نیزے، ترکش، زرہیں۔ علم اور سب سے بڑھ کر ان کا جوش مسرت، حسن خلوص اور جذبۂ عقیدت..... قریش اس اہتمام کو دیکھ کر کانپ کانپ گئے..... یہ انصار تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے مددگار، جنہوں نے مہاجرین کے ساتھ بھائیوں جیسا سلوک کیا۔ اسلام کی حمایت میں جو سدا سینہ سپر رہے۔ مقدس جنگوں میں جن کی شجاعت اور جوش جہاد کے افسانوں سے تاریخ اسلام کے اوراق ہمیشہ مزین رہیں گے۔

قبیلوں کے تمام دستے ایک ایک کر کے گزر چکے تو سب سے آخر میں خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی العربی کی سواری باد سواری مکہ سے گلی کوچوں کو مہکی ہوئی اور خاک کے ذروں کو مہ ومہر بناتی ہوئی نظر آئی۔ حضرت زبیر بن العوام کے ہاتھ میں علم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تواضع اور جذبہ تشکر سے سر مبارک کو جھکا لیا تھا کہ جبیں مبارک کجاوے سے لگ گئی۔ جس وقت انصار کا لشکر مکہ میں داخل ہوا تھا تو حضرت سعد بن عبادہ جیش انصار کے علم بردار تھے۔

قریش مسلمانوں کی فوج دیکھ کر اور بدحواس ہوگئے، مقابلہ کی کسی میں ہمت نہ تھی، ان کے بازوئے شجاعت آج شل ہوگئے۔ تلواروں کے جوہر آپ ہی آپ دھندلے ہوئے جارہے تھے۔ جراتیں جواب دے رہی تھیں اور عرب کی آبائی غیرت پر اوس سی پڑ گئی تھی..... مگر اس حالت میں بھی قریش کی ایک ٹولی سے ضبط نہ ہوسکا۔ اس نے ہمت کر کے حملہ کیا اور کرز بن جابر فہری اور حبش بن اشعر دو صحابیوں کو شہید کردیا۔ حضرت خالد تلوار چلانا نہیں چاہتے تھے۔

مگر جب کہ دوسری طرف تلواریں اپنا کام کر رہی تھیں، طرح دے کر خاموش بیٹھے رہنا اور معرکہ جدال وقتال سے صرف نظر کرنا بھی کسی بھی طرح مناسب نہ تھا۔ خالد نے بھی تلوار کا جواب تلوار سے دیا۔ یہاں تک کہ کفار میدان سے بھاگ نکلے، ان کے تیرہ آدمی کام آئے۔ مقتولوں کی لاشیں بھی وہ ساتھ نہ لے جاسکے۔

خالد کے تیور عتاب آلودہ تھے ننگی تلوار پر کافروں کے لہو کا غازہ ملا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد سے باز پرس فرمائی۔ خالد اور دوسرے صحابہ نے پورا واقعہ بے کم وکاست بیان کردیا۔ معلوم ہوا کہ جنگ کا آغاز کفار قریش نے کیا تھا۔ چھیڑ چھاڑ انہی کی طرف سے ہوئی۔ حملہ آور وہی لوگ تھے۔ مسلمانوں کو بدرجہ مجبوری مدافعت کے لیے تلوار اٹھانی پڑی۔ مسلمان خاموش رہتے تو خود ارض حرم میں بدر واحد کی تاریخ دہرائی جاتی..... اس اطلاع کے بعد زبان نبوت سے ارشاد ہوا کہ ''حکم الٰہی یہی تھا۔''

مکہ میں مقام خیف کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام گاہ کا شرف حاصل ہوا۔ خیف بنو ہاشم کی مظلومیت اور بے کسی کی تاریخ اپنے سینہ میں چھپائے ہوئے تھا۔ اب سے چند سال پہلے جب کفار قریش نے بنو ہاشم کا مکمل بائیکاٹ کردیا تھا اور یہ خاندان خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات گرامی سمیت جہاں محصور تھا۔ یہی وہ مقام تھا، کل کا محصور اور قیدی آج کا فاتح تھا۔ جنھوں نے اسے محصور

یہ کتاب حکومت آندھراپردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

کیا تھا اور قید رکھا تھا، آج وہ اس کی چشم کرم کے محتاج تھے، زمانہ کروٹ بدل چکا تھا، عرب کی تاریخ دوسرے انداز پر لکھی جارہی تھی اور کفار قریش کی عظمت کے ستارے اب جھلملا رہے تھے..... بلکہ ڈوب رہے تھے حق بہت دن تک مظلوم نہیں رہ سکتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانہ کعبہ میں تشریف لائے۔ حرم کی در و دیوار نے ''خوش آمدید'' کہا۔

سلام اے طائف و مکہ کے مظلوم نبی سلام! درود اے اُحد کے زخمی درود! بھوکا رہ کر اوروں کو کھلانے والے سخی ''اہلاً وسہلاً! خندق کے مقدس مزدور ''خوش آمدید!'' انسانیت کے سب سے بڑے غم خوار ''صلوٰۃ وسلام''! بے کسی کی حالت میں مکہ سے ہجرت کرنے والے مسافر آداب کورنش!''.....!

وہ کعبہ جس کی بنیادیں سیدنا ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مقدس ہاتھوں نے اُٹھائی تھیں اور جو صرف خدائے واحد و یکتا کی پرستش اور عبادت کے لیے مخصوص تھا۔ نادان اور جاہل قریش نے اسے بت خانہ بنا رکھا تھا، جگہ جگہ پتھر اور لکڑی کے بت نصب تھے اور دیواروں پر تصویریں بنی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہو کر چھڑی سے ایک ایک بت پر ضرب لگائی، یہ آیت پڑھتے ہوئے:

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے کے لیے ہی تھا۔

بت ٹوٹ ٹوٹ کر زمین پر گرنے لگے، جن کے روبرو صدیوں قریش کی پیشانیاں خم ہوئی تھیں، آج وہ خود زمین بوس بلکہ پامال ہو رہے تھے۔ اس منظر کو دیکھ کر حجر اسود مسکرا مسکرا دیا۔

مکہ میں داخل ہوتے ہی اعلان فرمایا گیا تھا:

(۱) جو شخص ہتھیار ڈال دے گا اس کے لیے امان ہے۔

(۲) جو شخص دروازہ بند کر لے گا اس کے لیے امان ہے۔ اور.....

(۳) جو شخص ابوسفیان کے یہاں پناہ لے گا وہ بھی اپنے کو مامون سمجھے۔

خطاکار سے درگزر کرنے والا

بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا

کفار قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آئے شرماتے ہوئے، سہمے ہوئے، ڈرے ہوئے۔ دل اندر سے کہہ رہے تھے کہ آج جان کی خیر نہیں۔ ہمارے ایک ایک ظلم کا بدلہ لیا جائیگا۔ ایک ایک شہید مسلمان کے خون کے قصاص کا آج دن ہے۔ ہمیں اپنے کرتوتوں کی سزا بھگتنی ہی پڑے گی۔ ابوجندل کی پیٹھ سے لے کر بلال حبشیؓ کے سینہ تک کتنے جسم ہیں جن کو ہم نے نہیں چھیدا، نہیں تپایا اور نہیں داغا۔ ہمارے ہی ظلم و ستم کے سبب محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابن عبداللہ کو گھر سے بے گھر ہونا پڑا اور پھر جب وہ مدینہ میں پہنچ گئے تو وہاں بھی ہم نے انہیں چین سے کس دن بیٹھنے دیا۔ ہمارے ہی سردار ابوسفیان کی بیوی نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیارے چچا حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا اور ابن قمیہ ہمیں میں سے تو تھا جس کی تلوار نے ابن عبداللہ اور دُرِ یتیم آمنہ کے چہرے کو لہولہان کر دیا تھا..... مگر رحمت عالم نے فرمایا:

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

لَاتَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اِذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ

''تم سے کوئی پوچھ گچھ نہیں! جاؤ تم سب آزاد ہو۔''

بس یوں سمجھو کہ قاتلوں کو پھانسی کے تختے پر چڑھا کر اتار دیا گیا۔ تلواریں گردن کے قریب لا کر روک دی گئیں۔ موت کا فرشتہ حلقوموں کی طرف اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا کہ اسے تھما دیا گیا..... انسانیت کی پوری تاریخ عفو و درگزر کی اس مثال سے خالی ہے۔ یہ ہر کسی کی نہیں صرف ''رحمتہ للعالمین'' ہی کی شان تھی اور یہ وصف آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لیے مخصوص تھا۔

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں
سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دی!
سلام اس پر کہ دشمن کو حیات جاوداں دے دی
سلام اس پر ابوسفیان کو جس نے اماں دے دی
سلام اس پر کہ اسرار محبت جس نے سمجھائے
سلام اس پر کہ جس نے زخم کھا کر پھول برسائے
سلام اس پر کہ جس کے گھر میں چاندی تھی نہ سونا تھا
سلام اس پر کہ ٹوٹا بوریا جس کا بچھونا تھا
درود اس پر کہ جس کا نام تسکین دل وہ جاں ہے
درود اس پر کہ جس کے خلق کی تفسیر قرآں ہے

صفا میں ایک اونچی جگہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور کافروں سے اسلام کے لیے بیعت لینی شروع کی۔ قبول اسلام اور شرف بیعت کا یہ سلسلہ بہت دیر تک جاری رہا۔ ناپاک آج پاک کیے جا رہے تھے۔ دلوں کو سیاہی ایمان کے آب حیات سے دھل رہی تھی۔ کردار اور سیرتیں بدل رہی تھیں۔ جاہلیت کا غرور اور حسب کا افتخار آج مٹ رہا تھا..... بیعت کے شرف اور قبول حق کی اس سعادت میں عورتیں بھی برابر شریک تھیں۔ آج ان کی غلامی کی زنجیریں بھی کٹ رہی تھیں اور ان کی قسمت کا ستارہ بھی شرف و عزت اور احترام و محبت کے افق سے چمک رہا تھا' یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے'' نیکوں میں سب سے بڑے، پاکبازوں میں سب سے زیادہ پاکباز''

تمام کفار مکہ کے دل ابھی صاف نہیں ہوئے تھے۔ کسی کسی کے دل میں ابھی کھوٹ باقی تھی..... فتح مکہ کے دوسرے دن کا

واقعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبتہ اللہ کا طواف فرما رہے تھے۔عمیر کا جوشیلا بیٹا فضالہ گھات میں تھا۔اس نے دیکھا کہ حرم میں لوگوں کی اس وقت بھیڑ نہیں ہے۔اکا دکا آدمی آجا رہے ہیں۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر کوئی ہتھیار بھی نہیں ہے۔بالکل نہتے ہیں ایسا موقع پھر نہیں آئے گا۔لاؤ قاتلانہ حملہ کر کے ان کا کام تمام کر دوں۔محمد صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہو گئے تو مکہ کی تاریخ کا رُخ اسی دن بدل جائے گا۔یہ اسلام اور اہل اسلام کی ساری گرم جوشی انہی کے دم قدم سے ہے۔دولہا نہ رہا تو براتی بھی تتر بتر ہو جائیں گے۔اس شخص نے ہماری آبائی عظمت کے صحیفوں کو پارہ پارہ کر دیا۔قصی اور عدنان کی روحیں تڑپ رہی ہوں گی کہ قریش کا وقار خاک میں مل گیا۔

فضالہ تلوار عبا میں چھپائے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک آیا.....''کیا فضالہ آرہا ہے؟''.....رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا.....''جی ہاں! میں فضالہ ہی ہوں''.....فضالہ نے جواب دیا.....

''تم ابھی اپنے دل میں کیا سوچ رہے تھے؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا۔

''جی! کچھ نہیں (خوف زدہ ہو کر) میں تو دل ہی دل میں اللہ کو یاد کر رہا تھا۔

.....فضالہ کے اس جواب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی اور ارشاد فرمایا:

''تم اپنے خدا سے معافی چاہو.....''

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود
اپنے خطاکار کو اپنے ہی دامن میں لو
کون کرے یہ بھلا تم پر کروڑوں درود

یہ کہہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فضالہ کے سینہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔فضالہ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میرے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے بیزاری تھی۔مجھے جھنجھلاہٹ آتی تھی کہ ان کی بدولت ہم قریش کی خاندانی عظمت پامال ہو گئی۔مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک کے مس ہوتے ہی میرا سینہ سکون و اطمینان کا گنجینہ بن گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور عقیدت کا دریا جوش مارنے لگا۔

فضالہ جب حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس سے واپس ہوئے تو راستہ میں ان کی محبوبہ کا گھر پڑتا تھا،اس عورت نے دُور سے دیکھا تو فضالہ کے چہرے کو بدلہ ہوا پایا۔ہوسناک نگاہیں اب جھکی ہوئی تھیں۔جیسے بارحیا سے اب یہ زمین سے لگ کر پھر اٹھیں گی نہیں!عورت محسوس کر رہی تھی کہ فضالہ نے غلط انداز نگاہ سے بھی اس کی طرف نہ دیکھا۔فضالہ قریب سے گزرے تو اس نے خود ہی ٹوک کر کہا:

فضالہ! میری ایک ذرا سی بات تو سنتے جاؤ۔''

حضرت فضالہ نے نگاہیں نیچی کر کے جواب دیا.....''نہیں نہیں! خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ایسی باتوں سے مجھے منع کرتے ہیں۔''اللہ غنی! یا تو ہوسنا کی اور معصیت کوشی کا وہ عالم.....اور اب پاکبازی کا یہ انداز۔ ع

کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

فرہنگ

ا، آ

اجارہ داری = ٹھیکداری

ارہر = تور کی دال کی کھیتی

ازبر = خوب یاد رکھنا

ازدل خیزد و بر دل ریزد = جو دل کو بھانے والا اور دل کو لبھانے والا

استقلال = کسی بات پر قائم رہنا

اشک فشانی = آنسو بہانا

اضطراب = بے چینی

افلاس = غربت، بھوک مری

المیہ = ٹریجڈی

ان گنت = بے شمار

انفعال = شرمندگی

آب گینہ = شیشہ

ب

بارہ ماسی = بارہ مہینے

بالا حصار = قلعہ کا سب سے اوپری حصہ

بیاباں جِ پیالہ = محبوب کے بغیر

بتدریج = آہستہ آہستہ

بحر = سمندر

پ

پتہ مارنا = سخت محنت کرنا

پنگھٹ = پانی لینے جگہ، کنواں

پیچ و تاب = بے قراری

ت

تپاں = گرم، چلتا ہوا

ج

جبال = پہاڑ (جبل کی جمع)

جبر = ظلم

جبل = پہاڑ

جلال = عظمت، بڑائی

جمالیاتی حس = خوبصورت احساس

چ

چاو = چاہت

چوپالیں = وہ چبوترہ جہاں بیٹھ کر گاوں والے مسائل کا تصفیہ کرتے ہیں

چوکھا = صاف ظاہر ہے

ح

حجرہ = کمرہ

حشرات الارض = زمین پر رہنے والے کیڑے

خ

خام = کچا

خصال = خصلت

د

درفشاں = موتی بکھیرنے والا

درویش = فقیر، مفلس

دست = ہاتھ

دشت = جنگل

دغدغہ = خوف، اندیشہ

دوام = ہمیشگی

دھرم = مذہب

ز

زعم = گمان

زیست = زندگی

س

سبک = نرم و نازک

سرسوں = رائی

سفال = مٹی کا پیالہ

سوز دروں = اندرونی جلن

سیماب = چاندی

ش

شلوکا = کرتا

ص

صدف = سیپ

صدمہ = تکلیف

صلہ = بدلہ

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

صوت ہادی = ہدایت کی آواز

ط

طرب = خوشی

طیور = پرندے

ظ

ظرف = فراخ دلی، حوصلہ

غ

غنی = تونگر، رئیس

ف

فعال = حرکت

فی البدیہہ = بے سوچے، فوراً

ق

قرن = صدی

ک

کل جگ = وہ زمانہ جس میں گناہ زیادہ ہوں

کلید = کنجی

کوتاہ اندیشی = حقیر سوچ

کوکب طالع = قسمت کا ستارہ

کوند = چمک

گ

گردوں = آسمان، آسماں

گھور = خوفناک، بھیانک

ل

لغزش = غلطی

م

ماجرا = قصہ

مانوس = گھل مل جانا

ماویٰ = پناہ دینے والا

مبہوت = مدہوش ہو جانا، حیران ہو جانا

محسود = جس سے لوگ حسد کریں

محکمہ آبرسانی = شہریوں کو پانی فراہم کرنے والا محکمہ

مدعا = غرض، خواہش

متحضر = حاضر رہنا

مشتاق = آرزومند، چاہنے والے

مضمر = چھپا ہوا

مطرب = خوش کرنے والا

معاصر = ہم زمانہ

معمار = تعمیر کرنے والا

مغائرت = غیر سمجھنا

مفاسد = برائیاں

مقصدِ زیست = زندگی کا مقصد

ملجا = پناہ دینے والا

منفعل = شرمندہ

مِس = تانبا ایک قسم کی دھات

مُبر = پاک کی ہوئی

ن

نادار = بے گھر

ناداں = بے عقل

نثار = قربان ہونا

ندامت = شرمندگی

نسیم فردوس = ٹھنڈی ہوا

نوال = بخشش

نہال = مالا مال

و

وبال = مصیبت، آفت، عذاب

وجودِ زن = عورت کا وجود

ولولہ = جوش، امنگ

ع

عروس = دلہن

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔

اُردو دنیا کی چند مایہ ناز ہستیاں

سر مہاراجہ کشن پرشاد
1864 - 1940

پریم چند
1880 - 1936

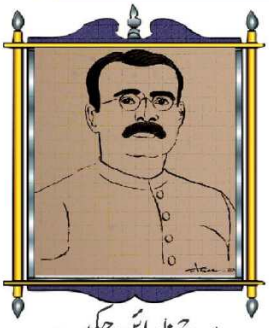

برج نارائن چکبست
1882 - 1926

سیماب اکبرابادی
1882 - 1951

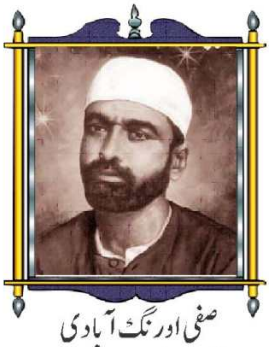

صفی اورنگ آبادی
1893 - 1954

رشید احمد صدیقی
1894 - 1977

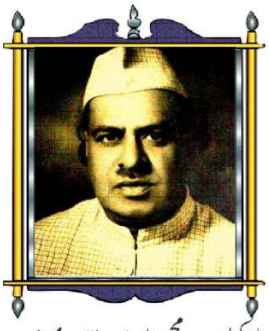

ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور
1905 - 1962

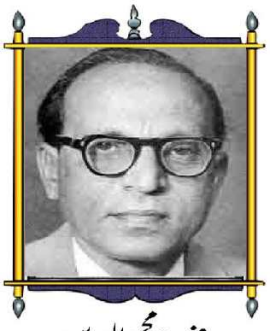

مخدوم محی الدین
1908 - 1969

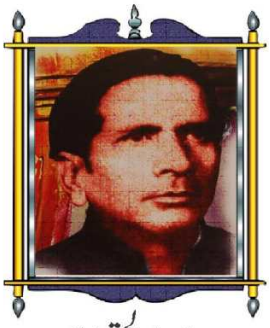

اسرار الحق مجاز
1911 - 1955

جاں نثار اختر
1914 - 1976

احسان دانش
1914 - 1982

احمد ندیم قاسمی
1916 - 2006

مجروح سلطان پوری
1918 - 2000

علی احمد جلیلی
1921 - 2005

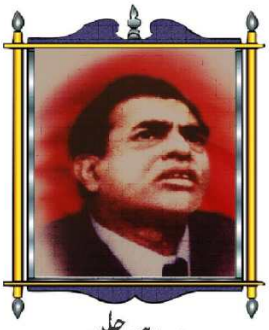

ابراہیم جلیس
1924 - 1977

شاذ تمکنت
1933 - 1985

یہ کتاب حکومت آندھرا پردیش کی جانب سے مفت تقسیم کے لیے ہے۔